In the Name of

ALLAH

The Most Gracious

The Most Merciful

Whose Help We Solicit

TOWARDS SOLVING THE MODERN PROBLEMS

THESIS for Ph.D.

By

Manzoor Ahmad Mengal

under Guidance of

Dr. Abdul Fatah Muhammed Sagheeruddin
Ex. Professor & Chairman

DEPARTMENT OF COMPARATIVE RELIGION
& ISLAMIC CULTURE
UNIVERSITY OF SINDH, JAMSHORO

1 9 9 2

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی

مسائل جدیدہ کے حل میں علماء کا کردار

از

منظور احمد مینگل

زیر نگرانی

ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب سابق چیئرمین شعبۂ اسلامک کلچر

یونیورسٹی آف سندھ

جامشورو

Ex-Professor & Chairman:
Deptt. of Comparative Religion & Islamic Culture
University of Sindh

Date 26.9.92

CERTIFICATE.

Certified that Mr. MANZOOR AHMED S/O NEK MUHAMMAD has carried out research on the topic... مسائل جدیدہ کے حل میں علماء کا کردار under my supervision and that his work is original and distinct and his dissertation is worthy of presentation to the University of Sindh for award of the degree of Ph.D. in Islamic Culture.

26/9/92

DR. ABDUL FATAH MUHAMMAD SAGHIRUDDIN
SUPERVISOR & RETIRED PROFESSOR
DEPARTMENT OF ISLAMIC CULTURE
UNIVERSITY OF SINDH, JAMSHORO.

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَحَ صُدُوْرَنَا بِالْاِسْلَامِ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْاَنَامِ، اَلَّذِیْ ھَدَانَا اِلٰی مَا ھُوَ حَلَالٌ وَّحَرَامٌ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ، اَمَّا بَعْدُ۔

آئندہ اوراق میں جو مضمون (مسائل جدیدہ کے حل میں علماء کا کردار) آپکے سامنے آرہا ہے یہ مقالہ جدید فقہی مسائل اور انکے طریقہ حل سے متعلق ہے۔

جدید فقہی مسائل کے حل کیلئے علماء کرام کا طریقہ کار کیا ہے اور وہ کونسے اصول وضوابط ہیں جنکی روشنی میں جدید رونما ہونیوالے مسائل کو بآسانی حل کیا جاسکتا ہے، اب تک جو جدید فقہی مسائل رونما ہوئے ہیں علماء کرام نے انکے حل میں کیا موقف اختیار کیا ہے۔

مذکورہ مضمون بندہ کے ایم فل کے داخلے کے لئے استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب حفظ اللہ ورعاہ کے مشورے سے طے ہوا تھا، مضمون چونکہ کافی طویل اور تحقیق کا متقاضی تھا اسلئے اسی مضمون کو ایم فل کے بعد پی، ایچ، ڈی، کیلئے منظور کرلیا گیا، یہ مضمون مندرجہ ذیل مباحث اور عنوانات پر مشتمل ہے،

۱۔ مقدمہ موضوع کے تعارف اور جدید رونما ہونے والے مسائل کے حل کیلئے اصول وضوابط پر مشتمل ہے۔

۲۔ جدید مسائل میں سے دوسو اٹھارہ (۲۱۸) اہم مسائل کا ذکر کیا گیا ہے اور انکو پندرہ (۱۵) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جنکی تفصیل یہ ہے:

باب اول: پاکی وناپاکی کے جدید مسائل،
دوسرا باب: نماز کے جدید مسائل،
تیسرا باب: روزہ سے متعلق جدید مسائل،
چوتھا باب: زکوٰۃ کے جدید مسائل،
پانچواں باب: حج کے نئے مسائل،

آخر میں گذارش ہیکہ بندہ نے بحسب توفیق یہ کوشش کی ہے کہ مضمون سے متعلق کوئی گوشہ بھی نہ چھوٹ جائے لیکن یہ عین ممکن ہیکہ اس مقالے میں کمی بیشی اور کوئی نقص موجود ہو ۔ و ماابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء » اس موقع پر اگر استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب زیدت مکارمہم سابق چیرمین شعبہ اسلامیات سندھ یونیورسٹی کا شکریہ ادا نہ کروں تو انتہائی ناسپاسی ہوگی اسلیئے کہ اگر استاذ محترم کی رہنمائی ہر ہر قدم پر نہ ہوتی تو عین ممکن ہیکہ یہ محنت کسی طرح بھی اپنی موجودہ شکل و صورت میں ظہور پذیر نہیں ہوسکتی تھی از اوّل تا آخر ڈاکٹر صاحب کی شفقت و رہنمائی سے ہی اس مقالے کو موجودہ شکل و صورت میں پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں ، نیز سندھ یونیورسٹی اور خصوصاً شعبہ اسلامیات کے اساتذہ و منتظمین کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہیکہ ان حضرات کے مسلسل و پیہم تعاون سے اس مرحلے تک پہنچنا میرے لیئے آسان ہوا ۔

منظور احمد مینگل

موضوع کی اہمیت

جدید مسائل کا حل اور اسکے شرعی احکام کا تعین ان مسائل میں سے ہے
جس کی اہمیت پر بحث ونظر کی کوئی ضرورت نہیں
علامہ اقبالؒ دو کاموں کیلئے بڑے پریشان رہتے تھے
ایک ــــ الٰہیات کی تشکیل جدید۔
دوسرے نئے قانونی مسائل کا حل
پہلے کام کا آغاز خود انہوں نے خطبات مدراس کی صورت میں کیا
دوسرے کام کے لئے کبھی نظرِ انتخاب علامہ سید انور شاہ کشمیری پر پڑی اور
کبھی سید سلیمان ندویؒ پر لیکن آخر تک انکی یہ آرزو اور خواہش پوری نہ
ہوسکی
اور اپنی حسرتوں اور آرزؤں کے ساتھ خدا سے جا ملے
اللہ تعالےٰ علماء کرام اور ارباب افتاء کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے
اس کام کو اسکے بعد الحمدللہ بڑی فراخدلی سے قبول کرکے جدید فقہی
مسائل کا حل قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں پیش فرمایا
زیر نظر مقالہ میں انکی متفرق کوششوں کو یکجا جمع کیا گیا ہے اور یقیناً یہ وقت
کی ایک اہم ضرورت ہے کہ جدید مسائل جن کا تعلق عبادات۔ معاشرت،
معاملات اور اجتماعی مسائل سے ہو کو یکجا جمع کر دیا جائے تاکہ ہماری زندگی
کا رخ صحیح اور درست ہو اور گمراہی میں پڑنے سے ہماری حفاظت ہو عوام تو در
کنار رہے جدید مسائل کا حل عام علماء کیلئے باعث پریشانی ہے
اس لیئے ضرورت اس بات کی تھی کہ جدید فقہی مسائل کے حل میں علماء محققین کے آراء کو
یکجا جمع کرکے ان سے استفادہ کو عوام کیلئے سہل اور آسان بنایا جائے
اور یہ ہماری آرزو انہی سطور کی شکل میں آپکے پیش خدمت ہے

دین اسلام اور اس کے اغراض و مقاصد

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک ابدی اور آفاقی مذہب ہے جو حسن و جمال اور ظاہری جاہ و جلال میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔

یہ مذہب صحیح نظریات عقائد اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور آداب معاشرت اور معاملات تجارت کے ساتھ ساتھ حکومت و سلطنت اور آسمانی بادشاہت کا مذہب ہے اور اس کا مستقل ایک دستور ہے جو دینی اور دنیوی مادی اور روحانی معاش اور معاد کی صلاح اور فلاح کا کفیل اور ذمہ دار ہے دستورِ اسلام اور قانون شریعت فقط زمانہ کی ضروریات نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ضروریات کا کفیل ہے اسلام مادی اور صنعتی اور حرفتی ترقی کا مخالف نہیں بلکہ اس کا حکم دیتا ہے اس دور ترقی میں جب تمدنی ایجادات اور مادیات کے نئے نئے سائنسی انکشافات نے دنیا کو مبہوت اور حیران کر دیا ہے مثلاً خبر رسانی کے سلسلہ میں ٹیلیفون ٹیلیوژن اور ٹیلیگراف ریڈیو اور لاسلکی ایسے ہی اور برقی آلات کو دیکھیں یا نقل و حرکت کے سلسلہ میں لوہے اور لکڑی کے خوشنما اور عجیب و غریب سامان تعمیرات کے سلسلہ میں نئے نئے ڈیزائن اور نمونے سیمنٹ اور اس کی ڈھلائی کی نئی نئی ترکیبیں انجینیری کے نئے سے نئے اختراعات۔ نباتاتی لائن میں زراعتی ترقیات۔

پھل اور پھولوں کی افزائش کے جدید طریقے نباتات کے نئے نئے آثار و خواص کے متعلق انکشافات حیوانی نفوس میں مختلف تاثیرات پہنچانے کے

ترقی یافتہ وسائل۔ آپریشنوں کی عجیب وغریب صورتیں۔ فن دوا سازی کی حیرتناک ترقی نقل وحرکت کے سلسلہ میں ریل گاڑی۔ موٹر اور ہوائی جہاز صنائع اور حرف کے سلسلے میں لوہے اور لکڑی کا خوشنما اور عجیب وغریب سامان۔ اعضاء انسانی کی پیوندکاری آلات کے ذریعہ سے توالد وتناسل بجلی کے ذریعہ سے معالجات کی صورتیں غرض اینکہ نئی ایجادات اور اختراعات کا ایک سلسلہ جو روز بروز تیز رفتاری کیساتھ بڑھ رہا ہے اور جس نے انسان کو حیرت میں ڈالا ہے۔

غرض انیکہ جدید صنعتی اور فکری انقلاب نے جو بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہے ان میں ایک جدید دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا فقہی اور شرعی حل بھی ہے اس مشکل اور دشوار کام کا حل کرنا علماء کی ذمہ ہے اور وہی حضرات اس کا صحیح حل تلاش کرنے کے اہل ہیں چنانچہ ہر زمانہ کے اہل علم وارباب افتاد نے اپنے اپنے دور کے مسائل حل کیے ہیں موجودہ دور میں بھی ایسی متعدد کوششیں بھی ہو چکی ہیں زیر نظر مقالہ میں علماء کرام کی انہی کوشش کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔

علمائے کرام جدید فقہی مسائل کا حل پیش کر سکتے ہیں

اس سے انکار نہیں ہے کہ مسائل واحکام کا سارا ذخیرہ دراصل کتاب وسنّت ہے لیکن اتنی بات تو ہر صاحب عقل وخرد تسلیم کرلے گا کہ حدیث وقرآن کے اندر ایک خاص انداز میں حقائق واحکام پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسری طرف یہ بھی مسلم ہے کہ عموماً ہر شخص کو ہر زمانہ میں حالات یکساں پیش نہیں آتے بلکہ مختلف ڈھنگ سے صورت حال سامنے آتی ہے سبھوں میں یہ فہم وبصیرت کہاں ہے جو کلام اللہ اور سنّت نبوی سے اپنے حالات کے مطابق ہر ہر جزئی کا جواب حاصل کرے اسلیئے ایسے موقعہ میں کچھ لوگ علماء کرام پر اپنی کم علمی اور وسعت مطالعہ کی کمی کی وجہ سے جمود اور تنگ نظری کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دستور اسلام اور قانون شریعت فقط زمانہ خیر القرون تک کی تمام ضروریات کا کفیل رہا ہے آج یہ نظام فرسودہ ہو چکا ہے ہماری نئی ایجادات اور جدت پسندی کیساتھ جو نئے مسائل ابھر کر سامنے آرہے ہیں انکا کوئی شرعی حل شریعت مطہرہ میں اور علماء کرام کے پاس نہیں ہے کچھ لوگ یہ بات اپنی کم علمی کیوجہ سے کہتے ہیں وہ بڑی حد تک معذور ہیں البتہ قابل صد ملامت وہ حاسدین ہیں جو از راہ حسد وکینہ پروری یہ کہتے ہیں۔

حالانکہ ہر دور کے فتاویٰ کی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں ان میں ہر صدی اور ہر دور کے مسائل درج ہیں اور انکے جوابات بھی ان کتابوں سے بڑھکر ثبوت ہیں اور کیا کہا جا سکتا ہے زیر نظر مقالہ (مسائل جدیدہ کے حل میں علماء کا کردار) میں ہم انشاء اللہ اسبات کا جائزہ لینگے اور ثابت کرینگے کہ ابتک جو مسائل جدید قسم رونما ہوئے ہیں ان سب کا شرعی حل علماء کرام نے پیش کیا ہے اور آئیندہ قیامت تک رونما ہونیوالے تمام مسائل کے حل کیلئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ایسے قواعد وضوابط موجود ہیں جنکے پیش نظر ہر دور کے اندر پیش آمدہ تمام مسائل کو علماء کرام حل کر سکتے اس مقالہ کے مقدمہ میں ہم اُن قواعد وضوابط اور مسائل کے حل کا طریقہ کار زیر بحث لائینگے۔

نئے پیش آمدہ مسائل کے اقسام

نئے پیش آمدہ مسائل کی علماء کرام نے تین (۳) اقسام ذکر کی ہیں۔

(۱) یہ کہ جو اس زمانہ کی کسی خاص ایجاد اور اختراع کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا موجودہ معاشی اور سماجی اور سیاسی نظام کی پیداوار ہیں انکا طریقہ کلیہ ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ کو سامنے رکھکر ان مسائل جدیدہ کیلئے ان سے نظائر تلاش کئے جائیں، اور پھر ان جدید مسائل کو ان پر منطبق کیا جائے اور ان کیلئے شرعی حل انہی کی مدد سے نکالا جائے اسکو علماء اصول تحقیق مناط کہتے ہیں اسکی پوری تفصیل انشاء اللہ ہم اجتہاد کی بحث میں ذکر کرینگے۔

(۲) دوسرے وہ مسائل ہیں جو اپنے وقوع کے اعتبار سے تو نئے نہیں ہیں بلکہ قدیم ہیں اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن عرف اور عادت اور حالات کی تبدیلی اور تغیر کیوجہ سے ضرورت اسبات کی ہے کہ اب ان پر نظر ثانی کی جائے اور اسلامی تعلیمات اور شریعت کے مزاج اور جدید تقاضوں کو سامنے رکھکر ان میں وہ مناسب محتاط اور ضروری تغیر گوارا کیا جائے اسلئے کہ اسوقت جو عرف تھا آج وہ نہیں اور اسوقت حکم کی جو علت تھی آج وہ نہیں رہی بلکہ علت متغیر اور متبدل ہو گئی لہذا تغیر علت کا تقاضہ یہ ہے کہ حکم میں بھی تغیر گوارا جائے اس کے متعلق فقہاء کرام فرماتے ہیں لو کان ابو حنیفہؒ لقال کذا یعنی یہ رائے جو اس دور میں قائم کی گئی ہے اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کے فرمودات کے خلاف ہے لیکن اگر امام ابو حنیفہؒ اس وقت زندہ ہوتے تو وہ بھی آج یہی کہتے۔ ظاہر ہے کہ مسلم قوم نے جس نئی دنیا میں قدم رکھا ہے اگر اسمیں اسکو رہنا اور چلنا ہے تو سوائے اسکے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ اسکے احساسات اور خیالات کو سمجھے اور اس کے تقاضوں اور مطالبوں کو پورا کرے۔

حصول مصالح اور دفع مضرت کی بہت سی شاہ راہیں تعمیر ہو چکی ہے معاشی اسکیموں اور فلاحی تجویزوں کا ایک الگ انبار ہے صنعت وحرف کی وسیع پیمانہ پر تنظیم ہو گئی ہے تجارت

وغیرہ کی نئے انداز میں تشکیل ہو چکی ہے۔ انسانوں کو اگر اس دنیا میں زندہ رہنا ہے تو زندگی کے موجودہ سر و سامان سے آراستہ ہونا بھی اسکے لیئے ناگزیر ہے۔

۳۔ تیسری قسم جدید معاشی نظام کے تحت ایسے ادارے بھی قائم کیئے گئے ہیں جو موجودہ صنعتی اور سائنٹیفک دنیا کیلیئے ایک ضرورت بن گئی ہیں جن میں بینک اور انشورنس (بیمہ زندگی) سرفہرست ہیں یقیناً یہ ایسے ادارے ہیں کہ جنکے اندر سود اور قمار سے کسی طرح چھٹکارا نہیں ان سے خلاصی اور نجات کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے اسکیموں کا اسلامی متبادل طریقہ پیش کیا جائے جو حضرات اسلام کے نظام معشیت سے واقفیت رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام کا نظام معشیت جدید تقاضوں کا ساتھ دینے کا پورا اہل ہے اور آسانی کیساتھ ایسے ناجائز اور باعث ہلاکت کاروبار بچتے ہوئے اسلامی حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسے ادارے بھی چلائے جا سکتے ہیں کہ جنکا کاروبار اور ان سے حاصل شدہ معاش بالکل حلال اور جائز ہو [1]

اس کے بعد یہ واضح رہے کہ احکام شرعیہ تین[2] طرح کے ہیں۔

۱۔ قطعی۔ اجتہادی۔ مصلحی۔ قطعی سے مراد وہ احکام ہیں جو کہ قرآن و سنت کی زبان میں منصوص علیہا ہیں اور ان پر تصریح موجود ہے ظاہر بات ہے کہ عام طور پر ان احکام شرعیہ میں عرف کی وجہ سے نہ زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے کسی طرح بھی تغیر و تبدل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بسا اوقات ان میں تبدیلی اور رائے زنی انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح جن احکام پر اجماع ہو چکا ہے ان میں بھی کسی طرح کی تاویل وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

۲۔ دوسرے احکام اجتہادی ہیں جن میں نصوص قطعیہ بظاہر متعارض ہیں یا انکیلئے

---

[1] منهجية الاجتهاد فی العصر الحاضر مولانا محمد تقی عثمانی ص۱۲ تا ۲۵ طبع اسلام آباد
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۲ ص۲۶/۱ طبع حرا پبلی کیشنز اردو بازار۔

[2] احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت مولانا محمد تقی امینی ص۲۱ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

دو الگ الگ نظیریں موجود ہیں اور دونوں نظیریں دو متضاد احکام کا تقاضا کرتی ہے جیسے مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ ہے حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ مفقود الخبر کا چار سال تک انتظار کیا جائے اس کے بعد نکاح فسخ کر دیا جائے گا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ اس عورت کا نکاح فسخ کر کے کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ یہ پوری زندگی انتظار کریں[1] ان دونوں اقوال کے پیش نظر فقہاء کرام کی آراء بھی مختلف ہیں ایسے احکام میں اگر کسی زمانہ کے اندر ایک جیسے حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کرنا مشکل ہو تو دوسری رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے اور بوقت مجبوری یہ عدول جائز ہو گا۔

۳/ مصلحی احکام ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ فقہاء کرام نے اپنے وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھکر ایک حکم متعین کیا تھا اور انکی رائے کا مدار انکے زمانہ کا عرف اور اس وقت کے حالات ہوں تو ایسے مسائل میں آج کے عرف اور عادت کو دیکھ کر قدرے تبدیلی کیجا سکتی ہے اس بات کی وضاحت انشاء اللہ ہم اسی مقدمہ میں کرینگے کہ علماء کرام زمانہ کے عرف کا اعتبار کس حد تک کرتے ہیں اور عرف کا شرعًا کیا مقام ہے لیکن تاہم اس سے قبل یہ ذہن نشین رہے کہ عرف فی الجملہ احکام شرعیہ میں کارآمد اور مفید ہے چنانچہ صاحب فتاویٰ دار العلوم دیوبند نے بحوالہ عقود رسم المفتی نقل کیا ہے۔

لأن كثيراً من المسائل يجاب عنه على عادات
أهل الزمان فيما لا يخالف الشريعة [1]

اسلیئے کہ بہت سے مسائل کا جواب اہل زمانہ کی عادات کے لحاظ سے دیا جاتا ہے جنمیں شریعت کی مخالفت کا شائبہ نہ ہو۔

بہر حال احکام قطعیہ کے علاوہ احکام اجتہادیہ اور مصلحتی احکام میں تبدیلی اور تغیر ضرورت کی بناء پر نہ کہ عرض و ہوس کی بناء پر نامناسب نہیں ہے اس سے

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۱ ص ۴۷ طبع دار الاشاعت کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۲ ص ۹ حرا پبلی کیشنز

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۲ ص ۵۰/۵۱ اردو بازار لاہور

انکار کرنا ایک حقیقت کا انکار ہوگا۔
نئے مسائل اور ان کی اقسام کی معرفت کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ دین ایک ابدی اور سرمدی دین ہے جو قیامت تک پیش آنیوالے مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے اس کے نظام میں ایسی لچک اور گنجائش رکھی گئی ہے کہ کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دین اسلام انسانیت کی رہبری نہیں کر سکتا شریعت اسلامی میں کچھ عناصر اور ضوابط ایسے بھی پائے جاتے ہیں جنکی وجہ سے یہ سلسلہ کہیں بھی نہیں رُکے گا اور اس عالمگیری نظام میں کبھی بھی انشاء اللہ جمود پیدا نہیں ہوگا یہ ایسے جواہر ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ شریعت اسلامیہ کو زندہ و تابندہ رکھا ہے اور انہی کی وجہ سے شریعت ہمیشہ قابل عمل رہی ہے اور انہی کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل حل ہوتے رہے ہیں اور یہ چیز صرف اللہ پاک نے اُمت محمدیہ کو خصوصیت سے عطاء فرمائی ہے اسی کے پیش نظر آپ ؐ کا ارشاد گرامی کہ میری اُمت کبھی گمراہی اور ضلالت پر متفق نہیں ہو گی ۔ منجملہ اُن میں سے ایک اجماع ہے

جدید مسائل کے حل میں اجماع کو فعال بنایا جائے

فقہ اسلامی کے مأخذ میں سے تیسرا مأخذ اجماع ہے لغت میں اجماع کا معنی عزم اور اتفاق کے آتا ہے۔

قرآن مجید سورۃ طٰہٰ میں ہے "فاجمعوا أمركم وشركاءكم" تم اپنی بات طے کرلو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کرلو۔ فقہاء کرام کی اصطلاح میں:

وهو اتفاق أهل الحل والعقد من أمة محمد صلى الله عليه وسلم على أمر من الأمور علہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اہل حل وعقد کا کسی معاملہ میں متفق ہونے کا نام اجماع ہے۔ دراصل قانون کو حالات وزمانہ کے مطابق ڈھالنے کیلئے اجماع ایک قسم کا اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو انکی صلاحیتوں کے پیش نظر عطاء ہوا ہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت اصول اور کلیات کے اعتبار سے بالکل کامل اور جامع ہیں مگر جامعیت عقائد کے قواعد شرائع کے اصول اور اقتضاء مصالح کے مطابق استنباط کے قوانین کے اعتبار سے ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قیامت تک آنے والے ہر ہر جزئی کا صراحتاً ذکر قرآن وسنت میں ہے ورنہ جہاز ریل گاڑی کا ذکر قرآن وسنت میں کہاں ہے ان میں تعیین قبلہ کس طرح کیا جائیے اور ان میں نماز کس طرح ادا کی جائیے بیٹھکر یا کھڑے ہوکر یقیناً قرآن وسنت میں اسکا کہیں ذکر نہیں اسلیئے علماء کرام نے قرآن مجید کی آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" ① کا مصداق اور محل انہی تین چیزوں کو قرار دیا ہے۔

کا مصداق اور محل انہی تینوں چیزوں کو قرار دیا ہے

① پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع/۵/آیت ۳

علہ حسامی باب متابعۃ النبیؐ بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۱۱۲ طبع کراچی

~~قسم اولیا ہے~~ جنکا ذکر ابھی کیا گیا یعنی قرآن وسنت کی جامعیت عقائد کے قواعد اور شرائع کے اصول اور اقتضاء مصالح کے استنباط پر مشتمل ہونیکے اعتبار سے ہے۔

هو التنصيص على قواعد العقائد و ~~التوفيق~~ والتوقيف على أصول الشرع وقوانين الاجتهاد لا ادراج حكم كل حادثة فى القرآن۔ عله

یعنی اکمال کا معنی یہ ہے کہ عقائد کے قواعد پر تصریح کا ہونا اور اصول شرع اور اجتہاد کے قوانین پر واقفیت کا ہونا یہ مراد نہیں کہ ہر جزئی واقعہ وحادثہ کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

ایک اور مقام پر صاحب التلویح علامہ تفتازانی فرماتے ہے۔

ولاشك ان الاحكام التى لم تثبت بصريح الوحى بالنسبة الى الحوادث الواقعة قليلة غاية القلة فلو لم يعلم احكام تلك الحوادث من الوحى الصريح وبقيت احكامها مهملة لايكون الدين كاملاً فلابدّ من ان يكون للمجتهدين ولاية استنباط احكامها۔ ع۲

اسمیں کوئی شک نہیں کہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہیں انکی تعداد جدید مسائل کی بنسبت بہت کم ہے اب اگر جدید مسائل کے احکام صریح وحی سے معلوم نہ کئے جائیں اور ان کو اسی طرح بغیر حکم شرعی کے چھوڑ دیا جائے تو دین کے کامل ہونے کا دعویٰ درست نہ ہوگا۔

ع۱ تلویح ص۵ بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص۱۱۳ طبع کراچی
ع۲ تلویح ص۵

تو دین کے کامل ہونیکا دعویٰ درست نہ ہوگا لہٰذا ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے اس عبارت سے اجماع کی اہمیت اور ضرورت پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ اجماع کا ہونا ضروری ہے تاکہ نئے مسائل کو نئے حالات کے پیش نظر قانون الٰہی کے مطابق ڈھال کر لوگوں کیلئے قابل عمل بنایا جائے اور کسی مسئلہ کو مہمل نہ چھوڑا جائے۔

بہرحال قوانین الٰہیہ کی روشنی میں نئے مسائل کے حل کیلئے جو فیصلہ اجتماعی حیثیت سے سامنے آئے گا اسی کو ہم اجماع کہینگے۔

قرآن حکیم میں اجماع کی بنیاد

قرآن مجید میں اجماع کی اساس اور بنیاد مندرجہ ذیل آیتیں ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وأولى الامر منكم (النساء رکوع ۸) آیت ۵۹

اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں (1)
کر [illegible] اسی سورۃ نساء میں آگے ایک مقام پر ارشاد ہے۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدىٰ
ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولىٰ ونصليه
(جهنم النساء ع ۱۷)

جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا ہدایت واضح ہونیکے بعد اور مؤمنوں کی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگتا ہے ہم انکو اسی طرف لیجائینگے جس طرف کو جانا اس نے خود پسند کیا اور اسکو جہنم میں داخل کریں گے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ۔ (البقرہ ع ۱۷)

اسی طرح ہم نے آپ کو ایک معتدل امت بنایا تاکہ تمام انسانوں کیلئے سچائی کی شہادت دینے والے تم ہو۔

اسکے علاوہ اجماع کی حقانیت اور اس کے ثبوت کی سب سے بڑی دلیل اسلام کا شورائی نظام ہے اجماع بھی تو ایک شورائی نظام کا نام ہے اسلئے وہ تمام تصریحات جو شورائی نظام پر دلالت کرتی ہے وہ سب اجماع کے ثبوت اور حقانیت کے دلائل ہونگے۔

(1) ترجمہ شیخ الہند ص۱۱۱ طبع مملکۃ العربیہ السعودیہ۔

مثلاً جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران ع ١٧)

معاملات میں آپ ان سے مشورہ کر لیا کیجئے پھر جب مشورہ کے بعد کسی بات کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کر کے کیجئے۔

اس آیت کے سیاق و سباق کو دیکھ کر اس سے اور عمومیت الفاظ سے اجماع کی اصلیت پر روشنی پڑتی ہے اور اس کا علم ہو جاتا ہے کہ اجماع کا محل خاص نہیں بلکہ عام ہے چنانچہ عمومیت کے پیش نظر تمام امور قانونی اور غیر قانونی اہم امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو مشورہ کیلئے شامل فرماتے تھے۔

نیز قرآن مجید میں صحابہ کرام اور دیگر ایمان والوں کا شیوہ بھی ۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ع ۵) سے بیان کیا گیا ہے کہ ایمان والوں کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

یہ واضح بات ہے کہ قانونی معاملہ ہو یا غیر قانونی مشورہ کی ضرورت وہاں پر ہوتی ہے جہاں کوئی تصریح نہ ہو اگر کسی موقعہ پر تصریح کے باوجود مشورہ ہوا ہے تو یقیناً طریق نفاذ میں ہوگا یا موقع اور محل کی تعین کیلئے ہوگا اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ غیر منصوص علیہا احکام کے حل میں باہمی مشورہ اور اجماع کی ضرورت ہے اور ان کے حل کا طریقہ اجماع ہی ہے اور جس بات پر اجماع اور اتفاق ہوگا انشاء اللہ وہ کبھی غلط نہ ہوگی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ان الله لا يجمع أمتى على الضلالة علہ

اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ما رآه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن عله

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے ہاں بھی اچھی ہے۔

علہ ترمذی ابواب الفتن۔

عله الاشباه والنظائر القاعدة السادسة العادة محكمة۔

اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے

سابقہ روایات سے اتنی سی بات معلوم ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت پر اعتماد کا اظہار فرمایا ہے کہ میری اُمت گمراہی اور ضلالت پر جمع نہ ہوگی بلکہ جس بات پر ان کا اجماع اور اتفاق ہوگا وہ خدا کے ہاں بھی پسندیدہ اور صحیح ہوگی۔

اب ہمیں یہ متعین کرنا ہے کہ اجماع سے کن لوگوں کا اجماع مراد ہے اور ان احادیث کا مصداق کیا ہے جو اجماع کے ثبوت میں وارد ہیں تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اجماع کا جو معنی عرف عام میں مشہور ہے حضرت شاہ ولی اللہ اسکی تردید فرماتے ہے چنانچہ فرماتے ہے۔

بازاجماع کہ متخیل اهل زبان است بمعنی اتفاق جمیع اُمت مرحومہ بحیثیت لایشذ منہم فردا واحد نصاً من کل واحد منہم خیال محال است ہرگز واقع نشدعلہ
یعنی جو اجماع لوگوں کے خیال ہے کہ اسمیں ساری امت مرحومہ کا صراحتاً اتفاق ہوا اور اس سے الگ نہ رہے یہ خیالِ مُحال کبھی واقع نہیں ہوا ہے۔

بہر حال اجماع کا اگر مذکورہ معنی مراد لیا جائے تو یہ بالکل صحیح نہیں ہے اس کا مطلب گویا کہ یہ ہوگا کہ اجماع واقع ہی نہ ہو بلکہ اس صورت میں تو اجماع کا امکان ہی ختم ہوگا نیز اس سے ہٹ کر اجماع کو اتنا سہل الحصول بھی شمار نہ کیا جائے کہ نا اہلوں کی کوئی کمیٹی کسی بات پر اتفاق کرے تو اسکو قطعیت کا درجہ دیکر اجماع سے تعبیر کیا جائے یہ تو ایک مذاق ہوگا دین کے ساتھ اور اسطرح سے خدا کے نبیؐ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔ عہ

علہ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ دہلوی مقصد دوم حکایت گشت فاروق اعظم رض ص ۸۵ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ رعایت آ

عہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت محمد تقی امینی ص ۳۲ طبع ساگر اکادمی لاہور

چنانچہ ہمارے مذکورہ مدعیٰ پر فقہاء کا یہ قول ایک واضح دلیل ہے۔

لا اعتبار بقول العوام لا وفاقا ولا خلافا عند الجمہور لانہم لیسوا من أہل النظر فی الشرعیات و لا یفہمون الحجۃ ولا یعقلون البرہان علے

اجماع میں عوام کے قول کا اعتبار نہیں نہ انکے اتفاقی قول نہ اختلافی کا اسی پر جمہور کا عمل رہا ہے کیونکہ شرعی معاملات میں نہ وہ اہل نظر ہیں اور نہ دلیل وحجت کو سمجھتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ عوام کا اجماع معتبر نہیں تو قابل غور یہ امر ہے کہ اجماع کیلئے کونسے افراد مطلوب ہیں تو اس سلسلہ میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ جن افراد کا اجماع شرعًا مطلوب ہے ان افراد کا علمی اور عملی حیثیت سے معیاری اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمان ان کے فیصلہ پر اعتماد کر سکے اور ان کے فیصلہ کو سند کی حیثیت دیں یہ ظاہر بات ہے جو لوگ علم وعمل سے فارغ ہیں انکے اجماع اور اتفاق کا کیا اعتبار ہوگا۔

او خویشتن گمراہ است کرا راہبری کند

جو خود گمراہ ہو تو کس کی رہبری کی وہ قابل ہے

اسلیئے قابل اجماع افراد کیلئے ایک علے تو قرآن کریم ہیں حکمت وبصیرت کا درجہ ہو صرف ترجمہ اور تفسیر بیان کرنا اسکیلئے کافی نہیں۔

۲۔ سنت نبویؐ کو روایت اور درایت ہر اعتبار سے پرکھنے کی صلاحیت اور استعداد اسمیں ہو۔

۳۔ سوم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگی اور ان کے اجماعی فیصلوں کا علم رکھتا ہو۔

علے حصول المامول من علم الاصول البحث الثامن عشر ص۳۹ خلاصۃ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول للشوکانی بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی

۴۔ چہارم قیاس کے ذریعہ سے استنباط احکام کر سکتا ہو اور قواعد اور ضوابط فقہیہ سے بھی واقف ہو۔

۵۔ قوم کے مزاج اور عرف سے بھی واقفیت رکھنا ضروری ہے۔

۶۔ جدید رجحانات اور تقاضوں سے واقفیت کیلئے ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو اس سلسلہ میں بصیرت رکھتے ہوں اور ان کو بھی شامل کیا جائے مذکورہ تمام باتوں پر علماء اصول کا یہ قول واضح دلیل ہے۔

الاجماع المعتبر فی فنون العلم ھو اجماع اھل ذٰلک الفن العارفین بہ دون من غیرھم فالمعتبر فی الاجماع فی المسائل الفقھیۃ قول جمیع الفقھاء و فی المسائل الاصولیۃ قول جمیع الاصولیین و فی المسائل النحویۃ قول جمیع النحویین ومن عدا اھل ذٰلک الفن ھو فی حکم العوام[۱]

فنی اجماع میں ان لوگوں کا اجماع معتبر ہوگا جو اس فن کو جانتے ہوں انکے علاوہ کا اعتبار نہ ہوگا پس اس قاعدہ کے پیش نظر مسائل فقہیہ میں تمام فقہاء کرام کے قول کا اعتبار ہوگا اور مسائل اصولیہ میں علماء اصولیین اور مسائل نحویہ میں نحاۃ کے قول کا اعتبار ہوگا انکے ماسوا جو ہوں گے ان کا شمار عوام میں ہوگا۔

قابل اجماع افراد کیلئے ضروری ہے عملی حیثیت سے ماموارت کو اپنانے والے ہوں، اور منہیات سے اجتناب کرنیوالے ہوں تقویٰ کا کوئی خاص معیار انکے لئے مقرر نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ صاحب المروۃ لوگ ہوں بری عادتوں سے اجتناب کرنیوالے ہوں فسق و فجور میں علانیۃ مبتلیٰ نہ ہو اسلئے انسان جب۔

---

[۱] حصول المامول من علم الاصول البحث الثامن عشر ص ۶۲۔ خلاصۃ ارشاد الفحول الیٰ تحقیق الحق من علم الاصول للشوکانی بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی۔

عام فسق و بدعت وغیرہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا اثر دل پر ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے انسان کیلئے ایک قوت جو حق و باطل کے مابین فرق کرنی والی ہے اور خدا کے طرف سے عطاء ہوتی ہے وہ چھین جاتی ہے عا

عا اسلامی فقہ کا تاریخی پس منظر محمد تقی امین امینی ص۱۱۸ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

موجودہ حالات میں اجماع کا طریقہ کار

رہی یہ بات کہ اجماع کے افراد کا تعین کس طرح کیا جائے اور شریعت اس بارے میں ہماری رہنمائی کہاں تک فرماتی ہے تو اس سلسلہ میں تاریخ سے کوئی تشفی خاطر جواب ہمیں نہیں ملتا اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر دور کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور مسائل کو حل کرنا بھی حالات زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اسلیئے ہر زمانہ کا طریقہ کار اور اسکا تعین اسی زمانے کے مطابق رہا ہے ہمارے اس زمانہ میں یہ مشکل نہیں جبکہ وسائل خبر رسانی اور مواصلات کی کثرت ہے کسی مسئلہ پر ارباب حل وعقد اور اہل نظر کی آراء کو معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ یہ چٹکیوں کی بات ہے نیز گزشتہ مجتہدین کی آراء کا ایک بہترین ریکارڈ انکی کتابوں کی صورت میں موجود ہے جنہوں نے فکر ونظر کے اختلاف کے باوجود بہت سے اہل علم جو کہ غیر معروف ہیں ان سب کی آراء نقل کی ہیں بہر صورت اس زمانہ میں اگر کسی ایک مسئلہ پر تمام اہل حل وعقد کی آراء ضروری قرار دیجائیں تب بھی مواصلات اور خبر رسانی کے وسائل کی مدد سے ان سب کی آراء معلوم کیجا سکتی ہیں جبکہ اجماع صریحی کو ضروری قرار دیا جائے لیکن علماء احنافؒ کے ہاں اجماع کا ایک اور باب بھی ہے جسکو اجماع سکوتی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ اجماع صریحی کے بالمقابل بالکل آسان ہے جسکی صورت شیخ محمد خضریؒ نے یہ بیان کی ہے۔

أمّا السكوت بأن أفتى بعض المجتهدين بحكم
في مسئلة أو قضى به وسكت باقيهم فلم
ينكروا عليه ؎۱

اجماع سکوتی کی صورت یہ ہے کہ بعض مجتہدین کسی مسئلہ میں ایک حکم کا

؎۱ اصول الفقہ شیخ محمد خضریؒ بک ص۲۷۳ طبع مکتبۃ الایاض الحدیثیہ۔

فتویٰ دیں یا کسی مسئلہ کا قضا صادر فرمائیں اور دوسرے مجتہدین کو اس کا علم ہو جائے اور وہ اس پر نکیر نہ فرمائیں۔

ویسے تو مسلم ہے کہ اجماع صریحی قطعیت کا فائدہ دیتا ہے لیکن اجماع سکوتی کا کیا حکم ہے علامہ خضری ؒ اسی صفحہ پر فرماتے ہے (قال أكثر الحنفية هو اجماع قطعى ،، اکثر علماء احناف ؒ اس اجماع سکوتی کی بھی قطعیت کے قائل ہیں جبکہ علامہ فخر الاسلام بزدوی ؒ اسکی ظنیت کے قائل ہے اور وہ فرماتے ہے کہ یہ اجماع خبر واحد کے درجہ میں ہے اکثر احناف اگرچہ اسکی قطعیت کے قائل ہیں مگر وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسکا مرتبہ اجماع صریحی سے کمتر ہے[1]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں = بحث و نظر قاضی مجاہد الاسلام ص ۶۸ ج ۳۔
طبع جنوری ۱۹۹۱ء ندوہ ایجنسی حیدرآباد (ہند)۔
قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۹۸ طبع ندوہ ایجنسی حیدر آباد (ہند)۔
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۱۲۲ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
اصول الفقہ شیخ محمد خضری ؒ ص ۲۷۳ مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ۔

اجماع کی اساس

اسمیں کوئی شک نہیں کہ اجماع حجت ہے لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ اُمت کا کسی مسئلہ پر اتفاق اور اجماع ضروری ہے امت کا یہی اجماع قطعیت کا فائدہ دے گا یا اس اجماع اور اتفاق کیلئے ضروری ہے کہ اسکی اساس کتاب وسنت ہو۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اجماع کو اور اساس اور بنیاد کی ضرورت نہیں اجماع بذات خود ایک حجت ہے جبکہ اس کے برخلاف عام فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اجماع کیلئے کتاب وسنت میں سے کسی اساس کا ہونا ضروری ہے پھر اکثر فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ یہ اساس کتاب اللہ وسنت رسول اور قیاس یہ تینوں بن سکتے ہیں لیکن امام ابوداؤد ظاہری اور حافظ ابن جریر طبری کے ہاں قیاس سے اجماع کیلئے اساس نہیں بن سکتا داؤد ظاہری اور امام جریر طبری کی دلیل یہ ہے کہ قیاس ظنی ہے اور اجماع بسا اوقات جبکہ اجماع صریحی ہو مفید للقطع ہوتا ہے پس ایک ظنی چیز قطعی کیلئے کیونکر اساس اور بنیاد بن سکتی ہے۔

لیکن اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ خبر واحد کو اجماع کی اساس تو مانتے ہیں حالانکہ خبر واحد بھی مفید ظن ہے پس خبر واحد ظنی ہوتے ہوئے اجماع کی اساس بن سکتی ہے تو قیاس کیونکر نہیں بن سکتا۔

پھر اس کے علاوہ اسپر صراحتًا دلیل موجود ہے کہ صحابہ کرام نے اجماع کیلئے قیاس کو اساس بنایا ہے چنانچہ ابوبکرؓ کی امارت پر صحابہ نے اجماع اور اتفاق کیا اور اسکو حضرت ابوبکر کی امامت پر قیاس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں ابوبکر کو امام بنا چکے تھے اسلئے امارت کے باب میں حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونگے۔

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَسْتُمْ تَعلمُونَ اَنّ رسول اللہ اَمَرَ ابابکر اَنْ یصلی بالنّاس فأیّکم تطیبُ نفسه اَنْ یتقدمَ ابابکر ①

کیا آپ لوگوں کو علم نہیں ہے جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا پس اس کے پیش نظر تم میں سے کس کو پسند ہے کہ وہ اسوقت ابوبکر سے آگے ہوں۔

خلاصہ اینکہ امارت ابوبکر جو کہ اجماعی ہے امامت ابوبکر پر قیاس کیا گیا ظاہر ہے کہ اجماع کی بنیاد قیاس پر ٹھہرا۔

دوم۔ شراب کی سزا مقرر کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ نے اسکو تہمت کی سزا پر قیاس کیا اور صحابہؓ کا اسپر اجماع ہوا کہ جو تہمت (قذف) کی سزا ہے وہی شراب کی سزا ہے اسمیں بھی قیاس کو اجماع کیلئے اساس کی حیثیت دی گئی ہے۔

عل اصول الفقہ شیخ محمد خضری ص ۲۷۲ طبع مکتبہ الریاض الحدیثیہ۔

انعقاد اجماع کیلئے کتنے افراد ضروری ہیں

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اجماع کیلئے یہ ضروری ہے کہ ارباب فکر و نظر اور اہل حل وعقد کسی بات پر متفق ہوں تو اس کو اجماع شمار کیا جائے نیز شیخ محمد خضریؒ نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے

الاِجمَاعُ اتفاق المجتهدين من هذه الامة فى عصر على حكم شرعى ؏١

اجماع اس امت کے مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہونیکا نام ہے
اس تعریف میں کوئی تعداد وغیرہ کا ذکر نہیں البتہ اتنی سی بات ضرور اس تعریف سے مفہوم ہوتی ہے کہ اتفاق کیلئے تعداد کا ہونا ضروری ہے ایک سے اجماع منعقد نہ ہوگا اب اس تعداد سے کتنے افراد مراد ہیں تو اسکا اکثر متعین نہیں البتہ اقل درجہ علماء کرام فرماتے ہیں کم از کم تین افراد ہوں لیکن جتنے افراد ہوں ان کیلئے ضروری ہے کہ امت کے چیدہ چیدہ اور منتخب افراد ہوں اسیطرح فیصلہ میں سب کا ہر حیثیت سے متفق ہونا ضروری نہیں بلکہ اکثریت کا اتفاق کافی ہے چنانچہ امام غزالیؒ سے نقل کیا گیا ہے انه ينعقد مع مخالفة الاقل ؏٢ اجماع اقلیت کے اختلاف کے باوجود بھی منعقد ہو جاتا ہے۔
اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام میں اکثریت کا ہر جگہ اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ رائے دینے والے کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ عدالت اور تقویٰ کے لحاظ سے کیسے ہے

؏١ اصول الفقہ شیخ محمد خضریؒ ص ۲۷۲ طبع مکتبہ الایاض الحدیثیہ۔
؏٢ حصول المامول من علم الاصول البحث التاسع عشر ص ۶۷ بحوالہ فقہ اسلامی تاریخی کا پس منظر محمد تقی امینی ص ۱۱۹ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ایک طرف بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور اسکے بالمقابل ایک چھوٹی تعداد ہوتی ہے مگر عدالت اور صدق و تقویٰ کے لحاظ سے یہ افراد پختہ ہیں تو ان کی بات کو ترجیح ہوتی ہے لیکن یہاں پر اجماع کے مسئلہ میں ایسا نہیں اسلیئے کہ یہاں پر جتنے بھی افراد قابل اجماع ہیں وہ سب چیدہ چیدہ اور منتخب افراد ہیں تو ان کے اختلاف کے وقت ترجیح اکثریت کو دیجائیگی اور اکثریت کی بات پر عمل کرنے میں فتنہ کا اندیشہ بھی کم ہے بنسبت اقلیّت کے۔ علہ

علہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی صـ ۱۲۰ قدیمی کتب خانہ۔

اجماع کا فائدہ

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اجماع کی اساس کتاب وسنّت اور قیاس ہیں تو پھر اجماع کی دلیل ہونے سے کیا فائدہ ظاہر ہے کہ اجماع اگر بذات خود دلیل ہے تو اس کیلئے دلائل ثلاثہ میں سے کسی کو اساس کے طور پر کیوں تلاش کیا جا رہا ہے۔

اس اشکال کا جواب علامہ ابن ہمامؒ نے یہ دیا ہے کہ بسا اوقات کسی دلیل ظنی سے ثابت ہونیوالے حکم پر اجماع کیا جاتا ہے تو اس میں قطعیت پیدا ہوتی ہے اب اسکی ایک صورت یہ ہے کہ وہ حکم اگر پہلے کسی دلیل قطعی سے ثابت ہے تو اجماع اسپر جب منعقد ہوگا تو اس کی قطعیت میں مزید تاکید اور پختگی پیدا ہوگی اور اگر حکم پہلے کسی دلیل ظنی سے ثابت ہے تو اجماع کی وجہ سے وہ قطعی بن جائیگا چنانچہ اس مدعیٰ پر فقہاء کی اس عبارت سے کافی روشنی پڑتی ہے۔

لأنّ الاجماع عُرِفَ حجّةً كرامةً لهٰذه الأُمّة لحاجتهم الى ذلك لأنّ النبى صلى الله عليه وسلّم خاتم الانبياء ومتى وقعت حادثة ليس فيها نص قاطع وعملوا فيها بالاجتهاد وهو محتمل للخطاء وجاز ان يكون على الخطأ كان قولاً بخروج الحق عن جميع الامة وانه لا يجوز ومن الحاجة الى تجديد الرسالة ولا وجه اليه لاخبار الله تعالىٰ بكون رسولنا خاتم الانبياء فصار الاجماع حجة لهٰذه الامة۔ [1]

[1] التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۱۱۲ بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۱۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

اجماع اس اُمّت کی ضرورت کے پیش نظر بطور اکرام کے ان کیلئے حجت مقرر کیا گیا اسلیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور جب کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ جسمیں صریح نص موجود نہ ہو تو اس صورت میں امت اجتہاد پر عمل کریگی چونکہ اجتہاد میں خطا کا بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے پوری اُمت خطا پر عمل کرنیوالے بن جائیں ایسے عالم میں ساری اُمت کا حق سے نکل جانا لازم آئے گا اس صورت میں تجدید رسالت کی ضرورت ہو گی جسکی وجہ سے اُمت کو انکی خطاء پر باز رکھا جائے حالانکہ تجدید رسالت کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ اللہ پاک نے جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی خبر دی ہے پس اجماع کو اس اُمت کیلئے حجت بنایا گیا۔

خلاصہ اینکہ نئی صورت جب پیش آئیگی اس کو اجتہاد کے ذریعہ سے حل کیا جائے گا لیکن اجتہادی فیصلہ میں خطاء کا احتمال ہے جب اسپر اجماع منعقد ہوگا تو اسمیں قطعیت آجائیگی عـلـہ

عـلـہ قاموس الفقہ خالد سیف اللہ صـ۲۰ ارم کانج اعظم پورہ حیدر آباد (ھند)
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی صـ۱۷ قدیمی کتب خانہ ...... کراچی
اصول فقہ شیخ محمد خضری رح صـ۲۸۲ مکتبہ الریاض الحدیثیہ۔

اجماعی فیصلوں کا شرعی حکم

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اجماعی فیصلہ میں قطعیت آجاتی ہے تو اس بنا پر علماء کرام فرماتے ہے کہ اجماعی حکم پر عمل کرنا واجب ہے۔

چنانچہ صاحب التلویح فرماتے ہے کہ۔

فان استنبط المجتهدون فی عصر حکما واتفقوا علیه یجب علی اهل ذلك العصر قبوله فاتفاقهم صار بیّنة علی ذلك الحکم فلا یجوز بعد ذلك مخالفتهم [1]

جب مجتہدین نے کسی زمانہ کسی حکم کا استنباط اور اسپر اتفاق کیا تو اس زمانہ میں بسنے والوں پر اسکا قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ مجتہدین کا اجماع اسپر دلیل ہے لہذا اسکی مخالفت جائز نہیں ہو گی۔

اور اس کے بعد والے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ اسپر عمل کرے بشرطیکہ اس اجماع اوّل کے خلاف بعد میں کوئی اور اجماع منعقد نہ ہوا ہو۔

---

[1] التلویح باب الأجماع بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۱۲۲

اجتہاد اور مسائل جدیدہ

شریعت اسلامی کے اندر اللہ پاک نے ایک اور ایسا عنصر رکھا ہے جسکی وجہ سے قیامت تک پیش آنے والے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور وہ شریعت مطہرہ کے اندر کسی بھی موڑ پر جمود پیدا ہونے نہیں دیتا اور جس کے حاملین کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مرتبہ اور مقام بخشتا ہے کہ عقل انسانی کو سوائے حیرت کے اور کوئی چارہ کار نہیں اور وہ عنصر ہے اجتہاد صاحب اجتہاد کیلئے شارع علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ
وَاِذَا حَكَمَ فَاجتَهَدَ ثُمَّ اَخطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ[1]

حاکم جب اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہے اور اسکا فیصلہ درست ہوتا ہے تو اسکو دو اجر ملینگے اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہے اور خطا کرتا ہے تو اسکو ایک اجر ملے گا۔

اگر اجتہاد میں باوجود تمامتر مخلصانہ کوششوں کے غلطی ہو جائے تو ایک اجر۔ یقیناً اس قسم کی ترغیب میں مصلحت یہی ہے کہ عملِ اجتہاد جاری رہے اور فقہاء اور مجتہدین خطاء کی ڈر سے اجتہاد کو چھوڑ نہ بیٹھیں اور اس عالمگیری دین وشریعت پر کوئی داغ دھبہ نہ لگے کہ یہ شریعت ایک محدود زمانہ کیلئے ہے اور نئے مسائل اور نئے حالات کا حل اور جواب اس میں نہیں ہے۔

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب الاعتصام باب اجر الحاکم اذا اجتہد۔

اجتہاد کا معنی لغوی اور اصطلاحی

اجتہاد کے لغوی معنی ہیں کسی کام میں انتہائی کوشش صرف کردینا اصطلاح فقہاء میں۔

الاجتھاد ھو استفراغ الجھد و بذل غایۃ الوسع
اما فی درک الاحکام الشرعیۃ و اما فی تطبیقھا[1]
اپنی طاقت اور کوشش کو انتہائی صرف کرنا یہ صورت یا نئے
پیش آمدہ مسائل کی طلب میں ہو یا قوانین کی باہمی تطبیق میں
ہو۔

عبارت بالا سے معلوم ہوگیا کہ اجتہاد کے ۲ دو مواقع ہیں۔

۱۔ جو مسائل وجود میں نہیں ان کا حل دریافت کرنا۔

۲۔ جو مسائل موجود ہیں انکا محل اور موقع متعین کرنا۔

پہلی صورت میں چونکہ نئے مسائل کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے اس بنا پر اس میں زیادہ طاقت صرف ہوتی ہے اور دوسری صورت میں چونکہ حکم معلوم ہے اور حل شرعی معلوم ہے صرف موقع اور محل کی تعیین مقصود ہوتی ہے تاکہ انکو قابل نفاذ اور قابل عمل بنایا جائے اس بنا پر دوسری صورت میں اتنی طاقت اور جہد کامل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۸۹ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل محمد تقی امینی ص ۱۸ قدیمی کتب خانہ۔

اجتہاد کامل اور ناقص

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اجتہاد کی پہلی صورت میں جہد کامل کی ضرورت ہے اور ثانی صورت میں اس سے کچھ کمتر تو اس لیئے اجتہاد کی دو قسمیں ہوئیں تام و ناقص۔

فالناقص هو النظر المطلق في تعرف الحكم وتختلف مراتبه بحسب الأحوال والتام هو استفراغ القوة النظرية حتى يحس الناظر من نفسه عن مزيد طلب ۱

اجتہاد ناقص وہ ہے جس میں حکم کی شناخت میں مطلقاً غور و فکر کیا جائے موقع اور محل کے لحاظ سے اسکے مختلف مراتب ہو سکتے ہیں تام وہ ہے جس میں غور و فکر کی انتہائی طاقت صرف کی جائے کہ اس سے زیادہ میں مجتہد اپنے آپ کو عاجز محسوس کرے۔

خلاصہ اینکہ اجتہاد کسی حکم شرعی کی تحقیق و جستجو میں اتنی کوشش صرف کی جائے کہ اس سے زائد کد و کاوش مجتہد کے بس میں نہ ہو ۲

---

۱ ابن بدران دمشقی المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل رح عقد نضیر فی الاجتہاد والتقلید بحوالہ اجتہاد محمد تقی امینی رح ص ۲۲ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲ قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۷۹ ارم کالج اعظم پورہ حیدرآباد (ہند) اجتہاد اور تبدیلی احکام مجیب اللہ ندوی ص ۱۶ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ روڈ لاہور۔

اجتہاد اور قیاس میں فرق

اجتہاد اور قیاس میں فرق یہ ہے کہ اجتہاد عام ہے اور قیاس خاص ہے چنانچہ علامہ فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الاجتهادَ أعمُّ لِأنَّ القياسَ يفتقِرُ إلى الاجتهادِ وَهُوَ مِن مقدّماتِهِ وليس الاجتهادُ يفتقرُ إلى القياسِ. [۱]

اجتہاد قیاس سے عام ہے اسلئے کہ قیاس کرنے والے کو اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اجتہاد قیاس کے مقدمات میں سے ہے مجتہد کو قیاس کی ضرورت نہیں پڑتی۔

مقصد یہ ہے کہ اجتہاد اسلئے عام ہے کہ مجتہد مسائل کا استنباط کبھی قیاس اور کبھی مصالح مرسلہ اور استصلاح وغیرہ کی مدد سے کرتا ہے۔

---

[۱] اجتہاد اور تبدیلئ احکام ص۱۷ مجیب اللہ ندوی مرکز تحقیق دیال سنگھ لاہور۔

قرآن کریم سے اجتہاد کا ثبوت

اجتہاد کے ثبوت میں مندرجہ ذیل آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ [1]

اور جس جگہ بھی آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے، اور جہاں بھی تم رہو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔

مسجد حرام سے جب دوری ہوگی تو یقیناً مشاہدۃً مسجد حرام سامنے نہیں اسکی طرف جو رخ کیا جائے گا وہ اجتہاد (ظن وتخمین) کی بناء پر ہوگا نماز جیسی اہم عبادت کے اندر اجتہاد کو معتبر قرار دیا گیا ہے تو باقی معاملات میں بطریقہ اولی معتبر ہوگا۔

سورہ حشر میں ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ [2]

پس اعتبار کرو اے آنکھوں والو

فقہی لحاظ سے اعتبار کہتے ہیں "رد الشیئ الی نظیرہ" کسی شیئ کو اسکی نظیر کی طرف لوٹانا یعنی جو حکم اسکی نظیر کا ہے وہی حکم اس شیئ کا قرار دیا جائے [3]

---

[1] سورۃ البقرہ ع ۱۷ پارہ (۲)

[2] سورہ حشر ع ۱ پارہ (۲۸)

[3] اجتہاد محمد تقی امینیؒ ص ۲۴ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

حدیث رسول سے اجتہاد کا ثبوت

اجتہاد کے ثبوت کیلئے اتنی سی بات کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجتہد تھے اگرچہ ابوعلی جبائی اور ابن ہاشم وغیرہ کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم اجتہادی نوعیت کا نہیں تھا بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگی معاملات میں اجتہاد فرمایا کرتے تھے لیکن شرعی احکام میں آپ سے اجتہاد کا ثبوت نہیں. جبکہ انکے بالمقابل اکثر فقہاء کرام کا مسلک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تھے اور آپ کے اجتہاد میں خطاء (لغزش) کا امکان تھا.
علامہ ابن حزم اندلسیؒ نے امام شافعی رح احمد بن حنبل رح ابو یوسف رح قاضی عبدالجبار اور ابوالحسن مصری سے بھی اسی کو نقل کیا ہے اور اسی کو خود بھی ترجیح دی ہے اور اس مدعیٰ کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلیلیں پیش فرماتے ہیں.

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ [1]

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق کیساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے مابین اسکے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ آپ کو سمجھائیں.

غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ مہاجرین میں سے ہر شخص اپنے قرابت دار اور رشتہدار کو قتل کر دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی لیکن بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں وحی نازل ہوئی
مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال ۶۷)

---

[1] سورہ (النساء)

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ انکے قیدی باقی رہیں بلکہ قتل
کر دیئے جائیں جبتک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی
نہ کرلیں.

اس آیت کے سلسلہ میں زیادہ تر مشہور یہی بات ہے مگر بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ بدر میں کافروں کو اچھی طرح زدوکوب کرنے سے پہلے مسلمانوں نے جنگ بند کر دی اور قیدی بنانے شروع کئے اس پر تنبیہ کیگئی نہ یہ کہ جنگی قیدیوں کی رہائی پر یہ تنبیہ کیگئی.

۲۔ غزوہ احزاب کے موقع پر بعض منافقین نے حیلہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر تنبیہ کیگئی ظاہر ہے کہ یہ اجازت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمائی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر مبنی تھی اگر بطریقہ وحی تھی تو پھر اس پر تنبیہ کوئی معقول بات نہیں.

۳۔ اجتہاد صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ خاص نہیں تھا بلکہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی اسکا ثبوت ہے. ایک مرتبہ حضرت داود علیہ السلام کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا کہ رات کے وقت ایک شخص کی بکریوں نے دوسرے کی کھیت کا نقصان کر ڈالا حضرت داوٗد علیہ السّلام نے کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت کا موازنہ کرکے فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے حوالے کر دی جائیں حضرت سلیمان نے یہ فیصلہ سُنا تو فرمایا کہ بکریاں کھیت والے کے حوالے کر دی جائیں اور وہ اُن سے دودھ اُون وغیرہ کا فائدہ اٹھائیں اور کھیت بکریوں کے مالک کے حوالے کر دی جائے یہاں تک کی وہ اسکی آبپاشی اور دیکھ بھال کرکے پہلے جیسی حالت پر لے آئے پھر ہر ایک کو اسکا مال واپس کر دیا جائے اس فیصلہ میں چونکہ دونوں کا فائدہ تھا اور نقصان کی تلافی کی شکل بھی تھی اسلئے حضرت داوٗد علیہ السّلام نے اسکو پسند فرما کر اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا.

علم وفضل میں بحیثیت پیغمبر حضرت داوٗد علیہ السّلام اور حضرت سلیمان علیہ السّلام دونوں برابر تھے لیکن معاملہ فہمی اور مصلحت شناسی کا وصف حضرت سلیمان علیہ السّلام میں زیادہ تھا

اسی بناء پر قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فہم کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَٰنَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا (الانبیاء ۵۶)

ہم نے وہ فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا حالانکہ دونوں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ہم نے حکم اور علم دیا تھا۔

اس واقعہ سے ایک تو اجتہاد کا ثبوت دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کو ہر قسم کی مصلحت دینی اور دنیوی اور لوگوں کا فائدہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

۴۔ مشہور محدث شعبیؒ سے نقل کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کے ذریعہ سے فیصلہ کیا کرتے تھے اور اسکے بعد حکم قرآنی بسا اوقات اسکے خلاف نازل ہوتا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اجتہاد چھوڑتے تھے اور قرآن پاک کی ہدایت پر عمل فرماتے تھے۔

۵۔ فقہاء کرام نے اس سلسلہ میں ایک قیاس بھی پیش کیا ہے کہ وحی کے مقابلہ میں اجتہاد کے ذریعہ حکم کی تحقیق میں دشواری اور فکر ونظر کی مشقت زیادہ ہے اور یہ قاعدہ ہے "العطایا علی قدر البلایا" جو بات جتنی مشقت طلب اور دشوار ہوگی وہ اتنی ہی زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوگی، اسلیئے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجتہد مانا جائے ورنہ امت کی برتری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم آئیگی۔[۱]

---

[۱] قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۸۱/۱۸۲ طبع ارم کالج اعظم پورہ حیدرآباد (ھند)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتہاد

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں جب فتوحات کثرت سے حاصل ہوئیں اور مختلف قسم کی تمدنی زندگی سے سابقہ پڑا تو مختلف قسم کے مسائل ابھر کر صحابہ کرام کے سامنے آئے جنکو حل کرنے کے بغیر کوئی صورت نہیں تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو باوجود حق اجتہاد حاصل ہونے کے، پھر بھی صحابہ نے مسائل کے حل میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔

چنانچہ اس قافلہ کی سب سے مقدم ذات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرزِ عمل یہ منقول ہے۔

كان ابوبكر الصديق اذا ورد عليه حكمٌ نظر فى كتاب الله فان وجد فيه ما يقضى به قضى به وان لم يجد فى كتاب الله نظر فى سنة رسول الله فان وجد فيها ما يقضى به قضى به فان اعياه ذلك سأل الناس هل علمتم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى فيه بكذا وكذا فان لم يجد سنة سنها النبى صلى الله عليه وسلم جمع رؤساء الناس فاستشارهم فاذا اجتمع رأيهم على شيئ قضى به۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ آجاتا تھا تو پہلے وہ اللہ کی کتاب میں دیکھتے تھے اگر اس میں ملجاتا تو اسی پر فیصلہ فرماتے تھے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ملجاتا تو سنت رسول اللہ میں تلاش کرتے اس میں ملجاتا تو اسی کے

---

[1] ابو عبیدہ کتاب القضاء۔ وابن قیم اعلام الموقعین ج ۱ القضاء بکتاب اللہ ثم بالسنۃ۔
بحوالہ اجتہاد مولنا محمد تقی امینی ص ۴۲ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

مطابق فیصلہ فرماتے اور اگر کوئی مسئلہ خود تلاش نہ کر سکتے اور نہ ملتا تھا تو لوگوں سے پوچھتے کہ کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایسا ایسا فیصلہ فرمایا ہے اگر کسی طرح بھی انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ ملتی تو اہل علم کے رؤساء کو جمع کر کے ان سے مشورہ چاہتے جب وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی طرز عمل تھا فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب نیا مسئلہ پیش آجاتا تھا تو پہلے کتاب و سنت میں تلاش کرتے تھے اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو سامنے رکھتے تھے اور اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو پھر مشورہ و اجتہاد سے حل کرتے تھے اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ بن عباس و دیگر جلیل القدر صحابہ کا طرز عمل رہا ہے کہ پہلے وہ کسی مسئلہ کا حل کتاب و سنت میں تلاش کرتے تھے اگر ان سے حل نہ ہوتا تو پھر اپنے پیشرؤوں کے فیصلہ کو دیکھتے تھے اگر کہیں نہ ملتا تھا تو پھر اجتہاد فرماتے تھے[1]

---

[1] اعلام الموقعین ابن قیم ج ۱ الفقہاء بکتاب اللہ ثم بالسنۃ بحوالہ اجتہاد محمد تقی امینی ص ۴۲ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

آپ ؐ کے عہد میں صحابہ کا اجتہاد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور صحبت سے جو برگزیدہ جماعت تیار ہوئی جنہیں ہم صحابی کہتے ہیں وہ بھی مجتہد تھے پھر مجتہد کیلئے جو صفات اخلاص وللہیت تقویٰ وخداترسی حالات و زمانہ سے واقفیت ہیں غرض یہ ہے کہ ان تمام صفات حمیدہ کیساتھ صحابہ سے بڑھکر اور کون متصف ہو سکتا ہے۔

اسلیئے اسمیں میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ جماعت مجتہد تھی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے یا نہیں۔

کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اجتہاد روا نہیں تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اسکی ضرورت نہیں تھی۔ دوم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے خلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور خود اجتہاد کیا جائے۔

انکے بالمقابل جو فریق اس بات کے قائل ہیں کے صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی اجتہاد فرماتے تھے انکی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کو مختلف قسم کے سفر پیش آتے تھے اور مختلف قسم کے مسائل بھی انکے سامنے آتے تھے اسلیئے اُنکے لیئے اجتہاد ضروری تھا دوم اینکہ صحابہ کیلیئے آپ ؐ کی حیات طیبہ میں اجتہاد کی گنجائش اسلیئے رکھی گئی تاکہ۔ انکی مکمل تربیت ہو جائے اور آنے والی امت کیلئے یہ مشعل راہ بن سکیں۔

اسکے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ اجتہاد آپ ؐ کے فرامین اور ارشادات کے خلاف اور انکے متابل نہیں ہوا کرتا تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ہوتا تھا بلکہ انکو فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے اجتہاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش فرماتے تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصویب فرماتے تو صحابہ اس پر عمل کرتے تھے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے تو صحابہ

تو ہین نہیں بلکہ صحابہ کرام کی نگاہ میں آپ کی عظمت
کرام اپنے اجتہاد سے باز آجاتے یہ آپ ؐ کی توہین نہیں بلکہ اسمیں آپ ؐ کی عظمت کا
ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے
ہونا صحابہ کرام کی نظر میں انتہائی بنیادی ہے کہ یہ شاگرد اور آپ ؐ کے طالب علم آپ ؐ کی کتنی
عزت کرتے تھے اس لیے اکثر فقہاء اور علماء اصول کا خیال ہے کہ صحابہ کرام کیلئے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اجتہاد روا تھا۔ البتہ بعض فقہاء یہ قید لگاتے ہیں کہ
آپ ؐ کی موجودگی میں جائز نہیں تھا بلکہ عدم موجودگی میں جائز تھا۔ بعض نے کہا کہ صرف
قاضیوں اور والیوں کیلئے جائز تھا باقی کیلئے ناجائز تھا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ
اجازت سب کیلئے تھی قاضیوں کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ
انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد کیا ہے جسکی تصدیق آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمائی ہے البتہ صحابہ کرام اپنے اجتہاد کو قطعی اور یقینی اس وقت تک نہیں
سمجھتے تھے جبتک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تصدیق نہ ہوتی تھی آپ نے
اپنی حیات طیبہ میں بھی صحابہ کرام کو اجتہاد کی اجازت دی اس بارہ میں بہت سے واقعات
پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ سب سے زیادہ اس بارے میں مشہور ہے۔

عن معاذ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم حین بعثہ الی الیمن قال کیف تصنع
أن عرض لک قضاء، قال اقضی بہا فی کتاب اللہ
قال فإن لم یکن فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول
اللہ قال فان لم یکن فی سنۃ رسول اللہ قال
أجتہد برأیی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم صدری ثم قال الحمد للہ
الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی[1]
رسول اللہ علو

---

[1] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرأی فی القضاء

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جس وقت انکو (معاذؓ) حاکم بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمن بھیج رہے تھے تو اُن سے سوال کیا کہ جب کوئی فیصلہ آپ کے سامنے آجائے تو کیا طریقہ اسکے حل کیلئے اختیار کروگے تو انھوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اللہ کی کتاب میں ہے اُسی پر فیصلہ کروں گا آپ ؐ نے فرمایا کہ اگر وہ مقدمہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو کیا کروگے آپؓ نے فرمایا پھر سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا آپ ؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت میں نہ ملے تو پھر کیا طریقہ کار ہوگا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا حضرت معاذ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہے کہ یہ سنکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور خوشی کی وجہ سے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جو اللہ کے رسول کی پسندیدہ ہے۔

اس حدیث پر سند کے لحاظ سے اگرچہ کلام کیا گیا ہے مگر پھر بھی درایتی لحاظ سے اس میں کسی قسم کا ضعف باقی نہیں رہتا چونکہ قرآن کریم کی دیگر آیات اور احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ آپ ؐ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ ؐ نے عمرو بن عاص اور عقبہ بن عمار جھنیؓ کو دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے حکم بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم صحیح نتیجے پر پہنچے تو تمہارے لیئے دس ۱۰ نیکیاں ہیں اور اگر غلط نتیجے پر پہنچے تو بھی ایک نیکی ملجائے گی۔

۳۔ ایک غزوہ کے موقع پر حضرت ابو قتادہؓ نے ایک کافر کو قتل کر ڈالا لیکن

اسکے (کافر کے) سامان پر ایک اور شخص نے قبضہ کیا اور وہ سامان ابوقتادہ رض کو نہیں دیا تو حضرت ابوبکر رض کو اس کا علم ہوا آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کا ایک بندہ کسی کافر سے جہاد کر کے اس کافر کو مار ڈالے اور اس کے سامان (جسکو سلب کہتے ہیں) کو دوسرا کوئی شخص قبضہ کرے ہرگز ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس مقتول کا سامان حضرت ابو قتادہ رض کو ملے گا یہ گویا کہ فیصلہ حضرت ابوبکر رض کا اجتہاد تھا جسے سنکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ,, صَدَقَ أبوبکرٍ وَصَدَقَ فتوٰہ ،،
ابوبکر نے صحیح کہا ہے اور انکا یہ فتویٰ درست ہے۔

۴۔ خود آپ نے اپنی موجودگی میں حضرت سعد رض کو بنو قریظہ کے موقع پر حکم بنایا ان واقعات میں سے اگرچہ بعض تو قضاء کے متعلق ہیں مگر قاضی اور حکم کے فیصلوں کی اصل حیثیت انکے اجتہاد اور استنباط کی ہوتی ہے۔
اسلیے یہ شواہد اور واقعات اس بات کیلئے بالکل کافی ہیں کہ آپ ؐ کے دور میں بھی اجتہاد ہوا کرتا تھا علہ

علہ قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۸۳ ، ۱۸۴ ارم کالج اعظم پورہ حیدر آباد (ھند)
اجتہاد محمد تقی امینی ص ۲۶ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

مجتہد کے اوصاف

اجتہاد کتاب وسنّت اور اجماع وقیاس کو سامنے رکھکر مسائل کو حل کرنا نیز مسائل میں حالات زمانہ اور عصری تقاضوں کا اعتبار کرنا ایک انتہائی اور دشوار کام ہے اور اس میں ایک معمولی تساہل بہت بڑے فتنہ کا باعث بن سکتا ہے اسلئے ضروری ہے کہ اس اہم کام کیلئے جن افراد کو مجاز قرار دیا جائے ضروری ہے کہ وہ اپنی معاملات میں تقویٰ ہوں اُنکے فیصلوں پر اور دین کے معاملے میں ان پر اعتماد کیا جاسکے اور انکے فیصلوں کو ہوس اور خواہش نہ سمجھا جائے اسلئے اس سلسلہ میں علماء کرام نے مجتہدین کیلئے کچھ اوصاف اور شرائط لگائے ہیں، کہ جو شخص اجتہاد کا مدعی ہو دیکھا جائے گا اگر وہ ان صفات کیساتھ متصف ہے تو ٹھیک ہے اُس کا فیصلہ بھی قابل اعتماد اور اسکو دین شمار کیا جائے گا اور جس شخص کے اندر یہ صفات نہیں وہ مجتہد نہیں.

۱۔ عدل وتقویٰ مجتہد کیلئے ضروری ہے اسلئے کہ جس شخص میں تقویٰ خوف خدا نہیں اور عدل نہیں تو عین ممکن ہے کہ وہ دین کے اندر اپنی خواہشات کو پیش نظر رکھکر گنجائش نکالے اس طرح سے تو دین ایک کھلونا بن جائے گا اور خواہشات نفسانی کا نام دین ہوگا ہمارے اس زمانہ میں اصل اختلافات کا سبب اور بنیاد یہی چیز ہے کہ کئی لوگ نام کے مولوی اور مجتہد ہیں جو کہ اپنی بات کو دین کے معاملہ میں حرف آخر سمجھتے ہیں جبکہ دین کے مزاج سے وہ بالکل ناآشنا اور خوف خدا اور عدل سے بالکل فارغ ہیں حقیقت میں دیکھا جائے تو امّت کی گمراہی کا سبب دراصل یہی حضرات ہیں فالیٰ اللہ المشتکیٰ.

۲۔ دوم قرآن وسنّت پر اسکو پورا عبور حاصل ہو تو اس سے مستنبط ہونے والے احکام کا بھی علم رکھتا ہو اب یہ کہ قرآن وسنت سے کسی خاص مقدار کا علم ضروری ہے یا پورے قرآن وسنّت پر اسکو عبور ہو تو اس سلسلہ میں معتدل بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کے اسی حصّہ کا علم ضروری ہے جو فقہی احکام سے متعلق ہو.

عام فقہاء کرام جن آیات سے احکام فقہیّہ مستنبط ہوتے ہیں اُنکی تعداد پانچ سو بتاتے ہیں. ۵۰۰

حدیث کے سلسلے میں امام غزالی نے سنن ابی داؤد اور سنن بیہقی کو ضروری قرار دیا ہے۔
ابن عربی تین ہزار فقہی احادیث کا علم ہونا ضروری قرار دیتے ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اجتہاد کیلئے پورے صحاح ستہ پر دسترس کو ضروری سمجھتے تھے نیز کتاب وسنت کے ذیل میں ناسخ اور منسوخ کا علم بھی ضروری ہے یعنی کون سے احکام منسوخ ہیں اور کون سے احکام انکے لیئے ناسخ ہیں اس سلسلہ میں متقدمین علماء کی کتابیں کافی و شافی ہیں۔ اسی طرح حدیث کے ضمن میں اسماء الرجال کا فن آجاتا ہے فن اسماء الرجال سے بھی مجتہد کا واقف ہونا ضروری ہے باقی قرآن وحدیث کا حافظ ہونا اجتہاد کیلئے ضروری نہیں ہے۔
اسکے علاوہ ان علوم میں منزل کمال ضروری نہیں اسلیئے کہ منزل کمال کو نہ متعین کیا جاسکتا ہے اور نہ اسکا تعیین ممکن ہے بلکہ ان علوم میں متوسط درجہ کا حاصل کرلینا کافی ہے البتہ متوسط درجہ سے اس زمانہ کا متوسط درجہ مراد نہیں بلکہ زمانہ سابق کے اعتبار سے مراد ہے۔
۳ سوئم۔ اجماعی احکام سے واقفیت بھی مجتہد کیلئے ضروری ہے تاکہ اس سے ایسا فتویٰ صادر نہ ہو جو امت کے اجماع کے خلاف ہو۔
۴ چہارم۔ علم الاختلاف سے واقف ہونا ضروری ہے علم الاختلاف سے مراد فقہاء کرام کے باہمی فروعی اور اصولی اختلافات ہیں اگر ان چیزوں پر نظر ہوگی تو مسائل واحکام میں تقابل۔ استدلال۔ اور استنباط کے درک اور ترجیح کی صلاحیت ہوگی۔
اس شرط کے بارے میں کچھ لوگوں سے اختلاف بھی مروی ہے اسلیئے اگر اس چیز کو شرط قرار نہ دیا جائے تب بھی اسکی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔
۵ پنجم۔ سب سے اہم چیز جس کو اجتہاد کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے وہ ہے شریعت کے مقاصد اور اسکی منشاء اور اسکی روح سے واقفیت نیز زمانہ کے حالات اور مصالح کو سامنے رکھکر فتویٰ دینا۔
یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فقہی احکام میں عرف اور عموم بلویٰ کو بہت بڑی اہمیت دی ہے بہر حال یہ پانچ علوم ہیں جنکو مجتہد کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے

انکے ضمن میں قیاس اور اصول فقہ بھی آجاتے ہیں جو کہ اجتہاد اور استنباط کیلئے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور ان میں بصیرت اور مہارت کے بغیر اس میدان میں قدم رکھنا انسان کیلئے جائز نہیں.

انکے علاوہ جو علوم بطور واسطہ اور وسیلہ کے ضروری ہیں اُن میں اتنی سی بات ضروری ہے کہ اُن میں اتنی واقفیت ہو جسکی وجہ سے مسائل کو حل کیا جاسکے ضروری نہیں کہ ان فنون میں امامت کا درجہ حاصل کرلے.

لہذا یہ ضروری نہیں کہ صرفی اور نحوی اور متکلم ہو اور معقولات کا ماہر ہو بلکہ ان فنون میں سے کسی جزئیہ پر بسا اوقات استحضار نہ ہو تو کتابوں سے مراجعت کرلے.

خلاصہ اینکہ مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ جو پانچ ۵ چیزیں ذکر کیگئی ہیں اُن سے واقف ہو اور واقفیت بھی اوسط درجہ کی معتبر ہے. [علہ]

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بہتر بحث علامہ بغوی ؒ نے فرمائی ہے جسکو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب عقد الجید میں نقل فرمایا ہے جسکو صاحب قاموس الفقہ کے الفاظ میں ہم آپکے سامنے پیش کرتے ہیں.

فرماتے ہیں، مجتہد وہ ہے جو پانچ ۵ قسم کے علوم کا جامع ہو کتاب اللہ سنت رسول علماء سلف کے اقوال اور انکے اجماعی اور اختلافی اقوال لغت اور قیاس بھی کتاب وسنت اور اجماع میں صریح دلیل نہ ملنے کی صورت میں کتاب وسنت سے احکام کا استنباط۔ پھر کتاب اللہ کے علم میں ناسخ ومنسوخ مجمل ومفسر خاص وعام محکم ومتشابہ کراہت و حرمت جواز و استحباب اور وجوب کا علم ہو حدیث میں بھی یہ باتیں معلوم ہوں نیز صحیح وضعیف مسند ومرسل سے بھی آگاہ ہو اور کتاب وسنت کی باہم تطبیق جانتا ہو کہ اگر کوئی حدیث بظاہر قرآن کے موافق نہ ہو تو اسکا محل متعین کرسکے کیونکہ حدیث قرآن کا بیان ہے وہ اسکے خلاف نہیں ہوسکتی.

اور ہاں صرف کتاب وسنت کے احکام شرعیہ کا جاننا ضروری ہوگا نہ کہ دوسرے قصص

علہ قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ۱۸۵/۱۸۶ ارم کالج اعظم پورہ حیدرآباد (ہند)

و واقعات اور مواعظ سے بھی واقف ہو لغات میں بھی کتاب و سنّت کی صرف ان لغات کا جاننا کافی ہوگا جو احکام فقہ سے تعلق رکھتی ہیں پوری زبان عربی کا احاطہ ضروری نہیں۔

فقہی احکام سے متعلق صحابہ رضؓ تابعین کے اقوال اور ائمت کے فتاویٰ کے بڑے حصّہ سے بھی آگاہ ہو یہاں تک کہ وہ کوئی ایسی رائے قائم نہ کریں جو خارق اجماع ہو اگر ان علوم کے بڑے حصّہ سے واقف ہو تو وہ مجتہد ہے ضروری نہیں کہ ان علوم پر کلّی مہارت رکھتا ہو کہ کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہ ہو۔[1]

---

[1] قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص۱۸۶/۱۸۷ ارم کالج اعظم پورہ حیدر آباد (ہند)

عصرِ حاضر میں کس قسم کے اجتہاد کی گنجائش باقی ہے

عصرِ حاضر میں اجتہاد کی گنجائش ہے یا نہیں کچھ علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ اس وقت کسی قسم کے اجتہاد کی گنجائش باقی نہیں۔

جہاں تک قرآن و حدیث کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن و سنّت میں کہیں بھی اس قسم کا کوئی حکم نہیں کہ فلاں زمانہ تک اجتہاد کی اجازت ہے اور اسکے بعد نہیں البتہ یہ الگ بحث ہے اور الگ بات ہے کہ اجتہاد کیلئے انسان کا جن صفات اور خوبیوں کیساتھ متصّف ہونا ضروری ہے آج اُس انحطاط علمی کے زمانہ میں اُن صفات کیساتھ متصّف افراد پائے جاتے ہے یا نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اجتہاد کا سلسلہ أئمۃ اربعہ پر منقطع ہو گیا اور اسکے بعد اجتہاد کے اہل افراد نہیں پائے گئے ہیں اسلیئے بعد والے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ أئمہ اربعہ کی تقلید کریں۔

آج اگر اجتہاد کی اجازت ہر کس و ناکس کو دی جائے تو دین ایک کھلونا بن جائے گا اور شریعت محمّدی کا جو ایک تشخص برقرار رہا ہے بالکل ختم ہو جائے گا اور جتنی غیر دینی باتیں ہیں وہ سب دین کے نام پر کی جائیں گی البتہ اجتہاد کی ایک نوع اب تک باقی ہے جسکی شدید ضرورت ہے اور یہ تا قیام قیامت جاری رہے گی چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے "النصوص معدودة والحوادث ممدودة" کتاب و سنّت کے نصوص بالکل گنے چنے محدود ہیں اور نئے پیش آمدہ مسائل غیر متناہی ہیں۔

اسلیئے ظاہر ہے کہ ایسے مسائل کے حل کیلئے اجتہاد ضروری ہے تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ دین میں جمود اور تنگی ہے اور لوگوں کے حالات اور مسائل کا حل کامل طور پر اُس میں نہیں ہے۔

اس ضرورت کے پیش نظر ابوالسحاق شاطبی رح سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک اجتہاد وہ ہے جسکا دروازہ بند ہونا ممکن ہے باقی ایک قسم ایسی ہے کہ وہ

تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

چنانچہ وہ فرماتے ہے کہ اجتہاد کے تین ۳ درجات ہیں۔

۱۔(تخریج مناط) جسکا مطلب یہ ہے کہ شریعت میں کسی حکم کی علت کا بیان نہیں ہے مجتہد اپنی استعداد اور صلاحیت سے اسکی علت متعین کرلے۔

۲۔(تنقیح مناط) جسکا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کسی ایک حکم کے ساتھ کئی وجہیں مذکور ہیں کہ ہر ایک ان میں سے علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے مجتہد دلائل وقرائن کی مدد سے کسی ایک کو متعین کرتا ہے۔

۳۔(تحقیق مناط) جسکا مطلب یہ ہے کہ مجتہد جو علت کسی حکم کی مستنبط کرچکا ہو مختلف پیش آمدہ مسائل پر اسکو منطبق کرے اور یہ دیکھے کہ یہ علت کہاں پر پائی جارہی ہے

ان تینوں میں سے اوّل الذکر دو کا اس وقت نہ پایا جانا تو ممکن ہے مگر تیسرا تا قیام قیامت جاری رہے گا اور اسکی گنجائش امت کیلئے ہوگی مثلاً عصر حاضر کے نئے مسائل میں سے بینک کو ربوا پر قیاس کیا گیا ہے اور ربوا کی نظیر بنائی گئی ہے انشورنس (بیمہ) پر قمار کے احکام منطبق کئے جاتے ہیں۔

اس معنیٰ کے پیش نظر ثانی کو مجتہد کہا جاتا ہے اور دراصل یہی قسم ہے جسکی وجہ سے دین کی کشتی کسی جگہ پر کسی زمانہ میں جاکر رکی نہیں ہے اور جس وجہ سے کوئی بھی نیا مسئلہ شریعت کے احاطہ سے باہر نہیں رہا ہے۔

عصر حاضر کے اکثر مسائل دراصل اسی نوعیت کے ہیں بلکہ عرف وعادات اور حالات ومصالح کے تحت بعض اجتہادی احکام پر جو نظر ثانی کی ضرورت ہے وہ بھی دراصل اسی میں داخل ہے۔

شورائی اجتہاد

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دورِ ترقی اور پرفتن زمانہ میں لوگوں کی عادات اور حالات میں تغیر اور تبدیلی اور جدید قسم کے مسائل کا رونما ہونا جس قدر اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں اسکی نظیر سابقہ زمانوں میں ملنا بہت مشکل ہے ان مسائل کا حل کرنا بھی علماء و ماہرین کے فرائض میں سے ہے یقیناً یہ سب کچھ اجتہاد ہی کے ذریعہ سے ہوگا لیکن فسادِ زمانہ کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ بجائے اجتہاد انفرادی کے اجتہاد شورائی کو اپنایا جائے تو مناسب ہوگا۔

ایک تو اس وجہ سے کہ انفرادی طور پر اس زمانہ میں ایسا شخص ملنا جسکو فقہ اصول فقہ حدیث اصول حدیث فن اسماء الرجال علوم عربیت صرف ونحو اور بلاغت پر ان تمام علوم پر دسترس ہو اور جدید علوم اور لوگوں کے عرف اور عادات سے واقف ہو بہت مشکل ہے بلکہ عادۃً اگر اسکو محال کہا جائے تو بھی یہ بعید نہیں۔

اسکے علاوہ اجتہاد انفرادی میں ایک شخص کا حق سے ہٹ جانا اور اس زمانہ میں ہوا ہوس کا شکار ہونا ممکن ہے برخلاف شورائی اجتہاد کے کہ اس میں چونکہ ایک جماعت ہوگی اور سب کا ایک ناجائز امر پر اتفاق کرنا اور ناجائز حیلے اختیار کرنا اور ناجائز بات کو اپنانا مشکل ہے۔
اسلیئے ہمارے اسلاف خلفاء راشدین خصوصًا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فقہاء صحابہ کو جمع کیا جاتا تھا اور اجتماعی غور وفکر ہوتا تھا یا جیسے امام ابو حنیفہ رح کی مجلس اجتہاد تھی جس میں مختلف فنون کے ماہرین کو جمع کیا جاتا تھا۔

اسی طرح علماء دین کے علاوہ عصری علوم میں اور جدید دنیا کے کاروبار سے واقف مخلص اور دردمند قسم کے اور افراد بھی اس شوریٰ میں شامل کئے جائیں تو انشاء اللہ جدید مسائل باسانی حل کئے جا سکتے ہیں۔ عله

عله قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۹۱/۱۹۲/۱۹۳ ارم کالج حیدرآباد (ھند)

اجتہاد کا حکم

اگر جدید مسائل پیش آجائیں اور کوئی شخص اُنکے حل کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسکے علاوہ دوسرے افراد ان کے حل کرنے کے قابل نہ ہوں تو اس شخص پر اجتہاد فرض عین ہے اور ضروری ہے۔

اور اگر اسکے ساتھ ساتھ اسکے معاصرین میں بھی صلاحیت ہے کہ وہ حل پیش کر سکتے ہیں تو پھر اس کیلئے فرض کفایہ ہے اور اسکے لیئے یہ جائز ہے کہ بجائے اپنے اجتہاد کے اپنے دوسرے معاصر کی تحقیق پر عمل کرے۔

اور اس تعدد کی صورت میں اگر پہلو تہی کرتے ہیں اور اجتہاد نہیں کرتے تو سب عنداللہ گناہ گار ہونگے۔

اسی طرح جو مسائل ابھی تک پیش نہیں آئے ہیں مگر امکان اسکے پیش آنے کا ہے تو اگر اس وقت کے مجتہدین کو یہ گمان ہے کہ آئندہ انشاءاللہ ایسے علماء پیدا ہونگے چونکہ علم کا چرچا ہے اور ان مسائل کو حل کرینگے تو ان پر ان کا حل پیش کرنا ضروری نہیں لیکن آئندہ کیلئے اس کا توقع نہیں تو پھر ان پر ان کا حل اب ہی سے ضروری ہے[1]

---

[1] قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۸۰ ارم کالج اعظم پورہ حیدرآباد (ھند)

اجتہاد کن امور پر موقوف ہے

موجودہ دور میں ایک گروہ تو وہ ہے جو کسی قسم کے اجتہاد اور جدید تدوین فقہ کا قائل ہی نہیں جبکہ دوسرا گروہ وہ ہے جو اسکو جائز اور اس دور میں ضروری سمجھتا تو ہے لیکن حقیقت میں اجتہاد کے نشیب و فراز سے واقف نہیں اجتہاد کیلئے فقہاء کرام نے کیا اصول اور ضوابط مقرر کئے ہیں جنکی مدد سے اجتہاد آسان ہو جاتا ہے اور اجتہاد کا بند دروازہ کھولا جا سکتا ہے ان چیزوں سے بالکل ناواقفیت ہے حالانکہ فقہاء کرام نے اجتہاد کیلئے کافی سامان فراہم کر دیا ہے کام کا انداز او طریقہ بھی بتایا ہے کام کر کے دکھایا بھی ہے اور یہ سب کچھ مرتب اور محفوظ ہے اس سے اگر ہم فائدہ نہ اٹھائیں تو اس سے بڑھکر ہماری محرومی کیا ہو گی۔

فقہ اسلامی کی جدید تدوین اور اجتہاد کیلئے فقہاء کرام نے جن چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1. قرآن حکیم کی موقع و محل کے تعیین میں سیرت نبوی اور عہد صحابہ سے استفادہ
2. حدیث کے سلسلہ میں روایت اور درایت سے کام لینا۔
3. قیاس۔
4. استحسان۔
5. استصلاح یا مصالح مرسلہ۔
6. استدلال۔
7. تعامل۔
8. عرف و رواج۔
9. مسلّمہ شخصیتوں کی رائیں۔
10. ملکی قانون جن سے اصول کلیّہ پر زد نہ پڑتی ہو۔
11. فقہی اصول و کلیات۔

(۱۲) فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے اسباب۔

(۱۳) اختلاف فقہاء کے اسباب۔ علو

یہ سب ایسے امور ہیں کہ مجموعی حیثیت سے انکی مدد سے موجودہ حالات اور تقاضوں کے موافق اور مناسب بہترین تدوین ہو سکتی ہے۔

ذیل میں امور مذکورہ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے آپکو اندازہ ہوگا کہ ان امور کا کتنا بڑا دخل ہے اجتہاد میں اور انکی معمولی تبدیلی سے احکام شرعیہ میں کس طرح تبدیلی واقع ہوتی ہے اور فقہاء کرام نے ان امور کی کس قدر رعایت کی ہے مثلاً ان میں سے سب سے پہلے ہم موقع و محل کو لیتے ہیں کہ موقع و محل کے اختلاف اور تبدیلی سے احکام کا مختلف ہونا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے بھی واضح ہے مثلاً کسی وقت جب آپ ؐ نے ایمان کی عظمت کو لوگوں کے دل میں بٹھانا ضروری سمجھا تو فرمایا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے اور کبھی کسی موقع پر جہاد کی ضرورت محسوس فرمائی تو سائل کے جواب میں فرمایا کہ افضل الاعمال جہاد ہے۔

اور کسی وقت کسی شخص کو دیکھا کہ اسکے والدین زیادہ اسکی خدمت کے محتاج اور ضرورتمند ہیں اور ضعیف العمر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل عمل والدین کی خدمت ہے اور کسی کو روزہ کی ترغیب دی تو فرمایا روزہ سب سے افضل عمل ہے اور کسی کو دعاء اور ذکر اللہ کی ترغیب دینا ضروری سمجھا تو فرمایا کہ ذکر اللہ اور دعاء سب سے افضل الاعمال ہیں غرض کہ ان تمام مثالوں کو اپنے عموم پر رکھا جائے اور موقع و محل کے تفاوت اور اختلاف کو نظر انداز کر دیا جائے تو احادیث میں ایسا تعارض اور تضاد پایا جائے گا جسکو رفع کرنا مشکل ہوگا۔

ان تمام باتوں کو چھوڑ کر اگر قرآن مجید کو ہم دیکھیں اور اسکے طریقہ نزول اور زمانہ نزول کو دیکھیں تب بھی اس سے ہمیں ایک واضح سبق ملتا ہے کہ مصالح عباد اور

علو فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۲۳ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

موقع ومحل کی کتنی رعایت اللہ پاک نے فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ (رض) فرماتی ہے۔

انما نزل اول ما نزل سورۃ من المفصل فیها ذکر الجنۃ والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول ما نزل لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدًا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدًا اعلم

سب سے پہلے مفصل سورتیں جنکے اندر جنت اور جہنم کا ذکر ہے نازل ہوئیں یہاں تک کہ جب لوگ اسلام پر قائم ہوگئے تو پھر حلال وحرام کے احکام نازل ہوگئے اگر بالفرض من ابتداءً یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اسی طرح بالفرض اگر ابتداءً یہ حکم نازل ہوجاتا کہ زنا مت کرو تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کو بالکل نہیں چھوڑیں گے۔

اسکے علاوہ قرآن مجید میں نسخ کے بیان کردہ اصولوں کے ذریعہ سے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ احکام میں موقع ومحل کی تعیین کی جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصالح عباد اور احوال عباد اور معاشرہ سازی شریعت کی بنیاد ہے اور قانون سازی کیلئے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اختلاف زمانہ سے مصالح بھی مختلف ہوتے ہیں تو یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسکی مصلحت کے مطابق کسی زمانہ میں ایک حکم دے اور جب وہ مصلحت ختم ہوجائے اور بدل جائے تو اس حکم سے اس کو منع کردے۔

اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ طبیب مریض کو کسی وقت ایک دواء استعمال کرنے کا حکم

بخاری شریف ج ۲ باب تالیف القرآن۔

دیتا ہے اور جب اختلاف مزاج کے وقت وہ مصلحت تبدیل ہو جاتی ہے تو دوسری دواء کے استعمال کا حکم دیتا ہے اور اوّل دواء سے روک دیتا ہے پس اسی طرح احکام شرعیہ میں نسخ کی جتنی بھی مثالیں ہمیں ملتی ہیں وہ سب اسی ضابطہ پر محمول ہیں۔ چنانچہ علامہ آمدی کے احکام الاحکام سے نقل کیا گیا ہے۔

ولولا اختلاف المصالح باختلاف الازمنة لما كان كذلك ومع جواز اختلاف المصالح باختلاف الازمنة لا يكون النسخ ممتنعا [1]

اگر زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے مصالح کے اختلاف کا معاملہ نہ ہوتا تو احکام شرعیہ میں اختلاف کی صورتیں بالکل نہ ہوتیں اور جب زمانے کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا جواز موجود ہے تو احکام کے اندر نسخ ممتنع نہ ہوگا۔

نسخ کی حکمت کو بیان فرماتے ہوئے قاضی بیضاوی رح یوں رقمطراز ہے۔

وذلك لان الاحكام شُرِعَت والآيات نزلت لمصالح العباد وتكميل نفوسهم فضلاً من الله ورحمة وذلك يختلف باختلاف الاعصار والاشخاص كاسباب المعاش فان النافع في عصرٍ واحدٍ يضرّ في غيره [2]

---

[1] احکام الاحکام علامہ آمدی رح ج ۳ ص ۱۶۶ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت. محمد تقی امینی رح ص ۳۱ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔
[2] بیضاوی شریف ص ۹۸ تحت قولہ ماننسخ من آیتہ الخ۔

جوازِ نسخ اسلیئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بندوں کے نفوس کی تکمیل اور انکے مصالح کے حصول کے لیئے آیتیں نازل کیں اور احکام مقرر کئے ہے اور یہ امور زمانہ اور اشخاص کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں جیسے کہ معاش کے اسباب ایک زمانہ میں مضر ہوتے ہیں اور ایک زمانہ میں نافع ہوتے ہیں۔

اسلیئے جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ آیات کے فی نفسہ نسخ کا کوئی معنی نہیں بلکہ یہ تبدیلی اور یہ نسخ اختلاف ازمنہ کی بنیاد پر ہے۔
چنانچہ وہ اسکی حکمت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

قالوا فی توجیهه انه لا معنی لنسخ الآیة فی ذاتها ولا حاجة الیه وانما الأحکام تختلف باختلاف الزمان والمکان والاحوال فاذا شرع الحکمة ان ینسخ الحکم ویبدل بما یوافق الوقت الآخر فیکون خیرًا من الاول او مثله فی فائدته من حیث قیام المصلحة به[1]

یعنی جمہور نسخ کی توجیہ میں فرماتے ہیں کہ آیات کے فی نفسہ منسوخ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اور اسکی کوئی ضرورت بھی نہیں باقی احکام میں یہ جو تبدیلی ہمیں نظر آتی ہے یہ تفاوت حالات و زمان اور مکان کے تفاوت کی وجہ سے ہے چنانچہ بسا اوقات ایک حکم جائز ہو جاتا ہے چونکہ اس زمانہ میں اسکی ضرورت ہے لیکن دوسرے وقت میں وہ ضرورت نہیں رہتی ہے تو حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ

---

[1] المنار ج ۱ باب النسخ باقسامہ ص۱۴۲ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت محمد تقی امینی سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

حکم منسوخ ہو اور اسکی جگہ دوسرا حکم آجائے جو اوّل سے بہتر
ہو یا اُس جیسا ہو اور اس وقت کے موافق ہو کیونکہ قیامِ
مصلحت اب اس حکم کے ذریعہ سے ہوگا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کے لحاظ سے جو تفاوت ہوگا اُس پر نسخ کا اطلاق نہ کیا جائے بلکہ اسکے لیئے موقع و محل کی تعیین کا لفظ استعمال کیا جائے تو بہتر ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ تبدیلی صرف حکم کی شکل و صورت میں ہوگی اصل حکم ہمیشہ برقرار رہے گا۔

شریعت میں موقع ومحل کی اہمیت

احکام شرعیہ میں موقع ومحل کی تعیین کا اندازہ آپ اس واقعہ سے بھی لگا سکتے ہیں ایک مرتبہ صاحب زادہ عبدالملک نے احکام شرعیہ کا نفاذ کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے فرمایا۔

مالک لا تنفذ الامور فواللہ ما ابالی لو ان القدور غلت بی وبک فی الحق علو

ایکو کیا ہوگیا ہے کہ آپ احکام شرعیہ نافذ نہیں کرتے ہو خدا کی قسم اگر حق کے معاملہ میں ہانڈیوں کو ابال اجلئے جب بھی میں اسکی پرواہ نہیں کرتا ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے اس میں غور کیا جائے تو موقع ومحل کی تعیین کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے گا۔

چنانچہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب ارشاد فرمایا۔

لا تعجل یا بنی فان اللہ ذم الخمر فی القرآن مرتین فحرمها فی الثالثة وانی اخاف ان احمل الحق علی الناس جملة فیدفعوه جملة فیکون ذا فتنة ۲ علو

میرے بیٹے جلد بازی مت کرو اس لیئے کہ اللہ پاک نے بھی شراب کی دو مرتبہ مذمت فرمائی اور اسکی

علو الموافقات ج ۲ ص ۹۴ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت ص ۳۴
۲علو الموافقات ج ۲ ص ۹۴ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت ص ۳۴

برائی بیان کی تیسری مرتبہ اسکو حرام قرار دیا
مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں حق کو لوگوں پر ایک ہی مرتبہ
مسلط کروں گا تو لوگ اسے پھینک دیں گے تو اس سے
ایک مستقل فتنہ پیدا ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رہ کا مقصد یہ تھا کہ احکام شرعیہ کے نفاذ میں لوگوں کے حالات اور لوگوں کی طبیعتوں کو دیکھا جاتا ہے خلاصہ ایکہ دراصل قانون سازی کی بنیاد معاشرہ ہی ہے۔

اس لیئے فقہائے کرام مختلف مسائل کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

لو کان ابو حنیفة لقال کذا أو کذا۔ (۱)

یعنی یہ فتوی جو اس وقت ہم لوگ دیتے ہیں اگرچہ
امام ابو حنیفہ رہ کے قول کے مخالف ہے لیکن اگر بالفرض
امام ابو حنیفہ رح بھی آج زندہ ہوتے تو یہی قول اختیار
کرتے جو ہم لوگوں نے کیا ہے۔

اسلیئے کہ امام ابو حنیفہ رہ نے جس وقت عدم جواز کا فتوی دیا تھا اس وقت اس حکم کیلیئے جو مصلحت پیش نظر تھی آج وہ مصلحت نہیں رہی آج جو جواز کا فتوی دیا جارہا ہے اسکی مصلحت اور ہے چنانچہ مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ آپ لے لیں حضرت عمر رض کا فیصلہ ہے کہ چار سال تک انتظار کریگی اسکے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے ہے کہ پوری زندگی انتظار کریگی دوسری جگہ اسکو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے اسی اختلاف کے پیش نظر ائمہ کرام کے اقوال بھی مختلف ہو گئے۔

چنانچہ امام مالک رح نے حضرت عمر رض کے قول کو لیا اور بعض احناف رح نے حضرت علی رض کے قول میں مصلحت سمجھی انھوں نے اسی کو لے لیا۔

لیکن آج کل ہمارے علماء احناف رح امام مالک رح کے قول پر چل رہے ہیں۔

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی
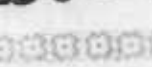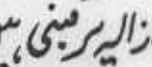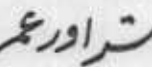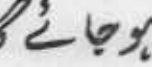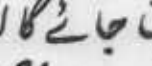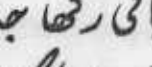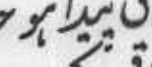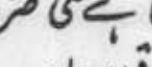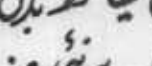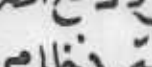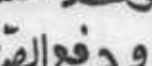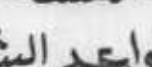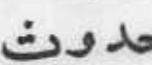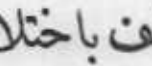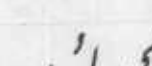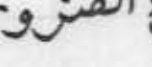
چنانچہ امام ابن عابدین شامی رح فرماتے ہے۔

فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا بأس بہ ①

اگر ضرورت امام مالک رح کی رائے پر فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

فکثیر من الاحکام یختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اھلہ اوحدوث ضرورۃ او فساد اھلہ بحیث لوبقی الحکم علی ما کان علیہ اولاً یلزم منہ المشقۃ والضرر بالناس ولخالف القواعد الشرعیۃ المبنیۃ علی التخفیف والیسر ودفع الضرر والفساد لبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احکام ②

بہت سے احکام زمانہ کی تبدیلی کیسا تھ بدل جاتے ہیں اسلئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے نئی ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اہل زمانہ میں فساد اخلاق پیدا ہو جاتا ہے اب اگر حکم شرعی کو پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کیلئے ضرر کا باعث بن جائے گا اور ان شرعی اصول اور ضوابط کے خلاف ہو جائے گا جو سہولت و آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقہ پر رکھنے کیلئے ضرر و فساد کے ازالہ پر مبنی ہیں۔

① جدید فقہی مسائل ص ۹۳

② رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۲۶ بحوالہ جدید فقہی مسائل ج ۲ ص ۱۰ حرا پبلی کیشنز ۱۰ اردو بازار لاہور

موقع ومحل کی تعیین کی ضرورت

احکام شرعیہ کے نفاذ کیلئے موقع ومحل کی ہر وقت ضرورت ہے اگر اس ضرورت کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو بہت سے احکام ناممکن العمل قرار پائیں گے یا ان پر عمل کرنا بہت دشوار ہوگا جو کہ شرعاً مطلوب نہیں اور اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قانون خداوندی اور انسانی زندگی کا باہمی ربط وتعلق منقطع ہو جائے گا۔
آپ فقہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے اس ضرورت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حالات کی تعیین کو شرعی احکام میں فقہاء کرام نے کس قدر پیش نظر رکھا ہیں۔

فتری الشیئ الواحد یمنع فی حالٍ لا تکون فیہ مصلحۃ فاذا کان فیہ مصلحۃ جاز کالدرہم بالدرہم الی أجل یمتنع فی المبایعۃ ویجوز فی القرض وبیع الرطب بالیابس یمتنع حیث یکون مجرد غررٍ وربًا من غیر مصلحۃ ویجوز اذا کان فیہ مصلحۃ راجحۃ کما فی تمر العوایا توسعۃ علی الخلق علہ

ایک ہی چیز کو آپ دیکھتے ہیں کہ جس صورت میں کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ جائز نہیں ممنوع ہے لیکن جس صورت میں کوئی مصلحت ہوتی ہے تو وہی چیز جائز ہے۔ جیسا کہ ایک درہم دوسرے درہم کے مقابلہ

علہ حاشیہ ہدایہ ص ۳۷ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت محمد تقی امینی ص ۳۲ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

میں بیع کے اندر ایک مدت متعینہ تک ناجائز ہے لیکن
درہم درہم کے مقابلہ میں قرض کی صورت میں جائز ہے۔
اسی طرح تر کھجور کو خشک کھجور کے مقابلہ میں بیچنا
جائز نہیں اسلیئے کہ اس میں دھوکہ اور سود پائے جاتے
ہیں لیکن جب اس میں راجح مصلحت پائی جائے تو جائز
ہو جاتا ہے جیسا کہ عرایا جو کے پھلوں میں ہوتا ہے تاکہ
خلق خدا کو فائدہ ہو جائے۔

عرایا کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی نے کسی کو کھجور کا درخت دے دیا کہ اس سے
پھل کھائے اور انتفاع حاصل کرے لیکن اس شخص کے اس شخص کے باغ میں بار بار
آجانے سے مالک کو اور اس شخص کو دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اسلیئے اس دشواری
کو دفع کرنے کی غرض سے مالک اس شخص کو اتنی خشک کھجور اندازہ کر کے
دیدے۔

عرایا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ محمود بن لبید رض فرماتے ہے کہ میںنے
زید رض سے پوچھا کہ یہ عرایا کیا چیز ہے تو زید رض نے انصار کے چند ضرورتمندوں
کا ذکر کیا کہ انھوں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ موسم
میں تازہ پھل آتا ہے لیکن ہمارے پاس نقدی نہیں ہوتا جسکی وجہ سے ہم لوگ ان
کھجوروں سے محروم رہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے
پاس جو خشک کھجوریں رہتی ہیں انکے عوض میں عرایا خرید لیا کرو اس
طرح تازہ پھلوں سے تمہیں محرومی نہ ہو گی۔

خلاصہ اینکہ اس مذکورہ عبارت سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موقع ومحل
کی تعیین کا کتنا بڑا دخل ہے احکام شرعیہ کے اندر ایک ہی چیز درہم
درہم کے مقابلہ میں ایک موقع پر اور ایک حالت میں ناجائز لیکن وہی صورت
دوسری حالت اور دوسرے موقع پر جائز ہو

؎ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں اجتہاد محمد تقی امینی ۳۵۱ تا ۳۵۹ قدیمی کتب خانہ کراچی.
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۷ قدیمی کتب خانہ کراچی.
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۲ ص ۱۰ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور.
احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت از ص ۲۸ تا ص ۳۵ سندھ ساگر اکادمی.

سنت سے حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت

سنّت سے بھی ثابت ہے کہ حالات وزمانہ کی رعایت کو شرعی احکام میں دخل حاصل ہے چنانچہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ایک واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خرجت امرأتان معهما صبيّتان لهما فعدا الذئبُ على احدهما فاخذولدها فاصبحتا تختصمان في الصبيّ الباقي الى داوٗد فقضى به للكبرىٰ منهما فمرّتا على سليمان فقال كيف امركما فقصّتا عليه فقال ائتوني بالسكين اشق الغلام بينهما قالت الصغرىٰ أتشقّه قال نعم فقالت لا تفعل حظّي منه لها فقال ابنكِ فقضى به لها. ؏١

دو عورتیں باہر نکلیں اور انکے ساتھ انکے بچے بھی تھے بھیڑیا نے ایک پر حملہ کر کے اس سے اس کا بچہ چھین لیا جو بچہ بھیڑیا کے حملہ سے بچ گیا تھا اسکے بارے میں دونوں جھگڑنے لگیں ایک کہتی تھی کہ میرا بچہ ہے دوسری کہتی تھی کہ یہ میرا ہے دونوں دعویٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں لیگئیں حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دیا پھر ان عورتوں کا گذر سلیمان

؏١ نسائی شریف ج ۲ کتاب آداب القضاء۔

علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو انھوں نے ان دونوں
سے فیصلہ کی معلوم کیا کہ تمہارا فیصلہ کیسے ہوا تو انھوں نے سلیمان
علیہ السلام کے سامنے بیان کیا آپ نے فرمایا کہ میرے پاس
چھری لیکر آؤ اسکو تمہارے لیئے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں
چھوٹی عورت نے کہا کیا واقعی حضرت آپ اسکو دو
ٹکڑے کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں تو اس چھوٹی
عورت نے کہا کہ آپ اس طرح نہ کریں اس بچہ
سے جو میرا حصہ بنتا ہے میں اُس بڑی عورت کو اپنا حصہ
دیدیتی ہوں حضرت سلیمان نے یہ سُنکر اس بچہ کا
فیصلہ چھوٹی عورت کے حق میں دیدیا۔

اس حدیث سے حاکم اور قاضی کیلئے کافی وسعت ثابت ہوتی ہے حق کو ظاہر کرنے کیلئے قاضی کیلئے جائز ہے جو کام نہ کرنا چاہتا ہو لیکن کہدے کہ میں کروں گا یعنی خلاف واقع بات کہہ کر حق کا اقرار کرانا جائز ہے قاضی کے سامنے جب حق بات ظاہر ہو جائے تو محکوم علیہ کے اقرار کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتا ہے جیسا کہ یہاں پر بظاہر چھوٹی عورت اقرار کر رہی تھی کہ چلو میں اپنا حصہ بڑی عورت کو دیتی ہوں اور اپنے حصہ سے دستبردار ہوتی ہوں لیکن چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ عورت بچہ کے ٹکڑے کرنے پر راضی نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی کا لخت جگر ہے اور بڑی عورت اس پر خاموش ہے اگر بچہ اسکا ہوتا تو پھر اس پر وہ کیسے خاموش رہتی۔

نیز اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک قاضی دوسرے قاضی کے فیصلہ کو توڑ سکتا ہے چاہے وہ قاضی اس سے بڑا ہو یا اسکے برابر کا ہو۔

بہر حال یہ حدیث اس پر واضح ثبوت ہے کہ حالات و زمانہ کو احکام شرعیہ میں بڑا دخل حاصل ہے واللہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی فیصلے بھی اس پر شاھد ہیں کہ آپ نے موقع ومحل کے تفاوت کی وجہ سے احکام میں تبدیلی فرمائی ہے۔

مثلاً سیاست شرعیہ کے تحت ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا حکم دیا جو نماز سے تخلف کرتے ہیں حالانکہ عام حالات میں نماز سے متخلف کیلئے یہ سزا نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم آپ ؐ نے منافقین کیلئے دیا تھا حالانکہ یہ بات قابل غور ہے کہ منافقین تو گھروں میں سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے تھے بلکہ یہ حکم تو ان لوگوں کیلئے تھا جو کہ گھروں میں تو نماز پڑھتے تھے لیکن جماعت سے تخلف اختیار کرتے تھے اور یقیناً ایسے لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں منافق نہیں ہو سکتے۔

اس پر پر دلیل یہ ہے کہ ان حدیثوں کو امام مسلم نے "بیان التشدید عن التخلف عن الصلوۃ"، میں ذکر فرمایا ہے نہ کہ فاھک الصلوۃ کے باب میں۔ ایک موقعہ پر زکوۃ نہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا کہ "انا آخذوھا منه وشطر ماله"، بیشک ہم اس سے زکوۃ وصول کرینگے اور اسی کا آدھا مال بھی حالانکہ عام حالات میں یہ حکم نہیں ہے۔

شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا اور ان ہانڈیوں کو پھوڑنے کا حکم دیا جن میں حرام گوشت پکتا تھا یہ حکم بھی موقع ومحل کے لحاظ سے تھا تاکہ شراب کی نفرت ان کے دلوں میں بیٹھ جانے یہی وجہ ہے جب مسلمانوں کو شراب سے نفرت ہوئی اور شراب کی برائی انکے دلوں میں راسخ ہوئی تو پھر یہ حکم ختم ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کو ان کپڑوں کے جلانے کا حکم دیا جو زرد رنگ میں رنگے گئے تھے۔

۱؎ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت محمد تقی امینی صـ ۱۳۰ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

۲؎ ملاحظہ فرمائیں مسلم شریف ج ۱ بیان التشدید عن التخلف عنها صـ ۲۳۶۔

شرابی کے تیسری یا چوتھی مرتبہ شراب پینے کے بعد قتل کا حکم دیا۔
غزوہ تبوک کے موقع پر بعض منافقین کی شرارتوں کی وجہ سے انکے گھروں کو جلانے کا حکم دیا
محض شک کی بناء پر بعض مجرموں کو سزا دی اور بعض کو قید کر دیا۔
چوری کی بعض صورتوں میں جنکے اندر قطع ید نہیں ہے دوگنا تاوان کا حکم دیا اور کوڑے بھی لگائے۔
ایک شخص کو اس کی ام ولد کیساتھ متہم کیا گیا تو آپ ؐ نے اسکے قتل کا حکم دیا لیکن بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ شخص عورت کے قابل ہی نہیں تو اسکو چھوڑ دیا۔
ایک شخص نے آپ ؐ سے اپنے پڑوسی کی ایذاء رسانی کی شکایت کی آپ نے اسکو حکم دیا کہ اپنے گھر سے اپنا سارا سامان اور مال متاع نکال کر راستہ میں ڈالدے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لوگوں نے اگر اس سے پوچھا معلوم ہونے کے بعد اسکے پڑوسی پر لعن و طعن شروع کیا پڑوسی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے حلفیہ وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ایسا نہیں کریگے۔
غرض یہ کہ اس قسم کے آپ ؐ کے بہت سے فیصلے ہیں جو آپ نے حالات و زمانہ کی رعایت سے فرمائے ہیں۔

ملاحظہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت محمد تقی امینی ص ۱۲۴ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

صحابہ کرام کی زندگی سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بہت سے احکام کے مواقع و محل متعین کئے اور کئی انتظامی احکام کا اضافہ فرمایا در حقیقت ان سب کی گنجائش قرآن و سنت میں تھی۔

اس اضافہ و تعیین سے یہ نتیجہ اخذ کرلینا کہ ان حضرات نے اپنے اجتہاد کو قانون ساز کا بڑا سرچشمہ قرار دیا تھا اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو دوسرا درجہ دیا تھا یقیناً قرآن و سنت کے مزاج سے یہ بات بالکل ناواقفیت کی دلیل ہوگی۔

آپ اگر صحابہ کرام کی زندگی کا انصاف سے مطالعہ کرینگے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان حضرات نے قرآن و سنت کو کیسے اپنی زندگیوں میں سمویا تھا اور قرآن و سنت کی نصوص کے مقابلہ میں اپنے قیاس اور اجتہاد کا کیا مرتبہ انکی نظروں میں تھا۔

چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہے۔

> أيُّ سَمَاءٍ تظلّني وأيُّ أرضٍ تقلّني اذا قلت في كتاب الله برائي۔ [1]
>
> کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین مجھے اٹھائے گی جب میں اللہ کی کتاب میں اپنی رائے چلاؤں۔

مطلب یہ تھا کہ خدا کی کتاب کو چھوڑ کر میں اپنے قیاس اور رائے کو اسی وقت ترجیح

---

[1] منہاج الاصول للبیضاوی، باب القیاس فی بیان انہ حجۃ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت محمد تقی امینی ص ۱۴۹۔

دے سکتا تھا جبکہ خدا کی گرفت سے کوئی بچانے والا ہوتا جب اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی نہیں تو میں کیسے خدا کے حکم کے مقابلہ میں اپنے قیاس اور رائے کو ترجیح دے سکتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

ایاکم واصحاب الرأی فانھم اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا فقالوا بالرأی[1]

لوگو اصحاب الرأی سے اپنے آپکو بچاؤ کیونکہ یہ سنت کے دشمن ہیں احادیث کو محفوظ کرنے اور یاد کرنے سے یہ لوگ عاجز ہیں اسلئے اپنی رائے سے کہتے ہیں۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔

لوکان الدین یوخذ قیاسًا لکان باطن الخف اولی بالمسح من ظاہرہ[2]

اگر دین قیاس سے حاصل کیا جاتا تو موزے کا نچلا حصہ اوپر کے حصہ سے مسح کے اعتبار سے اولیٰ ہوتا۔

اسلئے کہ نچلا حصہ استعمال زیادہ ہوتا ہے اور گندگیوں کیساتھ اسکی مخالطت زیادہ ہوتی ہے اگر دین ہمارے قیاس سطحی کے لحاظ سے ہوتا تو پھر باطن الخف (نچلا حصہ) موزہ کا زیادہ حقدار ہونا چاہیئے تھا کہ اس پر مسح کیا جاتا۔

بہر صورت ایسا قیاس اور ایسا اجتہاد جسکے لئے قرآن وسنت سے کوئی اساس نہ ہو اسکے صحابہ کرام مخالف تھے پھر بھی آپ اگر صحابہ کرام کے فیصلوں کو دیکھینگے کہ بظاہر انکے بعض فیصلے قرآن وسنت کے ... نصوص سے متصادم ہیں جو شخص دین کے

---

[1] منہاج الاصول۔ بحوالہ سابق

[2] 〃 〃 〃 〃 〃

مزاج اور مذاق سے ناواقف ہے وہ تو یہی ڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ انھوں نے قرآن وسنت کو اپنے اجتہاد کے مقابلہ میں ترک کردیا تھا حالانکہ کلاً و حاشا، حقیقت بالکل یہ نہیں بلکہ یہ سب کچھ حالات کی نزاکت کے اعتبار سے تھا۔
اور شریعت میں حالات وزمانہ کی رعایت ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی عقل مند انسان انکار نہیں کرسکتا۔
آپ ؐ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے اسکے جواب میں سیدنا ابوبکر رض نے فوج کے دستوں کو یہ پیغام دیکر بھیجا۔
جو شخص محمد کی پوجا کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد ؐ کا وصال ہوگیا لیکن جو شخص صرف اللہ کو پوجتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ اسکی نگرانی کرنے والا ہے وہ قیوم اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسکو کبھی موت نہ آئے گی اسکو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ وہ خود اپنے کام کی حفاظت کرنے والا اور اپنے دین کے دشمن سے بدلہ لینے والا ہے میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لائے ہیں اس سے اپنا حصہ لو آپ ؐ کے اسوۃ کی اتباع کرو اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو جس شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور جس شخص کو اللہ معاف نہیں کرتا وہ مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس شخص کی مدد اللہ نہیں کرتا ہے وہ رسوا ہو جاتا ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی اس نے ہدایت پائی اور جس کو اللہ نے گمراہ کردیا وہ گمراہ ہوگیا۔

من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن
تجد لہ ولیا مرشدا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے کے بعد جہالت اور شیطان کے فریب میں آکر دین حق سے پھر گئے ہیں میں تمہارے پاس مہاجرین انصار اور تابعین کا لشکر بھیج رہا ہوں میں نے اسکو یہ حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام کا پیغام نہ پہنچا دے تم سے جنگ نہ کرے جو شخص اسلام کا اقرار کر کے تمام باغیانہ سرگرمیوں

سے باز آ جائے گا اسکو امان ہے لیکن جو شخص انکار کر کے فساد پر آمادہ ہوگا
تو اس سے جنگ کی جائے گی اور وہ اللہ کی تقدیر کو اپنے اوپر نافذ ہونے سے نہ روک
سکے گا ایسے لوگوں کو آگ میں جلا دیا جائے گا اور قتل کیا جائے گا ان کی عورتیں اور
بچے قیدی بنا لیے جائیں گے ان تمام باتوں میں غور کرنے کے بعد جو شخص ایمان لے آئے
تو وہ اس کے لیئے بہتر ہوگا لیکن جو شخص بدستور ارتداد کی حالت پر قائم رہے گا وہ
اللہ کو ہرگز عاجز نہ کر سکے گا۔ علو

اس اعلان کے بعض ٹکڑے مثلاً ایک تو لوگوں کو دین پر آکر اکراہاً آمادہ
کرنا "ولا اکراہ فی الدین" کے خلاف ہے پھر انکے گھروں کو جلانے کا
حکم "ولا تعذبوا بعذاب اللہ" حدیث کے خلاف ہے لیکن جو لوگ حالات
کی نزاکت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سب قرآن وسنت کی مخالفت
نہیں تھی بلکہ حالات وزمانہ کی ... رعایت اور موقع ومحل کی تعیین اور حالات کی
سنگینی کے پیش نظر تھا ورنہ صحابہ کرام نہ ان نصوص سے ناواقف تھے اور نہ
"العیاذ باللہ" انکے مخالف تھے۔

علو طبری ج ۲ باب بقیۃ الخبر عن امر الکذاب العنسی بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت محمد تقی امینی ص ۱۷۱ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

حضرت عمر رضہ نے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کی

حضرت عمر رضہ نے اپنے دورِ حکومت میں جتنے اقدامات کئے انکا احاطہ تو نہیں ہو سکتا اور نہ یہاں پر وہ مقصود ہے۔
لیکن جو اقدامات انھوں نے حالات و زمانہ کی رعایت سے کئے ہیں بطورِ مثال کے ان میں سے یہاں پر چند ذکر کئے جاتے ہیں حضرت عمر رضہ نے کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت فرمائی حالانکہ قرآن حکیم میں اسکی اجازت ہے۔

والمحصناتُ من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم
اذا آتیتموھُنّ اجُورھُنّ محصنین غیر
مسافحین ولامتخذی اخدان۔ المائدہ/ع/۱

اور تمہارے لیے اہلِ کتاب پاک دامن عورتیں حلال کیگئی ہیں جبکہ تم انکا مہر ادا کرو اور بیوی بناؤ نہ یہ کہ علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

چنانچہ ابوبکر جصاص رح نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت حذیفہ رضہ نے ایک کتابیہ عورت سے نکاح کیا حضرت عمر کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت حذیفہ رضہ کو لکھا کہ اس سے علیحدگی اختیار کریں حضرت حذیفہ رضہ نے جواباً لکھا کہ یہودیہ سے نکاح حرام ہے تو سیدنا عمر رضہ نے جواب دیا کہ میں حرام تو اسکو نہیں کہہ سکتا کہ نص قطعی سے ثابت ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ ان عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے اسلئے میں منع کرتا ہوں یقیناً یہ حکم اور یہ فیصلہ زمانے کے حالات کے پیشِ نظر آپنے فرمایا۔
چنانچہ امام محمد رح نے کتاب الآثار میں اسکی وجہ بھی نقل فرمائی ہے کہ سیدنا عمر رضہ نے فرمایا۔

فانی اخافُ ان یقتدی بک المسلمون فیختاروا

نساء اهل الذمة لجما لهن و
كفى بذالك فتنة لنساء المسلمين علو

مجھے اندیشہ ہے کہ باقی مسلمان آپکی اتباع اور اقتداء کرینگے اور یہودیہ عورتوں کو انکی خوبصورتی کی وجہ سے ترجیح دینگے اور یہ بابت مسلمان عورتوں کیلئے ایک آزمائش بن سکتی ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو جائداد رکھنے سے منع فرمایا حالانکہ اس سے قبل مسلمان برابر زمینوں پر قابض اور امین رہے تھے لیکن آپ نے اس سے منع فرمایا یہ بھی اس زمانہ کے پیش نظر تھا۔
ایک وقت کی تین ۳ طلاقوں کو تین ۳ قرار دیا حالانکہ روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے زمانہ میں ایک وقت کے تین ۳ طلاق ایک طلاق شمار کی جاتی تھی لیکن سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ نے طلاق کے بارے میں تاخیر کا حکم دیا ہے لیکن لوگ اس میں جلد بازی کرتے ہیں تو ہم بھی اس کو لازم قرار دیں گے۔
شرابی کی سزا اسّی ۸۰ کوڑے مقرر فرمائی حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں چالیس کوڑے تھے۔
ایک دفعہ چوری کے مال میں دُو گنی قیمت کا حکم دیا۔
تالیف قلب کی غرض سے زکوٰۃ دینے سے منع فرمایا غرض یہ کہ اس قسم کے آپ کے سینکڑوں واقعات ہیں کہ بظاہر نصوص سے متصادم نظر آتے ہیں مگر درحقیقت جنکو اللہ نے دین کے بارے میں بصیرت عطا فرمائی ہے وہ جانتے ہیں کہ دین کیلئے یہ سپوت نصوص سے اپنی رائے کی ٹکر کب چاہتے تھے یہ تو نصوص کیلئے مر مٹنے والے لوگ تھے تو نصوص قطعیہ کی کیسے مخالفت کر سکتے ہیں بلکہ یہ سبب

علو کتاب الآثار باب تزوج الیہود والنصرانیۃ ۱

کچھ اسلئے کرتے تھے کہ وہ دین کے مزاج سے واقف تھے۔
دین جس پر اُترا تھا انکی رفاقت ایک طویل عرصہ تک انکو نصیب ہوئی تھی
جب گھر کے مالک کو معلوم نہ ہو کہ میرے گھر میں کیا ہے تو باہر کا آدمی کیا بتا سکتا
ہے یہ کہاں کی عقلمندی اور کہاں کا انصاف ہے۔ ؎۱

؎۱ سیدنا عمرؓ کی اولیات و دیگر دورِ حکومت کے اقدامات کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔
اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام مجیب اللہ ندوی ص۸۱ تا ص۲۱۵۔
مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور۔
احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت محمد تقی امینی از ص۱۹۲ تا ص۳۳۶
مکتبہ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔

بحث السنۃ

فقہ اسلامی کے مأخذ میں سے ایک سنّت ہے
سنت کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل اور سکوت پر نیز صحابہ کرام کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے البتہ حدیث کا اطلاق خاص ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال اور سکوت اور ہیئت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لقط الدرر شرح نخبۃ الفکر میں ہے

ما اضیف الی النبی من قول او فعل او تقریر
او وصف خِلقی او خُلقی ①

آپ صلی اللہ کی طرف جس قول اور فعل اور تقریر یا اوصاف خلقیتہ اور خُلقیہ کی نسبت ہو وہ حدیث کہلاتی ہے
قول اور فعل تو واضح ہیں باقی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کوئی شخص کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انکو ٹوکتے نہیں ہے تو اس عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر حاصل ہوگئی یہ عمل اُمت کیلئے جائز سمجھا جائے گا یقیناً اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تنبیہ فرما دیتے :
وصف خِلقی کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لمبے قد کے نہیں تھے نیز آپ چھوٹے اور ٹھگنے قد کے بھی نہیں تھے بلکہ آپ کا میانہ قد تھا ۔

① حاشیہ لقط الدرر شرح نخبۃ الفکر عبداللہ بن الحسین المالکی ص ۲ طبع مصطفٰے البابی الحلبی واولادہ بمصر۔

دراصل قرآن کریم کی حیثیت ایک نقشہ تعمیر کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک انجنیئر کی ہے سنت کی حیثیت اس نقشہ کے مطابق ایک تیار کی ہوئی عمارت کی ہے اس بنا پر حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے اس عمارت میں اس پاک انجنیئر کی بنائی ہوئی عمارت کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حالات و ضرورت کی رعایت ہر دور میں رہی ہے اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی اسکی رعایت موجود ہے ہمارا کام اس وقت یہ ہے کہ اس عمارت کی اصل بنیاد اور ستون کو باقی رکھ کر اس رعایت سے جتنا بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اٹھائیں اور اپنے زمانہ کی مناسب عمارت بنائیں مگر ہمیں یہ اختیار نہیں ہے کہ اس عمارت کی اصل بنیاد اور ستونوں کو مسمار کر دیں قرآن کریم میں سنت کی بنیاد پر یہ آیات شاہد ہیں

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ٦ النحل ع ۶

ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ جو تعلیم لوگوں کی بھیجی گئی ہے وہ ان پر واضح کر دیں اور تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

اس آیت کریمہ کے اندر آپ ﷺ کو قرآن کا شارح قرار دیا گیا ہے اس لیے علامہ شاطبی رح فرماتے ہیں کہ

ليس في القرآن الا واصله في السنة ①

قرآن میں کوئی ایسا بیان نہیں ہے جسکی اصل سنت میں نہ ہو

① الموافقات علامہ شاطبی رح ج ۴ المسألة الثالثة في السنة بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی رح ص ۹۶

دوسری آیت میں تو فرمایا گیا ہے

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق
لتحکم بین الناس بما اراک اللہ (النساء ع ۱۶)

اے پیغمبر ہم نے کتاب آپ پر سچائی کیساتھ نازل کر دی ہے تاکہ جیسا کچھ اللہ نے بتلایا ہے آپ اسکے مطابق فیصلہ کریں۔
تیسری آیت میں فرمایا گیا ہے

یاایھا الرسول بلغ ما انزل
الیک من ربک (المائدہ ع ۱۰)

اے رسول جو کچھ آپکی طرف آپکے رب کیطرف سے نازل کیا گیا ہے آپ اسکی تبلیغ کیجئے
پہلی آیت میں آپکو اللہ پاک نے شارح قرآن فرمایا ہے
دوسری میں حاکم تیسری میں مبلغ
غرض یہ ہیکہ قرآن کریم کی وضاحت اور تفصیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔
اسلیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے قرآن مجید کی مجملات اور مطلقات کی توضیح کیلئے سنت رسول ؐ کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے

کان ابو بکرؓ اذا ورد علیہ حکم نظر فی کتاب اللہ
تعالیٰ فان وجد فیہ مایقضی بہ قضی بہ و
ان لم یجد فی کتب اللہ فنظر فی سنۃ رسول
اللہ فان وجد فیھا مایقضی بہ قضی بہ

فان اعیاہ ذلک فسأل الناس هل علمتم
ان رسول اللہ قضی فیه قضاءً وربما قام الیه
القوم فیقولون قضی فیه بکذا وکذا ①

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب کوئی قانونی معاملہ آجاتا تو آپ رضؓ قرآن حکیم میں اسکی حل تلاش فرماتے۔ اگر وہاں نہ ملت تو سنت کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر سنت میں نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا کسی کو علم ہے بسا اوقات صحابہ میں کچھ لوگ بتا دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضؓ سنت سے سند ملنے پر خوش ہو کر فرماتے تھے

الحمد للہ الذی جعل فینا من یحفظ
علی سنن نبینا

اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جن میں ہمارے نبی کی سنتیں محفوظ ہیں

سیدنا عمر رضؓ فرماتے تھے کہ آیندہ ایسے لوگ پیدا ہونگے جو قرآنی مشتبہات میں تم سے جھگڑیں گے ایسی صورت میں ان پر سنت سے حجت قایم کرنا کیونکہ اصحاب سنن کتاب اللہ کو خوب جانتے ہیں
ائمہ قانون نے بھی قرآن فہمی اور قانون کے مرحلہ میں سنت کو جو اہمیت دی ہے اسکا اندازہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے اس قول سے لگائیے فرماتا ہے

لولا السنن مافهم احدٌ منا القرآن ②

① حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ باب الفرق بین اہل الحدیث بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۹۶
② کتاب المیزان للشعرانی فی بیان ما ورد فی ذم الرأی عن الشارع بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۹۸

اگر سنتیں نہ ہوتیں تو ہم میں سے کوئی قرآن فہمی حاصل نہ کرتا
بہر حال سُنّت کی تشریحی حیثیت سے انکار کرنا سوفسطائیت کے علاوہ کوئی اور کچھ نہیں ہو سکتا:

سنت کی تشریحی اور توضیحی صورتیں

نمبر ۱۔ قرآن مجید کے جو مجمل آیتیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تشریح فرمائی.
نمبر ۲۔ جو آیات مطلق تھیں انکو موقع ومحل کے لحاظ سے مُقیّد فرمایا۔
نمبر ۳ ۔ جو مشکل تھیں انکی تفسیر بیان فرمائی
نمبر ۴۔ جو قرآنی آیات واحکام مجمل تھے یعنی انکے عمل کی کیفیت اسباب وشرائط اور لوازم وغیرہ کی تفصیل بیان فرمائی چنانچہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی جو تفصیلات سنت میں مذکور ہیں وہ سب قرآن حکیم کی وضاحت ہیں
نمبر ۵۔ قرآنی توضیحات کی روشنی میں بہت سے پیش آمدہ مسائل اور واقعات کا حکم آپ نے بیان فرمایا۔ مثلاً حلّت وحرمت کے جو احکام تھے اُن پر مشتبہ اور مشکوک چیزوں کو قیاس کیا جنکی تصریح قرآن میں نہ تھی.
نمبر ۶۔ قرآنی اصول ومقاصد کے پیش نظر وقت اور محل کی مناسبت سے رسائل اور ذرائع کا حکم بیان فرمایا
نمبر ۷، قرآنی تصریحات سے ایسے اصول اور ضوابط مستنبط فرمائے جن کی مدد سے نئے پیش آمدہ مسائل اور واقعات کو بآسانی حل کیا جاتا سکتا۔
نمبر ۸۔ قرآنی احکام کے وجوہ واسباب اور حکمت ومصلحت بیان فرمائی جس سے بہت سے اصول وکلیات مستنبط ہوئے

نمبر ۹۔ قرآنی ھدایات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت اخذ کی اسکے مقاصد بیان فرمائے پھر اسی کی روشنی میں شریعت کو انسان کی عملی زندگی سے ہم آہنگ بنایا۔

نمبر ۱۰۔ بحیثیت مجموعی زندگی ایسی گزاری کہ قرآنی زندگی کیلئے وہ مکمل تفسیر بنی

تلك عشرة كاملة ۔ ①

① تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں اعلام الموقعین علامہ ابن قیمؒ ج ۱ الوجہ الرابع ان البیان من النبی ص اقسامہ

حدیث کو جانچنے کیلئے روایت و درایت دونوں کے معیار مقرر ہیں

فن روایت ایک مستقل اور متعلق فن ہے علماء محدثین نے اس کے لیئے اصول اور ضوابط مقرر فرمائے ہیں جن کی مدد سے حدیث کی صحت اور سقم کا علم بآسانی ہو سکتا ہے۔ چند قواعد مندرجہ ذیل ہیں

1. وہ حدیث قرآن حکیم کے خلاف نہ ہو
2. واقعات اور مشاہدات کے خلاف نہ ہو
3. مسلّمہ اصولوں کے منافی نہ ہو
4. تواترات اور تعامل صحابہ رض کے خلاف نہ ہو
5. عقل کے خلاف نہ ہو
6. اس حدیث میں اوہام پرستی کی ترغیب نہ ہو۔
7. معمولی معمولی باتوں پر سخت قسم کے عذابوں کی دھمکی نہ ہو
8. اسکے مضمون میں اس قسم کا اشتباہ نہ ہو جسکی توجیہ مشکل ہو
9. کسی کے مناقب اور فضائل میں غلو سے کام نہ لیا گیا ہو
10. ایسے معائب کا بیان نہ ہو جو قبولیت کے معیار پر پورا نہ اتر سکیں
11. ایسی پیشین گوئیاں نہ ہوں جس میں سال اور ماہ کا تعین ہو
12. ایسے واقعات اس میں بیان نہ کیئے گئے ہوں جنکی تصریح قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں نہ ہو
13. وہ حدیث ایسے الفاظ پر مشتمل نہ ہو جو عربی قواعد کے خلاف ہوں
14. حدیث کے ایسے معانی اور مفاہیم نہ ہوں جو شانِ نبوت و رسالت کے منافی ہوں
15. نیکی و بھلائی کے معمولی کاموں پر انبیاء و مرسلین جیسے ثواب کی ترغیب ہو

غرض یہ ہے کہ جو حدیث مذکورہ اصولوں پر پورا اترتی ہو تو اسکے بعد کسی عقل مند انسان کیلئے انکار کی گنجائش نہیں رہے گی

اسکے علاوہ یہ یاد رہے کہ احادیث کا موقع ومحل متعین کرنے میں اصحاب رسول کی زندگی کا مطالعہ بھی ضروری ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا کیا محمل متعین کیا ہے جو چیز صحابہ میں عام طور پر رائج ہو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس پر خاموشی اختیار کر کے اسکو مان لیا ہو اس کا ماننا واجب ہے باقی جس چیز میں صحابہ کرام رض کا اختلاف رہا ہو اسکا ماننا ضروری نہیں
ان کے اکثر اقوال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ہیں
انہوں نے نصوص کے موقع ومحل کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے اسکے علاوہ دین میں انکو تقدم حاصل ہے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت سے فیض یافتہ ہوئے ہیں
ان کا زمانہ خیر القرون کا ہے
قرآن کے احوال اور اسرار بچشم انہوں نے خود مشاھدہ کیا اور اسباب نزول کی معرفت بھی حاصل کی
اسکے علاوہ انہوں نے کوئی بات بھی اپنی رائے سے نہیں کہی ہے لیکن اگر بالفرض وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہدیتے تب بھی وہ فضیلت کے مستحق تھے۔
لیکن چونکہ صحابہ کرام بھی علم وفضل کے اعتبار سے یکساں نہیں ہیں اسلیئے انکے اقوال اور فرمودات کیلئے موقع ومحل کا متعین کرنا یہ حضرات فقہاء کرام کا حق ہے اور وہ اس حق سے محروم نہیں ہیں (۱)

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۹۴ تا ص ۱۱۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

قیاس

فقہ اسلامی کے ماخذوں میں سے ایک قیاس ہے قیاس کی اہمیت اس بناء پر ہے کہ قرآنی اصول وکلیات اور نبوی تشریحات اپنے اپنے رنگ میں جامع ہونے کے باوجود نئے حالات ومسائل کے تذکرہ سے خالی ہیں بلاشبہ الہی تعلیمات اپنی جگہ کامل ہیں لیکن وہ مجموعی حیثیت سے ان امور میں کامل ہیں

نمبر۱ عقائد کے قواعد نمبر۲ شرائع کے اصول نمبر۳ اقتضا ومصالح کے مطابق استنباط قوانین . یہ مطلب نہیں کہ ہر دور کے جزئی وفروعی احکام کا تفصیلی ذکر ان میں موجود ہے . آج کے نئے تغیرات اور ضرورت زمانہ کی نئی کروٹیں جو آئے دن نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں

ایسی حالت میں فطری طور پر اصول وکلیات اور تفریحی احکام کے عقلی مفہوم میں غور وفکر اور ان کی روح اور مغز سے واقفیت حاصل کر کے اس حد تک ان کے دامن کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کو وہ اپنے اندر سمیٹ سکیں . تاکہ زمانہ کے نام کے مفتی اور مفکرین کو اس میں اپنا رنگ بھرنے کا موقع نہ مل سکے .

قیاس کی تعریف

قیاس کا لغوی معنی اندازہ کرنا . مساوی . مطابق
فقہاء کی اصطلاح میں علت کو مدار بنا کر سابقہ فیصلہ اور نظیر کی روشنی میں نئے مسائل کا حل کرنا

تقدیر الفرع بالأصل في الحكم والعلة ①

حکم اور علت میں ~~فرع~~ کو اصل کے مطابق کرنا .

اس سے زیادہ یہ تعریف ہے

إلحاق أمر بأمر في الحكم الشرعي لاتحاد بينهما في العلة ②

دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے جو حکم ایک مسئلہ کا ہے وہی حکم دوسرے مسئلہ کا قرار دینا .

اسکی تفصیل یہ ہے کہ فقہاء کرام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نصوص دو طرح کے ہیں ایک تعبدی ہیں، کہ جن کا مقصد بن سمجھے اطاعت اور تعمیل ہے انکی مصالح اور علتیں انسان کے دائرہ ادراک سے باہر ہیں ان میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں . چنانچہ عبادات سے متعلق اکثر احکام اسی نوع کے ہیں نمبر ۲ دوئم وہ احکام ہیں جو معلول ہیں یعنی ان کی علت خود نصوص میں بتادی گئی ہیں اور اگر نہیں بتادی گئی ہیں تو عقل انسانی کے لئے ان کے اسباب اور علل کا ادراک ممکن ہے ان کے احکام میں مجتہد ان کے وجوہ و علل کا استخراج کرنے کے بعد دوسرے غیر منصوص مسائل میں بھی جہاں جہاں یہ علتیں

① نور الانوار مع شرح مشکوٰۃ الانوار ص ۱۲۶ میر محمد کتب خانہ کراچی

پائی جاتی ہوں یہی حکم لگتا ہے اسی طرح حقیقت پسندی کے ساتھ غور کیا جائے تو قیاس نصوص کی مخالفت اور اتباع رائے نہیں بلکہ احناف نے اسکو غیر منصوص مسائل تک نصوص کے احکام کو وسعت دینے کیلئے استعمال کیا ہے فقہاء کرام خاص طور پر احناف کے قیاسی احکام و اجتہادات پر نظر غائر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قیاس کا استعمال اباحیت کے بجائے احتیاط کے لیئے کیا ہے مثلاً حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ میں جماع کرلے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا احناف نے اس پر اضافہ کیا کہ علاوہ جماع کے اگر خورد ونوش کے ذریعہ بھی قصداً روزہ توڑلے تو یہ کفارہ کا موجب ہوگا۔

معذور شخص جو روزہ نہ رکھ سکے قرآن مجید نے اس پر فدیہ واجب قرار دیا ہے احناف نے اس پر قیاس کیا کہ یہی حکم اس شخص کے لیئے بھی ہوگا جن کی نمازیں باقی رہ گئیں

اور اب وہ انکو ادا کرنے کیلئے لائق نہ ہو قرآن نے وطی (نکاح) کے بارے میں کہا کہ کسی عورت سے وطی کرنے کی وجہ سے دونوں کے آبائی اور اولادی رشتہ داروں کو ان مرد و عورت کے لیئے حرام کر دیتا ہے چونکہ شہوت کے ساتھ مساس ہی انسان کو فعل وطی تک پہونچاتا ہے اس لیئے احناف نے مساس اور دواعی جماع کو بھی اس حرمت مصاہرت کیلئے کافی قرار دیا۔

غور کیا جائے کہ ان تمام مسائل میں قیاس کے ذریعہ احتیاط و ورع کی راہ اختیار کی گئی ہے نہ کہ اتباع ہوی اور اباحیت کی۔

خلاصہ اینکہ قیاس کے ذریعہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ کو نظر انداز نہیں کیا جاتا ہے بلکہ قیاس تو مسائل غیر منصوص علیہا کیلئے منصوص علیہ احکام سے حکم استنباط کرنے کا نام ہے

مزید اسکی تفصیل یہ ہے کہ پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کی دو عام صورتیں ہیں

نمبر ۱ : جو چیزیں قرآن وسنت اور اجماع کے صریحی حکم سے ثابت ہیں انکے الفاظ ومعانی میں غور کیا جائے اور فقہاء کے بیان کردہ طریقوں اقتضاء، کنایہ، اشارہ وغیرہ کے تحت نئے مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے اسی طرح بہت سے مسائل ظاہری الفاظ ومعانی ہی سے حل ہو جائیں گے اور زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

نمبر ۲ : لیکن نئے حالات ومسائل کا پھیلاؤ اس قدر وسیع اور رنگ برنگ ہے کہ بسا اوقات محض اس سے کام نہیں چلتا ایسی صورت میں مجبوراً صریحی حکم کے مفہوم سے مسئلہ کا حل ڈھونڈا جائیگا یعنی گہرائی میں جاکر اس کی علت نکالی جائیگی اس علت کی نوعیت وکیفیت میں غور کیا جائیگا پھر نئے مسئلہ کی علت دیکھی جائے گی اس کے ماله وما علیہ میں نظر دوڑائی جائے گی اگر پرانے اور نئے دونوں کی علتوں میں اتحاد ہے تو سابق حکم اس نئے مسئلہ پر بھی جاری کر دیا جائیگا دراصل اسی عمل استنباط کا نام قیاس ہے اس عمل کے ذریعہ ان نئے مسائل کا حل دریافت ہوتا ہے جن کو صریح حکم کے الفاظ ومعانی شامل نہیں ہوتے اگر قیاس کو اسی زمانہ میں واقعتاً فقہاء کرام کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں محرک بنایا جائے تو نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل انشاءاللہ دشوار نہ ہوگا ①

① تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں بحث ونظر قاضی مجاھدالاسلام ص ۶۹ شمارہ ۱۴۱۷ھ ندوہ ایجنسی ارم کالج اعظم پورہ حیدر آباد (ہند)
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ملا تقی امینی رح ص ۱۲۴ قدیمی کتب خانہ کراچی

استحسان

فقہ اسلامی کے ماخذوں میں سے ایک استحسان ہے۔

استحسان کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو اچھا اور مستحسن سمجھنا جبکہ فقہاء کرام کی اصطلاح میں مسئلہ کے دو پہلوؤں میں ایک کو کسی دلیل کیوجہ سے ترجیح دینے کا نام استحسان ہے

استحسان کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں

قطع المسئلة عن نظائرها بما هو اقوی ①

کسی مسئلہ کے حکم کو قوی وجہ کی بناء پر اسکے نظائر سے الگ کر دینا اسی طرح

العدول عن قیاس الی قیاس اقوی ②

ایک قیاس کو چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی تر قیاس کیطرف عدول کرنے کا نام استحسان ہے

یہ تو واضح بات ہے کہ انسان کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا دامن اسقدر وسیع ہیں کہ کسی قاعدہ وضابطہ کے تحت انکو سمیٹنا بہت ہی مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ عبیداللہ ابن مسعود اپنی کتاب توضیح میں فرماتے ہیں

لان الحوادث لا تکاد تتناهی ③

کہ حوادث (نئے مسائل) غیر متناہی ہیں

انسان کو ضرورتیں اور مصلحتیں پہلے پیش آتی ہیں پھر انسان انکو منظم شکل دینے کی کوشش کرتا ہے پھر یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان ضرورتوں میں زمان۔ مکان موقع و محل غرض یہ ہے کہ ہر لحاظ سے تبدیلی واقع ہوتی ہیں

③ توضیح و تلویح ص ۲

① کتاب التحقیق استحسان بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۷۲

②

ایسی حالت میں فقہاء کرام ضرورت کو معیار بنا کر حکم ثابت کرتے ہیں مزید وجہ ترجیح تلاش کرتے ہیں اور اسکی بناء پر ضرر ساں اور نقصان دہ پہلو کو چھوڑ کر کوئی مفید پہلو اختیار کرتے ہیں اور یہ عمل کرنے پر فقہاء کرام اس لیئے مجبور ہیں کرتا کہ حکمت الٰہی کیساتھ ہم آہنگی ہو اور اسکے ذریعہ احکام معلوم کر کے فلاح و بہبود حاصل کیا جا سکے اور مضرت کا بھی دفعیہ ہو جائے

خلاصہ یہ نکلا کہ استحسان اسی مصلحت اور ضرورت کا پیدا کردہ ایک اصول اور ماخذ ہے چنانچہ استحسان کی مندرجہ ذیل تعریف اس مدعا پر ایک واضح ثبوت ہے

الاستحسان ترک القیاس والاخذ بما ھو اوفق للناس ①

استحسان ظاہری قیاس کو چھوڑ کر اس چیز کے اختیار کرنے کا نام ہے جو لوگوں کی ضرورتوں کے زیادہ موافق ہو

وَقِیلَ الاخذ بالسعة وابتغاء الدعة
وَقِیلَ الاخذ بالسماحة وابتغاء ما فیہ الراحة،
وحاصل ھذہ العبارات انہ ترک العسر للیسر وھو اصل فی الدین
وقال اللہ تعالی، یرید اللہ بکم الیسر
وقال صلی اللہ علیہ وسلم خیر دینکم الیسر ②

① المبسوط فی الاستحسان بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۷۳
② المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۰، ص ۱۴۵ مکتبہ دار الفکر

بعضے کہتے ہیں کہ استحسان ایسے احکام کہ جن کے اندر عام وخاص مبتلیٰ ہوں
ان میں طلب سہولت کا نام استحسان ہے
اور بعضوں نے یہ کہا کہ سہولت ورخصت کی جستجو اور طلب کا نام استحسان ہے
غرض یہ ہے کہ آسانی کیلئے دشواری کو چھوڑنے کا نام استحسان ہے
اور یہ دین کی ایک مستقل اصل ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ
اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے آسانی چاہتے ہیں
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ تمہارا بہترین دین وہ ہے کہ جس میں آسانی ہو
ہماری کتب فقہ کے اندر استحسانی مسائل بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں اور
وہ سب عام طور پر اسی نوعیت کے ہیں کہ کہ انکے ذریعہ سے ایک مشکل کو رفع
کیا گیا ہے۔
مثلاً کنوئیں کے اندر اگر نجاست گر جائے تو شریعت مطہرہ نے جو عام تطہیر
کا اصول بتایا ہے اسکا تقاضہ یہ ہے کہ کنوئیں سے محض پانی نکالنا کنوئیں کے
تطہیر کیلیئے کافی نہ ہو بلکہ کنوئیں کی دیواریں اور نیچے کی سطح بھی پانی سے دھو
دی جتی کیونکہ نجس پانی کا ان سب کے ساتھ اختلاط رہا ہے اب اگر اس
اصول پر عمل کیا جائے تو چھوٹے برتنوں کے اندر تو ممکن ہے اور اس میں کسی قسم
کی دشواری نہیں ہے لیکن کنوئیں کے ساتھ مسئلہ میں اگر اس قیاس پر
عمل کیا جائے تو بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیئے اس
دشواری سے بچنے کیلئے استحساناً کنوئیں سے صرف پانی نکالنے کو کنوئیں کی تطہیر
کیلئے کافی قرار دیا
علماء احناف کے ہاں استحسان سے زیادہ کام لینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے
کہ انکے ہاں احکام کا مدار عام طور پر علت پر ہے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ علت کا تقاضہ کچھ اور ہوتا ہے۔

اگر اسکی رعایت کی جائے تو شریعت کی مصلحت عامہ کی مخالفت لازم آتی ہے ایسے مواقع میں ایسی صورتوں کا استثناء کیا جاتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ان صورتوں کے احکام شریعت کی عمومی مصلحت اور حکمت کے مطابق حل کئے جائیں۔ بس ان مسائل کو ایسے عمومی مصالح کے تحت داخل کرنے کا نام استحسان ہے

مثلاً قرض کا لین دین ایسی چیزوں میں جائز ہے جو مثلی ہوں جنکے مختلف افراد میں باہم قابل لحاظ تفاوت نہ ہو جیسے ناپ کر اور تول کر خرید و فروخت ہونے والی چیزیں ہیں باقی ایسی چیزیں کہ انکے افراد میں خاصا تفاوت پایا جاتا ہے ان میں قرض کا لین دین جائز نہ ہو اس علت کا تقاضہ یہ ہے کہ روٹیوں میں بھی قرض کی اجازت نہ ہو مگر شریعت کی مصلحت عامہ یہ ہے کہ کوئی حرج اور دشواری کا باعث نہ بن جائے اس حکمت کی رعایت کرتے ہوئے متاخرین علماء کرام روٹیوں کی گن کر قرض اور لین دین کی اجازت دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ استحسان جدید اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے سلسلے میں ایک بہترین شریعت کا اصول ہے اسلیئے امام مالک رح کی رائے یہ ہے کہ استحسان دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ ہے امام محمد رح فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح کے اصحاب قیاس میں ان میں سے اختلاف کرتے تھے مگر جب وہ استحسان فرماتے تھے تو کسی کے ذہن کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی تھی۔ (1)

(1) تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۲۸۲ تا ص ۲۸۷
بحث و نظر مجاہد الاسلام ص ۷/ ۷۱۔
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی رح ص ۱۷۲۔

مصالح مرسلہ

فقہ کی تدوین میں مصالح مرسلہ سے بھی کافی تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے فقہاء کرام کی اصطلاح میں صرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل حل کرنے کا نام استصلاح یا مصالح مرسلہ کہا جاتا ہے مصالح مرسلہ کی سابقہ تعریف سے زیادہ اور واضح یہ تعریف کیگئی ہے

والمصالح المرسلة وهى اللتى لايشهد لها
اصل بالاعتبار فى الشرع ولا بالالغاء
وان كانت على سنن المصالح وتلقتها
العقول بالقبول ①

مصالح مرسلہ وہ ہیں کہ جن کے اعتبار کیلئے شریعت کی نہ کوئی اصل شہادت دے اور نہ انکے لغو کرنے کی کوئی شرعی شہادت ہو اگرچہ وہ (بحیثیت عمومی) مصالح کے طریقوں پر ہوں اور عقل انہیں قبول کرتی ہے

ایک مثال سے مصالح مرسلہ کی وضاحت اسلام اور کفر کی جنگ میں دشمن اگر مسلمان قیدیوں کو اپنی حفاظت کیلئے آڑ بناتا ہے اور بطور ڈھال کے انکو استعمال کرتا ہے اب یہ یقینی امر ہے کہ اگر ان مسلموں پر حملہ نہیں کیا گیا تو دشمن غالب آجائیگا اور دشمن کی پسپائی ناممکن ہوگی ایسے عالم میں باوجود اسکے کہ مسلم کا ناحق خون حرام ہے لیکن پھر بھی ان مسلمانوں کو تہ تیغ کرکے دشمن پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے اس صورت کا تعلق چونکہ عمومی مصلحت اور دین کی حفاظت سے ہے اسلیئے قتل مسلم کو جائز قرار دیا گیا

① الموافقات ج ۱ بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۹۲

مصالح مرسلہ کی اہمیت

شرعی احکام جسقدر بندوں کے حق میں وارد شدہ ہیں ان میں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانوں کیلئے جس صورت میں مصلحت ہو انسان کو اسی کا مکلف بنایا گیا ہے اگر انسان کے حق میں وہ مفید اور نافع ہے تو وہ مباح اور جائز ہے اور اگر اس میں مضرت اور نقصان کا پہلو ہے تو وہ نا جائز ہے

مختصر یہ کہ کوئی حکم انسان کی مصلحت کے خلاف نہیں تمام احکام شرعیہ میں انسان کیلئے مصلحت اور منافع موجود ہیں یہ الگ بات ہے کہ اسکا ادراک ہر شخص نہیں کر سکتا لیکن فی الحقیقت ہر حکم خداوندی میں انسان کیلئے نفع ہی نفع ہے شریعت مطہرہ کے اندر انسان کے مذہب ۔ جان ۔ مال نسل اور عقل ۔ غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسکی مصالح کی رعایت موجود ہے

بہر صورت انسان کی ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کا استنباط کرنا اسکو مصالحہ مرسلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے دراصل مصالح مرسلہ بھی اجتہاد کا ایک شعبہ ہے

شریعت مطہرہ کے اندر مصالح مرسلہ کا معتبر ہونا اس بات پر واضح ثبوت ہے کہ فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے

جمہور علماء کرام نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے

قال جمهور العلماء، بالایجاب فکل واقعة
لیس فیها نص ولا اجماع ولا قیاس ولا استحسان
وفیها مصلحة للناس یجوز للمجتهد ایجاد الحکم المناسب لتحقیق هذه المصلحة للناس ①

① المدخل ص ۲۰۲ بحوالہ مشکوٰۃ الانوار ص ۳۲ میر محمد کتب خانہ آرام باغ ۔

جمہور علماء کرام اسکے قائل ہیں لہذا ہر وہ مسئلہ جس میں کوئی نص، اجماع اور قیاس استحسان موجود نہیں اور اس میں لوگوں کی مصلحت کا تقاضہ ہے تو ایسی صورت میں مجتہد کیلئے جائز ہے کہ کوئی مناسب حکم نافذ کر دے چونکہ لوگوں کی مصلحت اس میں متحقق ہو چکی ہے

انسانی مصالح کے انواع

انسانی مصالح کو تین انواع پر تقسیم کی گئی ہے اور شارع نے انکے اعتبار سے احکام مشروع کئے ہیں

① نمبر: انسانی جان کی حفاظت جسکی بڑی ضرورت ہے چنانچہ شریعت نے قصاص کا حکم نافذ کیا ہے تاکہ اگر ایک قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائیگا تو باقی انسانیت اس سے عبرت حاصل کر کے ایسی جرأت نہیں کریگی اور اسی طرح سے ناحق انسانیت کا خون نہیں بہایا جائے گا

مال کی حفاظت یہ بھی ایک انسانی مصلحت اور ضرورت ہے اسکی حفاظت شریعت نے بایں طریقہ فرمائی کہ چور کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا کہ اگر ایک چور کے ہاتھ کو کاٹا جائے گا تو ان شاء اللہ ساری انسانیت اپنے مال و دولت محفوظ سمجھیگی اسی طرح انسان کی اہم ضرورتوں میں سے ایک عقل ہے جسکی وجہ سے انسان کو انسان شمار کیا جاتا ہے اور حیوانات سے ہٹ کر ایک الگ اشرف المخلوقات نوع قرار دیا جاتا ہے جسکے فقدان کی صورت میں انسان انسان ہی نہیں رہتا شریعت مطہرہ نے اسکی حفاظت بھی فرمائی اور شراب جسکی وجہ سے انسان بیہوش ہو کر اپنی عقل کو کھو بیٹھتا ہے اسکے پینے پر حد مقرر فرمادی

② نمبر: یہ بھی اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے انسان کی جزوی اور انفرادی مصالح کو اجتماعی اور عظیم مصالح کے بالمقابل نظر انداز کر دیا ہے اور اجتماعی مصالح کو ترجیح دی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر دوران لڑائی اور جہاد کفار میں سے اگر کوئی حربی امن اور سلامتی طلب کرتا ہے تو اسکے کہنے سے لڑائی بند نہیں کیجائیگی کیونکہ عظیم اور اجتماعی مصلحت تو یہ ہے کہ شہروں اور بستیوں کو کفار کے غلبہ سے آزاد کیا جائے لہذا اس مصلحت عامہ کے پیش نظر ایک انفرادی مصلحت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا

③ نمبر ۱ وہ مصالح جنکے لیئے کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو کہ جس سے معلوم ہوسکے کہ شریعت نے ان کا اعتبار کیا ہے یا نہیں یہ مصالح مرسلہ کہلاتے ہیں مجتہد کو اجازت ہے کہ انکے لیئے کوئی مناسب حکم صادر کریں جس میں انسانیت کا فائدہ ہو۔

خلاصہ اینکہ مصالح مرسلہ سے کام لینے کی زیادہ ضرورت اس شعبہ میں ہوتی ہے جسکا تعلق عمومی حیثیت سے معاشرہ کی فلاح و بہبود سے ہو مثلاً جدید تقاضے کے مطابق قوانین بنانا موقع ومحل کے لحاظ سے ان کے نفاذ کیلئے مختلف تدبیریں اختیار کرنا اور سزائیں مقرر کرنا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصالح مرسلہ کے پیش نظر ایسا حکم دینے کی گنجائش ہوتی ہے جو کتاب وسنت کے عام حکم کے خلاف ہو لیکن حقیقت میں انسانیت کیلئے اس میں ایک عظیم مصلحت ہوتی ہے ①

① تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں مشکوٰۃ الانوار شرح نور الانوار مولینا اسلام الحق ص ۳۱ تا ص ۳۳ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی
اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام حبیب اللہ ندوی ص ۲۳ تا ص ۳۷
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۱۹۲ تا ص ۱۹۸ قدیمی کتب خانہ کراچی

سَدّ الذرائع

الذرائع کا معنی ہے الوسائل یعنی ایسے وسائل اور ذرائع جو حرام اور فساد تک مفضی ہوں تو وہ وسائل اور ذرائع بھی ناجائز اور حرام ہونگے۔ لہذا ان وسائل اور ذرائع کا روکنا اور بند کرنا واجب اور ضروری ہوگا۔
اسی طرح وہ اسباب اور ذرائع جو امر مطلوب اور واجب تک پہنچائیں تو وہ وسائل اور اسباب بھی واجب اور مطلوب ہونگے۔ اہل اصول نے ایک اصول یہ بھی وضع کیا ہے کہ ہر ایسے سبب اور وسیلہ کی روک تھام کیجائے جس سے انسان ناجائز اور غیر مشروع امور میں مبتلی ہو جاتا ہو اس اصول کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اور صحابہ کرام کے عمل سے ہوتا ہے
چنانچہ قرآن کریم میں اللہ پاک نے اہل ایمان کو اہل کفر کے معبودوں کو گالی دینے سے منع فرمایا ہے کہ تمہارا یہ عمل چونکہ ایک امر حرام اور فساد تک مفضی ہوتا ہے اس لیئے ناجائز ہے اور وہ امر حرام اور فساد کیا ہے وہ یہ ہے کہ تم انکے معبودوں کو برا بھلا کہو گے تو وہ غصہ میں آکر تمہارے معبود برحق کو گالیاں دیں گے
اسلیئے ارشاد خداوندی ہے ہو

ولا تسبوا الذین یدعون
من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً
بغیر علم (سورۃ الانعام) آیت ۱۰۸

خدا کے سوا جنکی عبادت کافر کرتے ہیں تم انکو گالیاں مت دو پس وہ نتیجتاً اللہ کو اپنی ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے گالیاں دیں گے
اسیطرح مسلمانوں کو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو رَاعِنَا کہکر پکارنے سے منع کیاگیا اگرچہ مسلمان اس سے کوئی برا معنی مراد نہیں لیتے

مگر یہود کے ساتھ مشابہت ہے یا یہ کہ اگر تم
اس لفظ کو استعمال کرو گے تو تمہارے استعمال
کو جواز بنا کر یہود اسکو غلط طور پر استعمال کرینگے

(الذرائع) کا ثبوت حدیث شریف سے

حدیث شریف میں احتکار کی ممانعت ہے کیونکہ اس میں دیگر انسانوں پر تنگی اور دشواری ہوتی ہے لہذا اس تنگی اور دشواری کی روک تھام کیلئے احتکار کو ناجائز قرار دیا گیا
اسی طرح حدیث میں دائن کو مدیون سے ھدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے سد الذریعۃ الربا، تاکہ ربو میں مبتلا ہوجانے سے روک تھام ہوجائے
حضرات صحابہ کرام رض کے تعامل سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے
مثلاً شوہر اگر مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو حضرات صحابہ رض کرام وفات زوج کی صورت میں بیوی کو وارث بناتے ہیں بشرطیکہ وفات زوج عدت میں ہوئی ہو۔ یہ اسلیئے کیا صحابہ رض نے کہ زوجہ کو میراث سے محروم نہ کر دی جائے
بہر صورت سد الذرائع بھی ایک اصول ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات ائمہ کرام نے اسکو خوب اہمیت دی ہیں
کیونکہ احکام میں بکثرت اسکی ضرورت پیش آتی ہے (۱)

(۱) المدخل ص ۲۰۵ بحوالہ مشکوۃ الانوار ص ۳۳ تا ص ۳۴

عرف رواج

اسلامی فقہ کے مصادر اور موارد میں سے ایک عرف اور عادت الناس بھی ہے عرف اور عادۃ الناس کا بھی شریعت نے کافی حد تک اعتبار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے اور اس میں بڑی گنجائش ہے اور کسی قسم کی تنگ نظری اس میں نہیں ہے چنانچہ اہل اصول نے انسانوں کی عادت کو مستقل اصول کی حیثیت سے تسلیم کیا ہیں قرآن کریم نے اس اصول کی طرف اپنے الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے

خذ العفو وأمر بالمعروف وأعرض عن الجاهلين (الانفال ۲۴۷)

عفو و درگزر کو اختیار کیجئے معروف کا حکم دیجیئے اور جاہلوں سے اعراض کیجیئے علماء کرام نے معروف کی تفسیر بایں الفاظ فرمائی ہے

والمعروف ماحسنه الشرع والعقل ①

معروف وہ ہے جس کی شرع اور عقل تحسین کرے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے

ما راه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن وما راه المسلمون قبيحاً فهو عند الله قبيح ②

جس چیز کو مسلمان بہتر سمجھتے ہوں وہ اللہ کے ہاں بھی بہتر ہے اور جس عمل کو مسلمان برا اور قبیح سمجھتے ہوں تو وہ خدا کے ہاں بھی قبیح اور برا ہے

البتہ اس باب میں یہ ضروری ہے کہ صاحب الرأے دین کے فہم رکھنے والے حضرات اس کو مستحسن سمجھتے ہوں اور وہ عمل بنیادی اصولوں کے خلاف بھی نہ ہو اس قاعدہ اور ضابطہ کیساتھ فقہاء کرام نے تصریح کی ہیں

مشکوۃ الانوار ص ۳۰۶

الثابت بالعرف کالثابت بالنص

جو چیز عرف سے ثابت شدہ ہے گویا کہ وہ نص سے ثابت شدہ ہے
ان عبارات اور تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ عرف اور عادات الناس کا شریعت میں کیا مقام ہے اور شریعت نے انکو کہاں تک تسلیم کیا ہے
آپ صلے اللہ علیہ وسلم جب عرب کے قلب میں مبعوث ہوئے جہاں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد آباد تھی اور جن کا دعوای تھا کہ ہمارے پاس حضرت ابراھیم اور اسماعیل علیہما السلام کی شریعت ہے انکے اس دعوای کی نفس الامر میں کیا حقیقت تھی بس وہ چند ظاہری اعمال تھے اور وہ بھی مسخ شدہ حالت میں اور ایک ناقص نظام زندگی تھی جو کہ دوسری قوموں اور علاقوں سے بالکل جداگانہ تھا
آپ صلے اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو آپ نے ان بدلے ہوئے اعمال کی اصلاح فرمائی اور ان میں اہم تبدیلیاں کیں تاہم انکو بالکلیہ ختم نہیں فرمایا اور نہ کلی طور پر انکو تسلیم کیا بلکہ جو تحریفات ان لوگوں نے اس میں داخل کر دی تھیں اور انکے استعمال سے اس دین میں جو کجی آئی تھی انکی اصلاح فرمائی اور جو شریعت کے مطابق تھا اسکو برقرار رکھا
حضرت شاہ ولی اللہ رح نے ان رائج شدہ نظام امور کو مادہ تشریعیہ کا نام دیا ہے
چنانچہ حضرت فرماتے ہیں

و نہی عن الرسوم الفاسدۃ وامر بالصالحۃ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسوم فاسدہ سے منع فرمایا اور اچھی رسوم اور طریقے باقی رکھیں

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۲۴ بحوالہ مشکوٰۃ الانوار ص ۳۴

اسی صفحہ پر آگے چل کر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں

فبعث اللہ سیدنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم مقیماً لعوجہم ومصلحاً لفسادہم فنظر صلی اللہ علیہ وسلم فی شریعتہم فما کان منہا موافقا لمنہاج اسماعیل او من شعائر اللہ ابقاہ وما کان منہا تحریفا او فسادا او من شعائر الشرک والکفر ابطلہ

اللہ تعالیٰ نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی کجی کو درست کریں اور انکے فساد کی اصلاح کریں
لہذا آپ نے انکی شریعت پر نگاہ فرمائی پس جو طریقے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت کے موافق تھے یا خداوندی شعائر کے موافق تھے انکو باقی رکھا اور ان میں جو تحریف شدہ اور فساد زدہ تھے یا شعائر شرک اور کفر میں سے تھے انکو باطل کر دیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ مروجہ امور کو بالکلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل بھی نہیں کیا نہ بالکلیہ انکو تسلیم کیا بلکہ ایک حد تک انکا اعتبار کیا
مثلاً عرب میں دستور تھا کہ دیت کا وجوب عاقلہ پر ہے قانون اسلامی میں بھی یہی حکم ہے عقد مضاربت وغیرہ زمانہ جاہلیت میں رائج تھے آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی باقی رکھا کاریگر سے کوئی شئ تیار کرنا جسکو حضرات فقہاء کرام نے بھی تسلیم کیا ہیں حالانکہ مجہول شئ کی بیع کرنا لازم آتا ہے
یہ ساری مثالیں اس پر واضح ثبوت ہے کہ عادات الناس کا بھی شریعت میں اعتبار ہے

عرف یا عادۃ الناس کی تعریف

علماء اصول نے یہ تعریف فرمائی ہے

عادۃ جمہور قوم فی قول او عمل ۔ ①

عامۃ الناس کے قول یا عمل کو عرف کہا جاتا ہے

عرف کا دوسرا نام تعامل بھی ہے

التعامل ھو عادۃ الناس فی المعاملات
من البیع والشراء وغیرھما ۔ ②

خرید وفروخت ودیگر معاملات میں لوگوں کی عادت کا نام تعامل ہے۔

حاصل یہ کہ عادات وہ امور ہیں جو کہ طبائع سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں جو کہ بار بار کئے جانے سے انسانوں کے نفوس میں مستحکم ہو جائیں

عرف اور عادات ہر دو حکم کے اعتبار سے ایک ہیں

① حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ
مشکوۃ الانوار ص ۳۲

② // // //

عرف کے معتبر ہونے کے شرائط

حضرات فقہاء کرام نے اس بات کی بھی تصریح فرمادی ہیں کہ عرف اور عادت علی الاطلاق معتبر نہیں بلکہ ان میں حسب ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے

نمبر ۱ وہ عرف کسی نص صریح کے خلاف نہ ہو
نمبر ۲ وہ عادت اور رواج عام ہو خاص نہ ہو لہذا خاص قسم کے دستور اور رواج کے ذریعہ کوئی حکم نافذ نہ ہوگا جیسا کہ کوئی رواج صرف ایک شہر تک محدود ہو یا ایک علاقہ کے مخصوص لوگ اسکے پابند ہوں۔ لھذا جو عرف عمومیت پر مشتمل ہو وہ صحیح ہوگا۔ اور جو اسکے خلاف ہوگا اسے عرفِ فاسدہ سے تعبیر کیا جائے گا اس وضاحت کے بعد اس طرح کے عرف خارج ہوں گے باوجودیکہ بکثرت انسان اس پر عمل کرتے ہوں مگر چونکہ وہ منکرات میں داخل ہیں اس وجہ سے ان کا کوئی اعتبار نہیں۔
چنانچہ صاحب المدخل فرماتے ہیں

لاخلاف بین الفقہاء ان العرف الفاسد
لا اعتبار لہ لان العرف الفاسد اتباع الھوی
والاخذ بالھوی یفسد الشریعۃ قال اللّٰہ تعٰ
ولو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السمٰوات
والارض ومن فیھن (۱)

اس میں فقہاء کرام میں سے کسی کا اختلاف نہیں کہ عرف فاسدہ کا کوئی اعتبار نہیں

(۱) المدخل صـ ۲۰۵ بحوالہ مشکوٰۃ الانوار شرح نورالانوار صـ ۳۷

اس لیئے کہ عرف فاسد خواہشات نفسانی کے تابع ہونے کا نام ہے اور خواہشات پر چلنا شریعت کو بگاڑ دیتا ہے۔
اس لیئے اللہ تعالی فرماتے ہیں اگر دین انکی خواہشات کا تابع بن جائے تو آسمان وزمین اور ان میں رہنے والی مخلوقات میں بگاڑ پیدا ہو جائیگا جن لوگوں نے عرف کی مخالفت کی ہے یہی کہا جائے گا کہ عرف سے انکی مراد عرف فاسدہ ہے ورنہ عرف قدیم جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی تھا جیسا کہ استصناع کا عمل ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے عرف کے معتبر ہونے کے شرائط اور مزید وضاحت مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں (۱)

(۱) بحث ونظر قاضی مجاهد الاسلام ص۳۰ تا ص۳۲ شمارہ نمبر ۱۲ ۱۴۱۱ھ
مقالات الکوثریہ محمد زاهد الکوثری ص۲۵۸ طبع ایچ ایم سعید کراچی
وهکذا قوله العرف لا یغیر الاحکام ص۹۳
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص۲۲۳ تا ص۲۳۱
مشکوٰۃ الانوار ص۲۴ /۳۵ /۳۶ طبع میر محمد کتب خانہ کراچی۔

مسلمہ شخصیتوں کی رائیں

اسلامی فقہ کے مصادر میں سے ایک مسلم شخصیتوں کی رائے بھی ہے
اسکے مصداق اقوال۔ فتاویٰ۔ ثالثی۔ عدالتی فیصلے سرکاری وغیر سرکاری ہدایتیں سب داخل ہیں مگر مرکزی حیثیت صحابہ کرام کے فیصلوں کو حاصل ہوگی

اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ (۱)
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جسکی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔
اسلئے فقہاء کرام کو دیکھیں گے کہ انھوں نے صحابہ کرام کے آراء کو مستند ثابت کرنے کے لئے کس قدر زور دیا ہے چنانچہ صاحب التوضیح عبیداللہ بن مسعود فرماتے ہیں

لان اكثر اقوالهم مسموع بحضرة الرسالة وان اجتهدوا فرأيهم أصوب لانهم شاهدوا موارد النصوص ولتقدمهم في الدين وبركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم وكونهم في خير القرون (۲)
ان کے اکثر اقوال زبان رسالت سے سنے ہوئے ہیں اور اگر وہ اجتہاد بھی کریں تو انکی رائے زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ انہوں نے نصوص کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے
نیز دین میں انہیں تقدم حاصل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے ہیں اس طرح ان کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔

صاحب نور الانوار فرماتے ہیں لانهم شاهدوا احوال التنزيل واسرار الشريعة (۳)
صحابہ کرام نے قرآن مجید کے نزول اور اسرار شریعت کا مشاہدہ کیا ہیں صحابہ کرام ان وجوہات کی بناء پر اگر اپنی رائے سے کوئی بات کہتے تب بھی وہ دوسروں کے مقابلہ میں بدرجہا فضیلت اور برتری کے مستحق ہوتے۔

---

(۱) رواہ رزین بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی قدیمی کتب خانہ کراچی
(۲) توضیح عبداللہ بن مسعود صدر الشریعۃ الاصغر ص ۴۹۳ فصل فی تقلید الصحابی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
(۳) نور الانوار ص ۲۱۷ فصل فی تقلید الصحابی دیوبند

فقہاء کرام نے صحابہ کرام سے استفادہ علوم میں ان کے علم وفضل اور تقویٰ طہارت کے اعتبار سے مراتب قائم کئے ہیں نیز ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور قانونی امور میں ان کی خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا ہے

ظاہر ہے کہ سب انسان یکساں نہیں ہوتے اسلئے صحابہ کرام بھی یکساں نہیں ان کے علم وفضل تقویٰ طہارت ہر اعتبار سے اُن میں بھی فرق ہے

صحابہ کرام کے اقوال کے بارے میں فقہاء کرام کی رائے یہ ہیں

قول الصحابی فیما یمکن فیہ الرأی یلحق بالسنۃ لغیرہ (۱) صحابی کا وہ قول بھی جس میں قیاس اور رائے کی گنجائش ہو غیر صحابی کے لئے سنت کے حکم میں ہوگا اس پر دلیل حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

میری سنت اور میرے صحابہ کی سنت کو لازم پکڑو صحابہ کرام کے جن اقوال میں قیاس کی گنجائش نہیں تو اس میں ان کی اتباع واجب ہے اور جو قول مدرک بالقیاس ہو ان میں قیاس کی گنجائش ہے چونکہ صحابہ کرام کے اقوال میں اختلاف موجود ہے اسلئے امام شافعیؒ ان کی تقلید کو واجب نہیں کہتے

پھر یہ بھی واضح رہے کہ آئمہ کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ کسی مسئلہ میں عموم البلویٰ نہ ہو لیکن اگر کسی مسئلہ میں ابتلاء عام ہو اور صحابہ کرام کے اقوال اس کے خلاف ہوں تو ان کو قبول کرنا ضروری نہ ہوگا

چنانچہ صاحب التوضیح فرماتے ہے لایقبل فیہ السنۃ فلا یقبل ہو ما یقبل بشبھہ (۲) ایسی حالت (ابتلاء عام) میں سنت قبول نہیں کی جاتی ہے لہذا جو چیز سنت کی مشابہت کی وجہ سے قبول کی جاتی اسکو تو ایسی حالت میں بطریقہ اولیٰ قبول نہیں کیا جائیگا۔

---

(۱) شرح مسلم ص ۱/۳۴۳ بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۲۱
(۲) توضیح صدر الشریعۃ الاصغر عبید اللہ ص ۲/۴۹۳ فصل فی تقلید الصحابی طبع کوئٹہ پاکستان

صحابہ کرام رض کے بعد تابعین کا زمانہ ہے انکی بھلائی اور نیک ہونے کی قرآن کریم نے والذین اتبعوھم باحسانٍ جن لوگوں نے صحابہ کا اتباع خلوص کے ساتھ کیا ہو سے گواہی دی ہے

فقہاء کرام نے تابعین کے اقوال سے بھی استفادہ کیا ہیں لیکن صحابہ کرام کے اقوال کے مقابلے میں تابعین کے اقوال میں فقہاء نے زیادہ وسعت سے کام لیا ہیں

چنانچہ وقت اور ضرورت کے پیش نظر تابعین کے اقوال کے مقابلہ میں فقہاء کرام سے ھُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ جیسے ہم ہیں ویسے وہ تھے قسم کے اقوال بھی مروی ہیں

بہرحال مسائلِ جدیدہ کے حل میں مسلمہ شخصیتوں کے آراء وافکار اور ان کے مشاورت سے بھی کافی استفادہ کیا جاسکتا ہے

پھر یہ کہ عظیم شخصیتیں اگر دیانتدار اور خدا ترس اور مزاج دین سے واقفیت رکھنے والے ہوں تو کسی مسئلہ جدیدہ میں ان کی رائے کو نظر انداز کرنا یقیناً بہت بڑی ناانصافی ہوگی (۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی" ص ۲۲۰ تا ص ۲۲۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

ملکی قانون

اسلامی فقہ کے مصادر میں سے ایک ملکی قانون ہے فقہ کی جدید تدوین میں ملکی قانون سے بھی استفادہ کرنے کی شرعاً اجازت ہے مگر اس سے استفادہ کیلئے بھی شرعی حدود مقرر ہیں اور اسکے اثبات اور ثبوت میں وہ سارے دلائل اور شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں جو عرف و رواج کے باب میں گزر گئے ہیں۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب عرب میں مبعوث ہوئے تو انکے بہت سے قوانین اور عادات جو بالکل عقل سلیم کے مخالف اور انکے اپنے ایجاد کردہ تھے قرآن و سنت سے انکی کسی طرح بھی تائید نہیں ہوتی تھی انکو مٹایا اور بعض اس قسم کے تھے کہ معمولی ترمیم اور اصلاح کی ان میں ضرورت تھی انکی اس طرح اصلاح فرمائی اور بعض عادات انکے ایسے تھے کہ بالکل ٹھیک تھے انکو برقرار رکھا اور انکی تصویب فرمائی

جیسے کہ عرب میں رواج تھا کہ مدعی سے ثبوت دعویٰ کیلئے گواہ طلب کئے جائینگے اور اسکے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ پر قسم آئے گی اور یہی قانون شریعت کا بھی ہے

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر.

یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کی تصویب فرمائی

(۲) نکاح کے غلط طریقوں سے صحیح طریقوں کی تصویب فرمائی

(۳) تملیک جائداد کی صورتوں میں سے بیع۔ ہبہ۔ رہن اجارہ انکو قایم رکھا گیا۔

(۴) بیع صرف۔ بیع سلم۔ مرابحہ تولیہ کی ناجائز صورتوں کو ختم کرکے صحیح صورتوں کو برقرار رکھا گیا

(۵) زمین کو مزارعت پر دینے کا رواج تھا اسکو بھی شریعت نے لے لیا

(۶) وصیت کا دستور تھا

⑥ معاملات کے تصفیہ اور قوانین کے نفاذ کی مختلف صورتیں رائج تھیں
ان سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا

آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کو جن قوموں سے سابقہ پڑا اور جن ملکوں میں انکا جانا ہوا انہوں نے بھی انکے اچھے قوانین کو قبول کیا اور بعد میں وہ سب اسلامی فقہ کا جز ہے

واقرا اهلها فيها على ملكهم وشرائعهم ①

اور ان ملکوں کے باشندوں کو اپنے اپنے مذاہب اور قوانین پر برقرار رکھا گیا:
اسی طرح حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں سب سے زیادہ فتوحات حاصل ہوئیں آپؓ کے دور حکومت کا ہم اگر جائزہ لیتے ہیں تو وہاں بھی یہاں یہی بات ملتی ہے کہ آپؓ نے بھی مفتوحہ ممالک کے بہت سے قوانین باقی رکھے:
اسکے علاوہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُومِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا ۔ ① ترمذی ج ۲

اچھی اور عمدہ بات مؤمن کا گم شدہ مال ہے جہاں بھی اسکو پائے اسکو لینے کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث میں الکلمۃ الحکمۃ عام ہے اس میں اچھی باتیں اور اچھی چیزیں سب داخل ہے خلاصہ ایسکہ اگر ملکی قانون پر عمل کرنے سے کسی اسلامی کلیہ پر زد نہ پڑتی ہو تو اسکے لینے میں مضائقہ نہیں

لیکن اس سے یہ بھی نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ اسلامی فقہ تمام تر یا اکثر غیر ملکی قوانین سے ماخوذ ہے۔ یہ بالکل غلط ہے سوائے قیاس اور اٹکل کے اس پر کوئی دلیل نہیں ②
اسلیئے کہ اسلامی قوانین میں سے چند اگر دوسرے ملکوں کے قوانین کیساتھ متفق ہوگئے تو یہ کہنا سارا اسلام غیر ملکی قوانین کا مجموعہ ہے یہ قطعاً درست نہ ہوگا

① کتاب الأموال ص ۱۰۱، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر
② فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر محمد تقی امینی ص ۲۲۵

فقہی اصول اور کلیات

ویسے تو فقہ اسلامی کے بے شمار قواعد اور ضوابط ہیں جن پر فقہ اسلامی کی بنا قائم ہے یہاں پر ان سب کو نہ بیان کرنا مقصود ہے اور نہ یہ چیز ہمارے بس کی بات ہے البتہ یہاں پر چند ایسے اصول اور کلیات بیان کئے جاتے ہیں جن سے جدید مسائل کے حل میں کافی مدد ملتی ہے۔

① المشقة تجلب التيسير۔ ① دشواری سہولت لاتی ہے

② الحرج مرفوع۔ حرج اٹھا دیا گیا ہے

③ الضرر يزال۔ تکلیف اور ضرر دور کی جانی چاہئے۔

④ الاصل في الاشياء الاباحة، ہر چیز میں اصل اباحت ہے

⑤ الضرر يدفع بقدر الامكان، حتی المقدور تکلیف دور کی جائیگی

⑥ الضرورات تبيح المحظورات۔ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہیں

⑦ ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها۔ جو چیزیں ضرورت کی وجہ سے مباح ہوں گی اسی مقدار سے اسکا اندازہ ہوگا

⑧ ما جاز بعذر بطل بزواله۔ جو شئی عذر کیوجہ سے جائز ہے عذر کے زوال کے بعد جواز ختم ہو جائیگا۔

⑨ يتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام۔ عام ضرر سے بچنے کیلئے ضرر خاص کو برداشت کیا جائیگا

⑩ اعظم ضررا يزال بالاخف بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان سے دور کیا جائیگا

① مشکوٰۃ الانوار ص۳۰ میر محمد کتب خانہ کراچی

اجتہاد اور تبدیلی احکام حبیب اللہ ندوی ص۲۸ طبع مرکز تحقیق نسبت روڈ لاہور فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص۲۳۸۔

⑪ اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما جب دو خرابیاں ٹکرا جائیں تو بڑی خرابی سے بچنے کیلئے چھوٹی کا ارتکاب کرلیا جائے

⑫ درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح
مفاسد کا دور کرنا اولیٰ ہے مصالح کے حاصل کرنے سے

⑬ اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع
جب مانع اور مقتضی جمع ہوجائیں تو مانع کو مقدم کیا جائے گا۔

⑭ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام
جب حلال و حرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غلبہ ہوگا۔

⑮ الامور بمقاصدھا
کاموں کا اعتبار انکے مقاصد کے لحاظ سے کیا جائے

⑯ الیقین لایزول بالشک
یقین شک سے زائل نہیں ہوگا (۱)

مذکورہ تمام اصولوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ضرورت اور مصلحت کے وقت ان محرمات کو بھی حلال قرار دیا جاسکتا ہے جنکو کتاب و سنت میں حرام قرار دیا گیا ہے مگر ان اصولوں میں سے ہر ایک کے استعمال کیلئے ایک موقع اور محل ہے جنکو فقہائے کرام نے بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہیں اور ان قواعد پر ہزاروں تفریعات بھی بیان فرمائی ہے جنکے تتبع اور جستجو کی صورت میں انسان گمراہی سے بچ سکتا ہے اور نئے پیش آمدہ مسائل کا حل اُن سے بآسانی ہوسکتا ہے

(۱) مشکوٰۃ الانوار ص ۴۷ میر محمد کتب خانہ کراچی

احکام فقہیہ میں سہولت کے اسباب

جیسا کہ اصول وکلیات کی بحث میں یہ قاعدہ گزرا ہے کہ مشقت سہولت کو پیدا کرتی ہے
دراصل یہ قاعدہ قرآن کی آیت
یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر، سے ماخوذ ہے اللہ تم تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔
چنانچہ فقہائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ازالہ احکام کیلئے نہیں بلکہ اتباع احکام میں سہولت اور آسانی پیدا کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے چونکہ شریعت میں انسان کی طبعی وتمدنی ضرورتوں کے پیش نظر جو سہولتیں دی گئی ہیں انہی سہولتوں کے اظہار کیلئے فقہاء کرام نے یہ اصول وضع کئے ہیں اور کتاب وسنت کا تتبع کر کے لکھے ہیں کہ سات اسباب کی بناء پر احکام کی بجا آوری میں سہولتیں دی گئی ہیں

نمبر ① سفر:- سفر میں احکام کی بجا آوری میں جو سہولت دی گئی ہے۔ اسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سفر لمبا ہو جسکی وجہ سے نماز میں قصر کرنے، ترکِ جماعت اور روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے
دوسری یہ کہ سفر کم ہو لیکن پر مشقت ہو تو اس صورت میں صرف ترکِ جماعت کی اجازت دی گئی ہے۔

نمبر ② مرض:- مرض میں بھی بعض احکام مؤخر کیے گئے ہیں اور بعض ممنوع چیزوں کی ضرورت کی حد تک استعمال کی اجازت ہے جیسے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو تو لیٹ کر پڑھ سکتا ہے وضو کے بجائے تیمم کر سکتا ہے۔ اس طرح شراب جان بچانے کیلئے دواءً استعمال کر سکتا ہے اور ضرورت کے وقت طبیب کے سامنے شرمگاہ کھولنے کی اجازت ہے

نمبر ③ اکراہ :- جب جان و مال یا عزت و آبرو کو خطرہ لاحق ہو تو ایسی مجبوری معتبر ہے قتل کی دھمکی دیکر جھوٹ بلوا لیا جائے یا کوئی حرام فعل کرایا جائے تو شرعاً قابل ملامتی نہیں ہوگا

نمبر ④ نسیان :- اسی طرح اگر بھول کر غلط کام کر بیٹھے جیسے روزے میں بھول کر پانی پی لے کسی دوسرے کی چیز غلطی سے اپنی سمجھ کر استعمال کرے تو اس پر ملامت نہیں کیجا ئیگی

لیکن نسیان کی بعض صورتوں میں کفارہ لازم آتا ہے۔ جیسے بھول کر احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہن لے تو بدلہ میں ایک قربانی کرنا پڑیگی

نمبر ⑤ جہل :- شریعت میں اس جہالت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے جسکے دور کرنے کی کوشش ہو رہی ہو مثلاً کسی کو نماز کے افعال اور دعاؤں کا علم نہ ہو نہ ارکان کی ادائیگی کا سلیقہ ہو تو دوسرے نمازیوں کیساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو اور لوگوں سے پوچھکر نماز کی دعائیں بھی یاد کرتا ہے تو اسکو قانوناً نماز ہی شمار کیا جائیگا اسی طرح بعض محققین کے نزدیک اگر کسی کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے تو قیامت میں باز پرس کیلئے ان کا یہ جہل اور عدم علم قابل قبول ہوگا

نمبر ⑥ عام ابتلاء :- یعنی وہ ناجائز چیزیں جن سے آدمی آدمی بالکل بچ ہی نہ سکتا ہو جیسے عموماً گلیوں، سڑکوں وغیرہ پر جانوروں کا پاخانہ اور پیشاب پڑا رہتا ہے اور بارش میں چھینٹوں کیوجہ سے آدمی کے کپڑے خراب ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر نماز پڑھ لیں تو درست ہوگی ہاں البتہ اگر چوتھائی سے زیادہ کپڑا خراب ہو گیا تو پھر کپڑے تبدیل کرنے پڑینگے۔

اسی طرح اگر غیر محرم پر اچانک نظر پڑجائے تو یہ پہلی اچانک نظر معاف ہے کیونکہ اسمیں وہ بالکل بے بس ہے۔

آجکل تو عریانی اتنی عام ہے کہ بچنا مشکل ہو جاتا ہے اسکے علاوہ جگہ جگہ میوزک اور ریکارڈنگ کی آوازیں

پڑتی ہیں اور جب تک مکمل طور پر کان بند نہ کئے جائے تو سماعت سے محفوظ رہنا مشکل ہوتا ہے

نمبر ⑦ نقص :۔ اسی طرح اگر کسی میں فطری یا طبعی کمی ہو جسکی وجہ سے حکم شرعی کی تکمیل میں معذور ہو تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا ۔

مثلاً پاگل، بچے، مجبور یا مسافروں اور عورتوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے وغیرہ ۔

الغرض :۔ شرعی احکام کی بجا آوری میں انسان کو جو طبعی یا تمدنی عوارض پیش آجاتے ہیں تو شریعت میں انکی رعایتیں موجود ہیں

یہاں تک ان امور کا ذکر تھا جن کی مدد سے جدید مسائل کو بآسانی حل کیا جاسکتا ہے ہم اس مقدمہ کو زیادہ طوالت دینا نہیں چاہتے اب ہم اُن جدید مسائل کا ذکر کرتے ہیں جنکا حل علماء کرام نے مذکورہ قواعد اور ضوابط کی روشنی میں پیش کر چکے ہیں مقصود استقصاء اور احاطہ تمام مسائل کا نہیں بلکہ ہر باب کے ضروری اور اہم مسائل کا ذکر کرینگے جنکی ضرورت ہمیں ہماری آجکی زندگی کے ہر موڑ پر پڑتی ہے

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

پہلا باب

پاکی و ناپاکی کے جدید مسائل

پاکی و ناپاکی

مغربی طرز کے پیشاب خانے اور بیت الخلاء

آج کل پیشاب خانے اور بیت الخلاء اس قسم کے بنائے جاتے ہیں جنھیں بیٹھکر سنت طریقہ پر قضائے حاجت کرنا بہر صورت مشکل اور دشوار ہے مجبوراً انسان کو کھڑے ہو کر اپنی حاجت کی تکمیل کرنی پڑتی ہے۔ جہاں تک مسئلہ کا شرعی تعلق ہے تو علماء کرام نے یہ موقف اختیار کیا ہے یہ طریقہ عام حالات میں فطرت انسانی کے خلاف ہے بہائم اور جانوروں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ من حدثکم أنّ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کانَ یبُولُ قَائماً فَلَا تُصَدِّقُوہُ، مَا کانَ یبُولُ إلّا قاعداً (۱)
جو شخص آپ سے یہ بیان کرے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا کرتے تھے اسکی ہرگز تصدیق نہ کرو آپ صلے اللہ علیہ وسلم تو بیٹھ کر کے پیشاب فرمایا کرتے تھے۔

بہر حال مسئلہ فقہیہ بھی یہی ہے کہ عام حالات میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، الا یہ کہ کوئی عذر شرعی لاحق ہو تو اور بات ہے، (۲)

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ثبوت ہے یقیناً اسکو عام حالات میں ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قال اتی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائماً ثم دعا بماء فسح علی خفیہ (۳)

(۱) ترمذی شریف ج ۱ ص ۹، باب النہی عن البول قائماً طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
(۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۷، مولانا خالد سیف اللہ
(۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۳، باب البول قائماً، ایچ ایم سعید کراچی

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑے پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔
اس حدیث کے محدثین نے کئی جوابات دیئے ہیں
ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں میں تکلیف تھی بیٹھ نہیں سکتے تھے۔
دوئم: گھٹنوں اور کمر دنوں میں درد تھا اور یہ طریقہ ان دردوں کیلئے مفید خیال کیا جاتا تھا۔

سوئم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے تھے بیٹھنے پر قدرت نہ تھی۔
چہارم: بیٹھکر پیشاب کرنے میں کپڑوں کے نجس ہونے کا خطرہ تھا، بہرحال بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شرعاً ممنوع ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو عذر پر محمول کیا گیا ہے (۱) اور ظاہر ہے کہ کسی بھی عذر شرعی کو یا کسی خاص واقعہ کو قانون اور ضابطہ کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے

چنانچہ علامہ انورشاہ کاشمیری فرماتے ہیں، لَيْسَ الْوَقَائِعُ فِي شَرَائِعِهِ كَمِثْلِ أُصُوْلِهِ (۲)
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات خاصہ کی حیثیت اصول کی نہیں ہے، یقیناً یہ طریقہ اگر امت کیلئے جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع نہ فرماتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، یا عمر لا تبل قائماً فما بلت قائماً بعدُ یعنی اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو تو اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر کبھی بھی نہیں کیا (۳)

معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہیں تھی بلکہ عذر کی بناء پر تھا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے ویکرہ ان یبول قائماً، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

(۱) احسن الفتاویٰ مفتی رشید احمد، ایچ ایم سعید ص، ۵۱۵، ج ۱، و شرح نووی علی مسلم، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ص ۱۳۲، ج ۱، باب المسح علی الخفین

(۲) العرف الشذی علی الترمذی، ص، ۹، ج ۱، باب النہی عن البول قائماً، علامہ انور شاہ کاشمیری، ایچ ایم سعید کراچی

(۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۳۴۳، ج ۱، مفتی عزیز الرحمٰن، مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان۔

اور اس سے آگے چل کر ایک جزئیہ لکھا ہے اذا اراد ان یبول وکانت الارض صلبۃ دقھا بحجر او حفر حفیرۃ حتی لایترشش علیہ البول ١

یعنی اگر کوئی پیشاب کرنا چاہتا ہو اور زمین سخت ہو کپڑوں پر چھینٹیں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس زمین کو کسی پتھر سے توڑ دے، یا چھوٹا سا گڑھا کھود دے تاکہ پیشاب بہہ نہ جائے اور کپڑے خراب نہ ہوں ان عبارات سے بالکل واضح ہو گیا کہ عام حالات میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت ہوتی تو فقہاء اسکو مکروہ کیوں لکھتے اور پھر یہ طریقے کس لئے بتاتے کہ زمین کو توڑا جائے یا گھڑھا کھودا جائے یہاں پر کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہیئے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی صورت میں چونکہ کپڑوں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اسلیئے فقہاء کرام نے اسکو ممنوع لکھا ہے لیکن زیر بحث مسئلہ میں مغربی طرز کے بیت الخلاؤں میں اگر کھڑے ہو کر پیشاب کیا جائے تو کپڑوں کے خراب ہونے کا اندیشہ نہیں ہے لہذا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت ملنی چاہیئے مگر یہ اشکال کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اسلیئے کہ حدیث میں جو ممانعت ہے وہ مطلق ہے اسکا مدار اور موقوف علیہ کپڑوں کے خراب ہونے پر صرف منحصر نہیں

مزید بر آں یہ کہ چونکہ مغربی تہذیب ہے اس لئے مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے

یہ تو ایک قانونی اور فقہی بحث تھی لیکن شریعت سے ہٹکر اگر فطری اعتبار سے دیکھا جائے تب بھی یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے، بہائم اور حیوانات کیساتھ مشابہت ہے۔ انسانی وقار کے بھی خلاف ہے طبی اور طبعی ہر لحاظ سے مضر ہے۔ (٢)

(١) فتاوی ہندیہ ص ٥٠ ج ١، الفصل الثالث فی الاستنجاء۔ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

(٢) جدید فقہی مسائل ص ٢٧ ج ١ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اردو بازار لاہور

جاذب کاغذ سے استنجا، وغیرہ

آجکل یہ بھی عام رواج ہے کہ رڈی کاغذات اردو انگریزی اخباروں سے نجاستیں صاف کیجاتی ہیں بہت لاعلم لوگ توان سے استنجا، تک کا کام بھی لیتے ہیں شرعی نقطہ نگاہ سے چونکہ کاغذ حصول علم کا ایک آلہ ہے چاہئے وہ سفید اور صاف کاغذ ہو یا اسپر کچھ لکھا ہوا ہو پھر اچھی باتیں لکھی ہوئی ہوں یا بری باتیں۔ بہرحال وہ قابل احترام ہے استنجا، میں اسکو استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

علما، کرام نے اسکو مکروہ تحریمی لکھا ہے، چنانچہ صاحب احسن الفتاوی نے بحوالہ رد المحتار نقل کیا ہے وکذا ورق الکتابۃ لصقالتہ وتقومہ ولہ احترام ایضاً لکونہ آلۃ لکتابۃ العلم (۱)

یعنی کتابت کے قابل کسی بھی کاغذ سے استنجا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے اسلیئے کہ وہ چکنا ہوتا ہے جس سے نجاست کے پھیل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بوجہ اسکی قیمتی ہونے کے چونکہ یہ علم کی کتابت کا ذریعہ ہے اسلیئے بھی قابل احترام ہے معلوم ہوا کہ جس کاغذ میں کتابت کی صلاحیت ہو اس سے استنجا، جائز نہیں ہے۔ بعض بزرگوں نے اگرچہ یہ کہا ہیکہ کاغذ پر فلسفی یا منطقی باتیں اگر لکھی ہوئی ہوں تو اس سے استنجا، جائز ہے جیساکہ ملا علی قاری فرماتے ہیں" والکاغذ ان کان بیاضاً فھو محترم الا اذا کانت علیہ المنطق ولم یکن فیہ ذکر اللہ فیجوز بہ الاستنجا، (۲)

یعنی کاغذ اگر سفید ہو تو وہ قابل احترام ہے الا یہ کہ اس پر منطقی باتیں لکھی ہوئی ہوں اور

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد۔ ایچ ایم سعید ص ۱۰۸ ج ۲، وجدید فقہی مسائل ص ۲۸ ج ۱ مولانا سیف اللہ خالد

(۲) مشکوۃ شریف ص ۴۲ ج ۱ حاشیہ نمبر ۱۲، نقلاً عن المرقاۃ، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

اللہ کا نام اسمیں نہ ہو تو اس کاغذ سے استنجاء جائز ہے۔

علامہ شامی نے شوافع سے نقل کیا ہے اما غیر المحترم کفلسفۃ و توراۃ وانجیل علم تبدلھما و خلوھما عن اسم معظم فیجوز الاستنجاء بہ (۱)

یعنی غیر محترم کاغذ جس پر فلسفہ کی باتیں لکھی ہوئی ہوں یا توراۃ اور انجیل میں سے کچھ لکھا ہوا ہو اور یہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ باتیں ان میں سے تحریف شدہ ہیں اور ان میں کوئی مبارک اور معظم نام بھی لکھا ہوا نہ ہو تو ایسے کاغذ سے استنجاء جائز ہے۔ ان حوالوں سے کوئی شخص یہ اخذ کرلے کہ اخبارات اور ڈائجسٹ وغیرہ میں عام طور پر ایسی باتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں جو کہ فلسفہ اور منطق سے بھی زیادہ خراب ہوتی ہیں جب منطق اور فلسفہ والے اوراق سے استنجاء جائز ہوا تو اس قسم کے اخبارات اور ڈائجسٹ وغیرہ سے بطریقہ اولی جائز ہونا چاہیئے۔ لیکن اس قسم کا نتیجہ ان بزرگان دین کے اقوال سے اخذ کرلینا قطعاً درست نہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی اس بات کو ہرگز جائز اور درست قرار نہ دیتا ہوگا۔ باقی یہ انہوں نے اسلیئے لکھا کہ یونان سے جب علم منطق کو نقل کیا گیا تو بعض مسلمانوں نے اسکو اپنے شب و روز کا مشغلہ بنا رکھا تھا اور اس میں ایسے منہمک ہوگئے کہ قرآن و سنت کو نظر انداز کرنے لگے ایسے موقعہ پر علماء کرام نے شدت سے کام لیتے ہوئے یہ الفاظ کہے اور اس علم کی قباحت بڑے زور شور سے بیان کرنے لگے تاکہ مسلمان قوم اپنے اس توغل وانہماک سے باز آجائیں اور اسکے بجائے قرآن وسنت کو اپنا مشغلہ بنائیں جن پر سعادت دارین موقوف ہے اس موقعہ پر علماء کرام نے منطق سے نفرت دلاتے ہوئے یہ کہا کہ منطق اور فلسفہ ایسے قبیح علوم ہیں کہ کاغذ محترم پر اگر لکھے ہوئے ہوں تو اسکے احترام کو ختم کردیتے ہیں۔

(۱) ردالمحتار، ص ۲۵۰ ج ۱، فصل الاستنجاء، مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

اور وہ شئی محترم اتنا قبیح بن جاتا ہے کہ قابل استنجاء قرار پاتا ہے پس جس علم کا یہ حال ہو مسلمان اسکو اپنے شب وروز کا کیوں مشغلہ بنائیں اسی غرض کے پیش نظر علماء کرام نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ ورنہ فی نفسہ ہر عقلمند شخص جانتا ہیکہ جس کاغذ پر کوئی بھی حرف لکھا ہوا ہو اس سے استنجاء ناجائز ہے اسلیے کہ اسمیں اکو علم کی توہین ہے ایسے عالم میں آئمہ کبار پر ہم کسطرح بدگمانی کریں اور یہ کہیں کہ انہوں نے اسکو جائز قرار دیا ہے جبکہ اسکا تصور کسی عام آدمی سے بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال مسئلہ بالکل واضح ہیکہ کاغذ چاہے سفید ہو کر اسمیں کتابت کی صلاحیت ہو یا اس پر کچھ لکھا ہوا ہو اس سے استنجاء جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے قُلْتُ لکن نقلوا عندنا أنّ للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ ١

یعنی ہم لوگ حروف کو اگرچہ وہ حروف مقطعات (حروف، ہجے) ہوں بھی قابل احترام سمجھتے ہیں ہاں وہ کاغذ جسکو اسی مقصد کیلئے وضع کیا گیا ہے اور بنایا گیا ہے اگرچہ اسکو بھی کاغذ ہی کہتے ہیں لیکن وہ کاغذ نہیں جیسا کہ آجکل ٹیشو پیپر جسکو ٹائلٹ پیپر بھی کہتے ہیں جو کہ جاذب بھی ہوتا ہے اس سے استنجاء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہے

و إذا کانت العلۃ فی الأبیض کونہ آلۃ للکتابۃ کما ذکرناہ یؤخذ منھا عدم الکراہۃ فیما لایصلح لھا اذا کان قالعاً للنجاسۃ غیر متقوم ٢

یعنی سفید کاغذ میں استنجاء سے علت مانعہ اسکا قابل کتابت ہونا ہے تو اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہیکہ جس کاغذ میں کتابت کی صلاحیت نہ ہو اس سے استنجاء مکروہ نہ ہوگا بشرطیکہ وہ نجاست کو زائل کرنے والا ہو لیکن قیمتی نہ ہو، یہ شرائط ٹشو پیپر میں موجود ہیں نیز اسمیں کتابت کی صلاحیت موجود ہے، نہ وہ چکنا ہوتا ہے بلکہ نجاست کو کامل طور پر جذب

١: رد المحتار ج ١ ص ٢٥٠ فصل الاستنجاد مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ
٢: " " " "

کرتا ہے،

باقی جہاں تک اسکے متقوم ہونے کا تعلق ہے تو اولاً یہ کہ یہ معمولی قیمت ہوتی ہے جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے،

ثانیاً قیمتی ہونا یہ ایسی شرط نہیں ہے کہ مدار حکم اسی شرط کو بنایا جائے

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیشو پیپر سے بھی استنجاء ناجائز ہے اسلئے کہ انہوں نے تو تصریح کر دی ہے کہ شی متقوم سے اگرچہ اسکی قیمت ایک پیسہ کی بھی ہو استنجاء جائز نہیں ہے (۱)

مگر دیگر علماء کرام اسکو جائز کہتے ہیں (۲)

پھر یہ کہ حضرت تھانوی ؒ کراہت تحریمی اس صورت میں کہتے ہیں جہاں کلوخ (ڈھیلا) وغیرہ میسر ہوں اس سے واضح ہو گیا کہ جہاں کلوخ وغیرہ بآسانی میسر نہ ہوں تو ٹشو پیپر کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو گا۔

مزید برآں یہ کہ اسوقت عموم بلویٰ اس پر ہے لہذا اس کے جواز میں تردد نہیں ہونا چاہیئے اسکے علاوہ مفتی محمد شفیع ؒ نے اسی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۰۳ پر لکھا ہے ٹشو پیپر سے استنجاء جائز ہے اسلئے کہ اس کی کوئی معتد بہ قیمت نہیں۔

(۱) امداد الفتاوی ج ۱ ص ۸۷، مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی

(۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۸، احسن الفتاوی ص ۱۰۸ ج ۲، مفتی رشید احمد

حوض اور ٹنکیوں کی تطہیر کا طریقہ

زمین دوز ٹنکی یا مکان کی چھت پر بنی ہوئی ٹنکی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے تو پاک کرنے کا طریقہ علماء کرام یہ بتاتے ہیں کہ اگر وہ ٹنکی یا حوض اس قسم کے ہیں کہ جسمیں دو طرف سے پمپ ہوں یعنی ایک طرف سے پانی کی آمد اور دوسری طرف پانی نکل جاتا ہے تو اکثر فقہاء کرام کے یہاں اس قسم کا حوض یا ٹنکی ماء جاری کے حکم میں ہو کر ناپاک ہی نہ ہوگی لیکن ناپاک نہ ہونے کا یہ حکم اسوقت ہے جبکہ پانی کے اوصاف ثلاثہ رنگ، بو، مزہ، میں تبدیلی نہ آئی ہو لیکن اگر ان اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی متغیر ہو گیا تو پانی ناپاک ہوگا (۱)

اسیطرح وہ حوض اور ٹنکی جسمیں دونوں طرف سے پمپ نہ ہوں بلکہ صرف ایک طرف سے یعنی پانی کی آمد یا صرف نکلنے کا سلسلہ ہو لیکن مقدار میں وہ دہ دردہ ہو تو اب بھی پانی کثیر ہونے کیوجہ سے ناپاک نہ ہوگا الآیہ کہ اوصاف بدل جائیں اور اگر حوض اور ٹنکی چھوٹی ہو اور پانی کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی نہ ہو تو اس قسم کا حوض اور ٹنکی تھوڑی سی نجاست گر جانے سے بھی ناپاک ہو جائیگی اسکو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف سے اسی میں پانی داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکال دیا جائے، دوسری طرف سے پانی نکلتے ہی یہ حوض اور ٹنکی اور ان کے پائپ وغیرہ سب پاک ہو جائینگے پاک قرار دینے کیلئے پانی کا کوئی، خاص مقدار نکالنا ضروری نہیں البتہ بعض فقہاء کرام کے ہاں تین مرتبہ اور بعض کے ہاں ایک مرتبہ حوض یا ٹنکی کا پانی بھر کر نکالدینا ضروری ہوگا۔ لیکن احتیاط اسمیں ہے کہ ایک طرف سے پانی نکال کر دوسری طرف

(۱) آلات جدیدہ ص ۱۸۴، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴

سے اتنا پانی نکال دیا جائے جتنا کہ وقوعِ نجاست کے وقت اس میں تھا اسکے بعد حوض اور ٹنکی اور اسکے پائپ وغیرہ سب پاک ہو جائینگے لیکن اگر تھوڑا سا پانی نکل جانے کے بعد بھی استعمال کر لیا جائے تو بھی قولِ مختار کیمطابق گنجائش ہے۔

یہ عمل حوض اور ٹنکی کے پاک کرنے کے متعلق جو ذکر کیا گیا اس صورت میں ہے جبکہ نجاست ذی جرم (ذی جسم) نہ ہو لیکن اگر نجاست ذی جرم ہے تو ضروری ہوگا کہ اس عمل کے کرنے سے پہلے اس نجاست کو نکال دیا جائے پھر یہ عمل کیا جائے (۱)

فتاوی عالمگیری میں ہے اذا کان الحوض صغیرا یدخل فیہ الماء من جانب ویخرج من جانب جاز الوضوء من جمیع جوانبہ (۲)

یعنی اگر حوض چھوٹا ہو ایک طرف سے اسمیں پانی داخل ہوتا ہو اور دوسری طرف سے خارج ہوتا ہو تو اس حوض کے تمام جوانب سے وضوء جائز ہے۔

اس سے آگے فرماتے ہے۔ حوض صغیر تنجس ماءہ فدخل الماء الطاہر فیہ من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر کان الفقیہ ابو جعفر یقول کما سال ماء الحوض من الجانب الآخر یحکم بطہارۃ الحوض (۳)

چھوٹا حوض جسکا پانی ناپاک ہو جائے پھر اسمیں ایک طرف سے پانی داخل ہو اور دوسری طرف سے خارج ہو جائیں تو فقیہ ابو جعفر" فرماتے تھے پانی جیسے ہی دوسری جانب سے بہہ جائے گا اسی حوض پر پاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

اب فقہاء کرام کا یہ قول کہ حوض کے ایک طرف سے پانی آجائے اور دوسری طرف سے نکل جائے تو یہ حوض پاک ہو گا آیا اس سے یہ مراد ہے کہ اوپر سے پانی نکل جانے یا حوض کے نیچے کسی سوراخ سے پانی نکل جائے اس بارے میں فقہاء کرام نے تردد ظاہر کیا ہے۔

(۱) آلات جدیدہ ص ۱۸۴، وجدید فقہی مسائل ص ۴۹ ج ۱، خالد سیف اللہ۔ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
(۲) فتاوی عالمگیری ص ۱۷، ج ۱، الباب الثالث فی المیاہ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ
(۳) فتاوی عالمگیریہ ص ۱۷ ج ۱ الباب الثالث فی المیاہ

رد المحتار میں ہے" ثم إنّ کلامھم ظاھرہ ان الخروج من أعلاہ فلو کان یخرج من ثقب فی اسفل الحوض لا یعد جاریاً لان العبرۃ لوجہ الماء بدلیل اعتبارھم فی الحوض الطول والعرض لا العمق واعتبارھم الکثرۃ والقلۃ فی أعلاہ فقط (۱)

یعنی فقہاء کرام کا یہ قول کہ حوض کی ایک جانب سے پانی آجائے اور دوسری طرف سے نکل جائے تو حوض پاک ہوجائے گا اور اسکی ہر طرف سے وضو جائز ہوگا بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا حوض کے اوپر سے نکلنا مراد ہے لہذا اگر پانی حوض کے تلے کسی سوراخ سے نکل جائے تو اسی حوض کو جاری شمار نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ فقہاء اُس خروج کا اعتبار کرتے ہیں جو اوپر کیجانب سے ہو اس پر دلیل یہ ہے کہ حوض کے اندر طول اور عرض کا اعتبار کرتے ہیں لیکن گہرائی کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، اسی طرح قلت وکثرت کا اعتبار بھی اوپر کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء کرام پانی کے اس خروج کا جو حوض کے نیچے کسی سوراخ سے ہو اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے حوض پر ماء جاری کا حکم نہیں لگاتے ہیں لیکن اس سے آگے چل کر فرماتے ہیں یطھر الحوض بمجرد ما یدخل الماء من الأنبوب ویفیض من الحوض ھو المختار لعدم تیقن بقاء النجاسۃ فیہ وصیرورتہ جاریاً (۲)

یعنی حوض پر طہارت کا حکم کیا جائے گا محض پانی حوض میں نالیوں سے داخل ہوجائے اور دوسری جانب سے نکل جائے مختار قول یہی ہے،

چونکہ نجاست کا باقی رہنا اب حوض میں یقینی نہیں رہا نیز حوض جاری ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کے نیچے سے اگر پانی نکل جائے اور اوپر کی جانب سے پانی داخل ہوجائے تب بھی وہ ماء جاری کے حکم میں ہوگا اور اس پانی کو پاک شمار کیا جائے گا۔

(۱) رد المحتار ص ۱۳۹ ج ۱، باب المیاہ، مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

(۲) رد المحتار ص ۱۴۰ ج ۱، "

ایک اور جزئیہ علامہ ابن عابدین نے ذکر فرمایا ہے اذا کان فی الکوز ماء متنجس فصبّ علیہ ماء طاہر حتی جری الماء من الانبوب بحیث یعد جریاناً ولم یتغیر الماء فانہ یحکم بطہارتہ (۱)

یعنی اگر لوٹے میں ناپاک پانی ہو اسکے ساتھ مزید اور پاک پانی مل گیا یہاں تک کہ پانی لوٹے کی ٹونٹی سے اسطرح بہنے لگا کہ اسکو جاری شمار کیا جاتا ہے اور پانی میں کوئی تغیر رنگ اور مزہ کے اعتبار سے بھی پیدا نہ ہو تو اس پانی کو پاک شمار کیا جائیگا،

اس عبارت سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ ٹنکی کی طہارت کیلئے نیچے سے پانی کا جاری ہونا بھی کافی ہے اسلئے کہ لوٹے کی ٹونٹی لوٹے کے درمیانی حصہ میں ہوتی ہے (۲)

(۱) ردالمحتار ج ۱، ص ۱۳۴، باب المیاہ، مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ۔
(۲) احسن الفتاوی ج ۲، ص ۵۰ مفتی رشید احمد، ایچ ایم سعید کراچی

ہینڈ پمپ کو نجاست سے پاک کرنے کا طریقہ

آج کل کنوؤں پر دستی نلکی وغیرہ لگایا جاتا ہے اگر اسمیں نجاست گر جائے تو پاک کرنے کا طریقہ ہوگا؟

شرعی نقطہ نظر سے اس ہینڈ پمپ کی دو حیثیتیں ہیں

ایک یہ کہ اسکو کنوئیں پر قیاس کیا جائے یعنی کنوئیں کی ناپاکی جسطرح دور کیجاتی ہے وہی طریقہ کار یہاں پر قابل لحاظ ہوگی۔ کنوئیں میں نجاست گرنے کی صورت میں ازالہ نجاست کیلئے نکال کر کنوئیں کا سارا پانی نکالا جاتا ہے جسکے نتیجے میں کنواں پاک ہوجاتا ہے کما قال فی الدر ینزح کل مائہا الذی کان فیھا وقت الوقوع (۱)

کنوئیں کا سارا پانی جو بوقت وقوع نجاست اسمیں ہے نکالا جائے گا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوگئیں

اوّل یہ کہ کنواں نجاست گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ وقوع نجاست کیوقت کا سارا پانی نکالا جائیگا لہذا ہینڈ پمپ کی کنوئیں کیساتھ حکم میں متحد ہونے کیوجہ سے

ہینڈ پمپ میں نجاست گرنے کی صورت میں ہینڈ پمپ کے اندر موجود سارا اکا سارا پانی نکالا جائے گا باقی رہی یہ بات کہ نلکے کے نیچے سے پانی کا سلسلہ جاری ہے تو کیا وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔

(۱) در مختار ج ۱ ص ۱۵۶ فصل فی البئر، مکتبہ ماجدیہ طوجی روڈ کوئٹہ

در اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ پانی ایسا ہے جیسا کہ ہم کسی کنوئیں کے پانی کو نکال دیتے ہیں تو اسمیں اور پانی ابل آجاتا ہے مگر چونکہ وہ پانی بالفعل کنوئیں میں نہیں تھا بلکہ موجودہ پانی نکالنے کے بعد آتا ہے اسلیئے اسکا اعتبار نہیں ہوگا یہی حال اس نلکی کا ہے کہ فی الحال اسکے موجودہ پانی کو نکالا جائے گا بعد میں آنے والے پانی کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لہذا وہ نل پاک ہو جائے گا ہاں اگر کامل تجربہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس نلکا کے آخر میں پانی جمع رہتا ہے تو اسی وقت اس تخمینہ کے مطابق وہ پانی بھی نکالا جائے گا اگر نل میں گری ہوی نجاست نکال نہ سکیں تو یہ بھی معاف ہے لیکن اسکا طریقہ یہ ہوگا کہ دیکھا جائے گا اگر وہ نجاست کسی کپڑے وغیرہ یا کسی لکڑی پر لگی ہوئی تھی تو ایسی صورت میں صرف پانی نکالنے سے پاک ہو جائے گا اسمیں کسی انتظار کی ضرورت نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عین نجاست ہو جیسے کسی مردار کا گوشت وغیرہ اس صورت میں اتنی مدت تک انتظار کیا جائے گا کہ گمان غالب ہو کہ وہ مٹی ہو گیا ہوگا۔ اسکے بعد پھر پانی نکالا جائے گا کما فی رد المحتار قلت فلو تعذر ایضاً ففی القہستانی عن الجواہر لو وقع عصفور فیها فعجزوا عن اخراجه فدام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انها استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة اشهر (1) یعنی اگر کنوئیں میں چڑیا گر جائے اور لوگ اسکو نہ نکال سکیں جب تک وہ کنوئیں میں رہے گا کنواں نجس شمار کیا جائے گا لہذا اسکو اتنی مدت تک چھوڑ دیا جائے گا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس مدت میں اسکی وہ حالت تبدیل ہو گئی ہو اور وہ کیچڑ بن گیا ہو اسکے بعد وہ کنواں پاک شمار کیا جائے گا۔
بعض نے اس تبدیلی کی مدت چھ ماہ بیان کی گئی ہے۔

یہ ساری تفصیل اس تقدیر پر ہے کہ ہینڈ پمپ کو کنوئیں کی حیثیت دیجائے اور جو احکام کنوئیں کے ہیں وہی احکام ہینڈ پمپ پر منطبق کئے جائیں یعنی ہینڈ پمپ کے اندر بوقت وقوع نجاست

(1) رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۶، فصل فی البئر، مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

جو پانی ہے اسی کو نکالا جائے تو ہینڈ پمپ کو پاک شمار کیا جائے گا (۱)

ایک صورت علماء کرام نے یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ ہینڈ پمپ کی حیثیت برتن کی ہو لہٰذا جو طریقے برتن کو نجاست سے پاک کرنے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں وہی اس ہینڈ پمپ کے لئے اختیار کرینگے۔ لہٰذا برتن کی وقوع نجاست کی صورت میں جسطرح تین ۳ مرتبہ دھونا ضروری ہے اسی طرح دستی نلکی کے اندر جتنا پانی ہے اسکو نکالنے کے بعد مزید اتنا پانی نکالا جائے گا جس سے وہ نلکی تین ۳ مرتبہ دھل جائے۔ اب رہا یہ اشکال کہ پائپ کے اندر پانی کی مقدار کیا ہے اسکو کسطرح معلوم کیا جائے تو اسکے لئے کسی پیمائش کی ضرورت نہیں ہے کہ پانی کا حجم اور مقدار معلوم کیا جائے، بلکہ ظن غالب پر عمل کیا جائیگا جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عام طور پر رائے مبتلی بہ کا اعتبار ہوتا ہے بلکہ سب سے سہل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ پائپ کے اوپر سے پانی ڈالدیا جائے یہانتک کہ وہ پائپ بھر جائے اور پانی اوپر سے بہنے لگے اس صورت میں یہ پانی جاری ہوگیوجہ سے پاک ہوگا۔

کما قال العلامہ ابن عابدین ان دلوا تنجس فافرغ فیہ رجل ماء حتی امتلأ وسال من جوانبہ ہل یطہر بمجرد ذالک ام لا والذی یظہر الطہارۃ (۲)

اگر کوئی ڈول ناپاک ہوجائے اسکے اندر کوئی شخص اتنا پانی اور ڈالدے کہ وہ بھر جائے اور اسکی اطراف وجوانب سے پانی بہنے لگے تو کیا ڈول صرف اسطرح کے عمل سے پاک ہوگا یا نہیں،

جہاں تک میری رائے ہے وہ یہ ہیکہ پاک ہوگا اسکے آگے چل کر اسی صفحہ پر رقمطراز ہے اذا کان فی الکوز ماء تنجس فصب علیہ ماء طاہر حتی جری الماء من الانبوب بحیث یعد جریانا ولم یتغیر الماء فانہ یحکم بطہارتہ۔ یعنی لوٹے میں جب نجس پانی ہو اور اسمیں پاک پانی ڈال دیا جائے یہانتک کہ اس لوٹے کی ٹونٹی سے وہ پانی بہنے لگے اسطرح کہ وہ جاری لگتا ہو۔ نیز پانی میں کوئی تغیر اور بدبو بھی نہ ہو تو اسی پانی کو پاک شمار کیا جائے گا

(۱) امداد الفتاوی ج ۱ ص ۳۰ فصل فی البئر، مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی

(۲) رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۴ باب المیاہ مطلب یطہر الحوض بمجرد الجریان مکتبہ ماجدیہ کراچی

بہر حال طریقہ مذکورہ ایک بہت ہی آسان طریقہ ہے۔

نیز یہ معلوم ہو گیا کہ دستی نلکی کی دو حیثیتیں ہیں کچھ علماء کرام اسکو کنوئیں پر قیاس کرتے ہیں اور کنوئیں کے احکام اس پر چسپاں کرتے ہیں اور کچھ علماء کرام اسکو برتن پر قیاس کرتے ہوئے تین مرتبہ دھونا اسکی پاکی کیلئے معیار قرار دیتے ہیں۔ باقی احتیاط اسی میں ہے کہ اسکو کنوئیں پر قیاس نہ کیا جائے بلکہ برتن پر قیاس کیا جائے۔ اسلئے کہ کنوئیں کا پانی زمین کے مسامات سے منتقل ہو کر اپنی طبعی جریان تک محدود رہتا ہے جبکہ نلکی پانی کو کھینچ کر سطح زمین سے اوپر لے آتی ہے

نیز کنوئیں کے تلے اور دیواروں کی تطہیر متعذر ہے جبکہ نلکی کی تطہیر بہت ہی سہل اور آسان ہے۔ اسلئے نلکی کو برتن پر قیاس کرنا اولیٰ اور بہتر ہو گا۔ (۱)

(۱) احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۰ مفتی رشید احمد۔ ایچ ایم سعید کراچی۔

پیشاب فلٹر کرنے کے باوجود ناپاک رہے گا ،

اسوقت سائنس والوں نے ایسے آلات بھی ایجاد کیے ہیں جنکی مدد سے پیشاب اور گندا پانی بھی صاف شفاف ہوجاتا ہے علماء کرام نے یہ تصریح کردی ہے کہ اس قسم کا گندا پانی اور پیشاب باوجود فلٹر کرنے کے بھر پھر بھی ناپاک ہی رہے گا ۔ اسکی وجہ یہ ہیکہ کسی شئی کے تحلیل و تجزیہ اور اسکی حقیقت و ماہیت کو تبدیل کرنے میں بہت فرق ہے

حقیقت کی تبدیلی سے تو احکام میں بھی تبدیلی آتی ہے لیکن اجزاء کی علیحدگی کی صورت احکام کی تبدیلی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ مثلاً پاخانہ جلا کر راکھ بناد یا جائے تو اسکی ناپاکی ختم ہو جاتی ہے اسلیے کہ اسکی حقیقت بدل گئی ہے عالمگیری میں ہے ، وکذا العذرۃ اذا احرقت وصارت رماداً و الطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر و طبخ بہ یکون طاہراً (۱)

یعنی پاخانہ کو جلا کر جب راکھ بنا یا جائے گا یا نجس گارا جبکہ اس سے کوئی لوٹا یا ہانڈی وغیرہ پکا کر کے بنایا جائے تو یہ پاک ہونگے ،

عبارت مذکورہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ حقیقت کی تبدیلی سے پاکی تو آسکتی ہے مگر کسی طرح سائنٹفیک طریقہ پر کسی شئی کے بعض اجزاء اگر نکال لئے جائیں جس سے بدبو اگرچہ ختم ہو جائے مگر پھر بھی طہارت کا حکم نہیں لگایا جائے گا ۔ لہذا پیشاب اور ناپاک پانی میں چونکہ فلٹر کے ذریعے سے کوئی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی ہے اسلیئے اس گندے پانی پر یا پیشاب پر پاکی اور طہارت کا حکم نہیں لگایا جائیگا (مزید برآں یہ کہ فلٹر کے بعد زیادہ سے زیادہ پاکی اور ناپاکی میں شک واقع ہو گا جبکہ حالت اولیٰ میں ناپاک تھا اسلیئے فقہاء کے : قاعدہ ابقاء ما کان علی ما کان کے مطابق اسکو ناپاک ہی کہا جائے گا (۲)

(۱) عالمگیری ج ۱ ص ۲۲ ، فصل فی النجاسۃ التی تصیب الثوب ، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۔

(۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۴۵ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور و نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۳۹۱ مکتبہ جامعہ دیوبند ۔

پٹرول اور مٹی کے تیل سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم :

آج کل کپڑوں کی دھلائی میں پٹرول استعمال کیا جاتا ہے آیا پٹرول کی دھلائی سے کپڑے پاک ہوجاتے ہیں یا نہیں . تو اس بارے میں علماء کرام کا اتفاق ہیکہ پٹرول چونکہ ایک سیال مادہ ہے اور ازالہ نجاست میں پانی سے بھی بڑھ کر ہے اسلئے پٹرول سے دھلائی جائز ہے پانی سے بسا اوقات نجاست کا رنگ دور نہیں ہوتا جبکہ پٹرول سے رنگ کا بھی ازالہ ہوجاتا ہے پھر یہ حکم صرف پٹرول تک محدود نہیں بلکہ تمام سیال اشیاء ، مثلاً سرکہ مٹی کا تیل دودھ وغیرہ کو بھی شامل ہے یہ چیزیں خود پاک ہیں اسلئے نجاست حکمیہ مثلاً وضوء اور غسل میں تو انکو استعمال نہیں کیا جائیگا البتہ نجاست ظاہری مثلاً پاخانہ پیشاب وغیرہ کے ازالہ میں انکو استعمال کیا جاسکتا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے "ویجوز تطہیرھا بالماء وبکل مائع طاہر یمکن ازالتہا بہ کالخل وماء الورد (۱) یعنی نجاست

یعنی نجاست کو پاک کرنا پانی اور ہر سیال (بہنے والی چیز) جس سے ازالہ نجاست ممکن ہے ، سے جائز ہے جیسے کہ سرکہ اور گلاب کا پانی ،

عبارت : مذکورہ سے معلوم ہوا کہ پٹرول اور مٹی کے تیل سے وضوء اور غسل تو درست نہیں لیکن کپڑوں کی دھلائی اور نجاست حسی کا ازالہ درست ہے (۲) ،

ایک بات یہاں پر قابل غور ہیکہ مٹی کے تیل سے کپڑا تو پاک ہوجاتا ہے لیکن اسپر اکتفاء کرنا صحیح نہیں اسلئے کہ مٹی کے تیل سے دھلے ہوئے کپڑوں میں بدبو ہوتی ہے لہذا اس حالت میں مسجد میں جانا اور لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے اسلئے اگر کوئی شخص ایسی حالت میں مسجد آجاتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ اسکو منع کریں ،

۱ ، ہدایہ ج ۱ ص ۱۷ باب الانجاس وتطہیرھا ، مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان .

۲ ، فتاوی محمودیہ ج ۱۸ ، ص ۲۱ ، ص ۳۲ ج ۲ ، مفتی محمود حسن گنگوہی کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
ایضاً جدید فقہی مسائل ص ۲۹ ج ۱ ، خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور .

ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم۔

ڈرائی کلین میں ایک فلٹر میں پٹرول ڈال کر اس میں چند جوڑے کپڑے ڈال دیئے جاتے ہیں پھر مشین چالو کر دی جاتی ہے جس سے کپڑے پٹرول میں زور سے گردش کرتے ہیں اور کپڑوں کا میل کچیل پٹرول میں آجاتا ہے پھر پٹرول کو صاف کیا جاتا ہے اور کپڑوں کو خشک کیا جاتا ہے فلٹر میں جو کپڑے پڑتے ہیں ان میں اگر نجس کپڑے بھی ہوں تو آیا ایسی صورت میں ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑے پاک ہونگے یا نہیں۔

اس بارے میں علماء کرام کی مختلف رائیں ہیں کچھ علماء کرام فرماتے ہیں کہ جبکہ ظن غالب ہو کہ پاک کپڑے اور ناپاک ملا کر دھوئے گئے ہیں تو ناپاک کپڑوں کیساتھ ملکر پاک کپڑے بھی ناپاک ہونگے، چونکہ ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ تین ۳ مرتبہ پانی ڈالا جائے اور ہر مرتبہ خوب نچوڑا جائے اور ڈرائی کلینرز دکانوں میں اس اصول پر عمل نہیں کرتے اسلیئے کہ وہاں کے دھلے ہوئے کپڑے پاک نہیں اسلیئے اگر کسی کو ڈرائی کلین میں کپڑے دھلانے کی نوبت آئی

تو اسکو چاہیئے کہ اپنے طور پر ان کپڑوں کو دھو کر کے پاک کر لیں یہ تو اس صورت میں جبکہ ظن غالب ہو کہ پاک و ناپاک سبھی قسم کے کپڑے ڈالے گئے ہیں اور اگر ناپاک کپڑوں کا ظن غالب نہ ہو بلکہ محض شک یا تردد ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ جس حالت میں کپڑا دیا گیا تھا اسی حالت میں رہے گا اگر پاک دیا تھا تو پاک شمار کیا جائیگا اور اگر ناپاک دیا تھا ناپاک ہوگا (۱)

اس رائے میں یقیناً احتیاط ہے لہذا اس پر عمل کرنا بھی بہتر ہوگا

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل ص ۸۶ ج ۲ محمد یوسف لدھیانوی، مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
و احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۸۳ ج ۲، ایچ ایم سعید کراچی

لیکن مذکورہ حکم کو فتویٰ نہیں کہا جاسکتا اگر اسکو فتویٰ قرار دیا جائے تو اسوقت ہزاروں لوگونکی نمازوں کا فاسد ہونا لازم آئے گا اسلیئے کہ اسوقت اکثر مسلمان ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑوں پر اکتفار کرتے ہیں اور انکو پاک سمجھکر انہیں کپڑوں سے نماز پڑھتے ہیں بہرحال ابتلائے عام کے پیش نظر کپڑوں کی طہارت میں توسع اور گنجائش پیدا کی جائیگی اسلیے ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑوں کو ازروئے فتوی ناپاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امداد الفتاوی میں لکھا ہے "یہاں سرکار کی طرف سے دھوبیوں کو کپڑے دھونے کیواسطے (دیئے جاتے ہیں) سرکاری حوض چھوٹے چھوٹے بنوا دیئے گئے ہیں ان میں وہ لوگ کپڑے دھوتے ہیں پانی ان حوضوں میں کنوؤں سے بھرا جاتا ہے بہت سے کپڑے یکبارگی ان حوضوں میں دھونے کو ڈالے جاتے ہیں اسمیں پاک و ناپاک ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے حوض کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہونگے یا نہیں؟ اور ان کپڑوں میں نماز ہو جائیگی یا کہ نہیں؟ دھوبی کا بیان ہے کہ وہ تین مرتبہ پانی بدل کر دھوتا ہے مگر اس سے اطمینان نہیں ہوتا ہے اسکے علاوہ ہندو دھوبی بھی ہوتے ہیں جنکو پاک کرنے کا طریقہ بھی نامعلوم ہے ندی یہاں سے تین کوس پر ہے سو اسی وجہ سے بہت کم دھوبی وہاں کپڑے دھوئے جاتے ہیں حوض کی پیمائش اتنی ہوتی ہے کہ انکا شمار قلتین میں ہو سکتا ہے جو کہ شاید امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں

الجواب یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہا ہے سخت ضرورت میں جیسا کہ صورت مسئلہ میں ہے دوسرے امام کے قول کو لینا جائز ہے اسلیے جو شخص دوسرے طریقے سے نہ دھو سکے اسکے لیے پاکی کا حکم کیا جائے (انتہی) (۱)

(۱) امداد الفتاوی ج ۱ ص ۷۹ مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دار العلوم کراچی۔

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہیکہ طہارت کے مسائل میں توسیع اور گنجائش موجود ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کوئی کپڑا چاہے سوتی ہو یا اونی یا ریشمی ابتداً جب بنایا جاتا ہے۔ اسوقت بھی اسکے دھاگے بانے وغیرہ میں مسالہ مارٹی وغیرہ لگایا جاتا ہے اور کبھی بسا اوقات غیر مسلم لگاتے ہیں اور نہایت گندے پیروں سے گندی جگہوں میں سلتے ہیں جنمیں ناپاکیوں کی آمیزش دیکھی جاتی ہے اور کبھی اسکا گمان ہوتا ہے اور طہارت کے شرعی اصول بھی وہاں ملحوظ نہیں ہوتے ہیں جیساکہ کارخانے اور فیکٹریوں کے مشاہدہ کرنے والوں پر ظاہر ہے تو اسکا تقاضا یہ ہیکہ نئے کپڑے سارے ناپاک شمار کئے جائیں اور جبتک انکو دھویا نہیں گیا ہیں انسے نماز پڑھنا جائز نہ ہو حالانکہ یہ فتویٰ نہیں ہے۔

اصل اشیاء میں طہارت ہے جب تک ناپاکی لگی ہوئی نہ دیکھی جائے یا شرعی ثبوت اور شہادت سے ناپاک ہونا متیقن نہ ہو جائے ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اسیطرح دیہاتوں میں عام طور پر کپڑے پانی کی قلت کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے حوضوں میں کپڑے دھوئے اور صاف کئے جاتے ہیں اور خشک بھی بسا اوقات ناپاک زمینوں پر کئے جاتے ہیں جیسے تالاب وغیرہ کے گندے کناروں پر یا اسکے علاوہ جھاڑیوں وغیرہ میں پھیلا کر خشک کیئے جاتے ہیں جسکا عام طور پر مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ مگر اسکے باوجود ان کپڑوں پر ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ نماز نہ ہونے کا حکم دیا جاتا ہے یہ صرف اسی قاعدہ کے پیش نظر کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے پس جب تک اسکے خلاف دلیل موجود نہ ہوگی نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

اسی طرح یہاں بھی پٹرول سے ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑوں کا یہی حکم ہوگا بلکہ پٹرول کے اندر جذب نہ ہونے کی اور اڑ جانے کی قوت پانی سے کہیں زیادہ اور قوی ہوتی ہے یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب پٹرول میں کپڑوں کی گردش کراتے اور جھنجوڑنے سے کپڑوں کے داغ دھبے خواہ وہ ناپاکی کے داغ دھبے ہوں زائل ہوجاتے ہیں اور کپڑے صاف ستھرے ہوجاتے ہیں، جب پٹرول کپڑے میں جذب نہ ہو اور اسکے اڑ جانے کے بعد اثر نجاست رنگ و بو وغیرہ باقی نہ رہے تو کہنا پڑے گا کہ ازالہ نجاست اسی پٹرول ہی سے ہوا ہے اور طہارت اسی ازالہ نجاست کا نام ہے۔ ازالہ نجاست بسا اوقات قلب ماہیت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے کہ شراب کا سرکہ بن جانا۔

یا محض اڑ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے ناپاک روئی کے دھنکنے سے روئی کا پاک ہوجانا یا غسل بالماء کے ذریعہ سے یا کسی بھی سیال شیٔ سے غسل کے ذریعہ سے اور یہ صورت یہاں بھی حاصل ہے لہٰذا اس بنا پر دوبارہ تطہیر کا حکم ازروئے فتویٰ نہیں دے سکتے البتہ ازروئے تقویٰ اگر کوئی اپنے ناپاک کپڑوں کو دھلنے سے قبل خود پاک کرلیں یا دھونے کے بعد احتیاطاً خود پاک کرلیں تو اور بات اور افضل ہے (۱)

(۱) نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۱۳۳ تا ۱۳۵، مکتبہ حسامیہ دیوبند، وقاموس الفقہ ص ۹۲ مولانا سیف اللہ رحمانی - مکتبہ ندوہ ایجنسی حیدرآباد

واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم

واشنگ مشین میں چونکہ صابن کے پانی میں کپڑوں کو دھویا جاتا ہے اور پھر اس صابن والے پانی کو نکالا جاتا ہے اور اوپر سے اور پاک پانی ڈالا جاتا ہے اور یہ عمل چونکہ کئی بار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ کپڑوں میں سے صابن نکل جاتا ہے اور ازالۂ نجاست مکمل طاہر پانی سے ہو جاتا ہے اور طہارت اسی ازالۂ نجاست کا نام ہے اسلئے واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کی طہارت میں کوئی شبہ نہیں (۱)

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل ص ۷۶ ج ۲، محمد یوسف لدھیانوی مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مصنوعی اعضاء کا وضوء اور غسل میں حکم

عام طور پر مصنوعی اعضاء دو قسم کے ہوتے ہیں ایک یہ کہ انکو مستقل طور پر لگایا گیا ہے اور انکو نکالنا سخت اور مشکل ہے اس قسم کے اعضاء کی حیثیت اصل اعضاء کی ہے انکو وضوء اور غسل میں نکالنا ضروری نہیں ہے

چونکہ انکے نکالنے میں حرج ہے وہ مدفوع شرعاً اس میں اس قسم کے تمام مصنوعی اعضاء داخل ہیں جکی بناوٹ اور وضع اسطرح پر ہے کہ جنکو اتارنا بغیر عمل جراحی کے نہ ہو سکے اسیطرح وہ دانت بھی داخل ہے جن پر سونے کے خول ضرورت کے تحت چڑھایا گیا ہے (۱)

دوسری قسم اعضاء کی وہ ہے جنکو بنایا اس طرح گیا ہے کہ بوقت ضرورت اگر نکالا جا سکتا ہے اور نکالنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں لہذا اس صورت میں انکی حیثیت ایک زائد چیز کی ہوگی اسیئے بوقت غسل انکو نکال کر اصل جسم تک پانی پہونچانا ضروری ہوگا (۲)

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۳۲ ج ۲ ایچ ایم سعید کراچی۔

(۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۳۰ تا ۳۱، آپکے مسائل ج ۲ ص ۲۲، فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۴۳، کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۶۲ ج ۲ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

کیا ٹوتھ برش مسواک کی سنت کا بدل ہے؟

برش اور ٹوتھ پیسٹ کے استعمال سے مسواک کا ثواب مل جاتا ہے یا نہیں تو کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے جبکہ بعض اہل علم کے ہاں نہیں [1] جبکہ بعض اہل علم نے تحقیقی جواب یہ نقل کیا ہیں کہ یہاں پر دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک سنت السّواک دوسرے استعمال المسواک المسنون

جہاں تک سنت السواک کا تعلق ہے تو فقہاء کرام نے یہ لکھا کہ مسواکِ مسنون کی عدم موجودگی میں منجن برش وغیرہ سے یہ سنت ادا ہو جائیگی مگر مسواک مسنون کی سنت ادا نہ ہوگی یہ بھی ضروری ہے کہ برش کا ریشہ وغیرہ پاک ہو جن برشوں کا ریشہ خنزیر کے بال کا ہو ان کا استعمال حرام ہے لیکن استعمال المسواک المسنون کی سنت صرف پیلو نیم وغیرہ کی لکڑی سے ادا ہوگی [2]

پلاسٹر پر مسح

پھنسی یا زخم پر پلستر لگا ہوا ہے کھولنے کی صورت میں نقصان ہو جاتا ہے یا کھولنے کی صورت میں دوائی ہٹ جاتی ہے اور باقی نہیں رہتی جس سے فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا یا یہ کہ پلستر نہیں ملتا یا ملتا ہے مگر زیادہ گراں ملتا ہے تو مذکورہ صورتوں میں پلاسٹر کا کھولنا ضروری نہیں بلکہ پلستر پر مسح کیا جائے

---

[1] آپکے مسائل صفحہ ۳۵ جلد ۲ محمد یوسف لدھیانوی - مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

[2] درس ترمذی صفحہ ۲۳۶ جلد ۱ جدید فقہی مسائل صفحہ ۳۵ جلد ۱

/ لطیف عثمانی

چنانچہ حسین بن علی رضؓ کی روایت ہے ۔ عن علیؓ قال انکسرت احدی ذندی فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فامرنی ان امسح علی الجبائر[1]
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرا ایک بازو ٹوٹ گیا (اور میں نے پٹی باندھ لی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پٹی پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ پٹی پر مسح جائز ہے نیز یہ بھی یاد رہے کہ پلاستر لگاتے وقت یہ بھی ضروری نہیں [2] با کی حالت میں رہا ہو۔
اس طرح اس کے لئے کسی مدت کی تعیین بھی نہیں ہے جب تک صحت یاب نہ ہو مسح کرتا رہے اگر صحت مند ہونے سے پہلے پٹی گر گئی تو دوبارہ مسح کی ضرورت نہیں ہاں اگر صحت مند ہو گئی تو دوبارہ دھونا ضروری ہوگا مثلاً نماز کے دوران پلاستر گر پڑا اور وہ صحت مند ہو چکا ہے تو اس کو نماز توڑ کر دوبارہ وضوء کرنا ہوگا[3]

فوم کے موزوں اور بوٹ وغیرہ پر مسح

مضبوط قسم کا فوم کا موزہ اور وہ بوٹ جس میں ٹخنے چھپے رہتے ہیں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں اس بارے میں علماء کرام کا یہ موقف ہے کہ شرعاً جن موزوں پر مسح کی اجازت دیگئی ہے اس کے لئے تین ۳ شرائط ہیں
① ٹخنوں سمیت پاؤں کے جتنے حصے کا دھونا فرض ہے اس کو چھپائے اور اسمیں تین ۳ انگلی کی مقدار پھٹن بھی نہ ہو ② پاؤں سے لپٹا ہوا ہو
③ اس کو پہن کر معمول کی رفتار کی لحاظ سے ایک فرسخ چلنا ممکن ہو اور اگر اوپر کی جانب کوئی شگاف ہو کہ فیتہ کے ذریعہ سے اس کو باندھ لیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں

[1] ابن ماجہ صفحہ ۴۸ باب المسح علی الجبائر۔ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی [2] جدید فقہی مسائل صفحہ ۳۲ جلد ۱ خالد سیف اللہ حرا پبلکشنز اردو بازار لاہور [3] احسن الفتاوی صفحہ ۶۳ جلد ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

چنانچہ صاحب امداد الفتاوٰی نے درمختار کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

شرط مسحہ ثلاثۃ امور الأوّل کونہ ساتر المحلّ فرض الغسل القدم مع الکعب اویکون نقصانہ اقلّ من الخرق المانع فیجوز علی الزربول لو مشدودًا الّا ان یظہر قدر ثلاثۃ أصابع والثانی۔ کونہ مشغولاً بالرجل۔ والثالث۔ کونہ مما یکن متابعۃ المشی المعتاد فیہ فرسخًا فاکثر۔ [1]

موزوں کیلئے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ پاؤں کے جتنے حصّے کا مع ٹخنوں دھونا ضروری ہے اس کو چھپائے یا اتنی مقدار کم ہو جتنی مقدار پھٹن کی گنجائش ہے پس جوتے پر مسح جائز ہے اگر وہ بند جاہوا ہو مگر اس صورت میں جبکہ تین انگلیوں کی مقدار پاؤں کھل جائے تو درست نہ ہوگا۔
دوسری شرط یہ ہے کہ پاؤں کے لپٹا ہوا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عام معمول کی رفتار کے لحاظ سے اس کے ساتھ ایک فرسخ چلنا ممکن ہو۔
ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں۔ یجوز علی الجاروق المشقوق علی ظہر القدم ولہ ازرار یشدہا علیہ لانہ کغیر المشقوق [2]
مسح علی الخفین کیلئے ایسا جاروق بھی کافی ہے جس میں قدم کا بالائی حصّہ پھٹا ہوا ہے اور اُسے ڈوری سے باندھا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ غیر پھٹے ہوئے موزوں کی مانند ہے چونکہ بوٹ اور مضبوط قسم کے فوم میں یہ شرائط موجود ہیں اس لئے ان پر مسح درست ہوگا البتہ بوٹ کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ وہ بجائے جوتہ کے مستعمل ہوتا ہے اس لئے یا بوجہ نجس ہونے کے یا بوجہ سوئے ادب کے بلا ضرورت اس کے نماز نہیں پڑھنا چاہیئے [3]

[1] درمختار ص ۱۹۱ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ [2] ردّ المختار ص ۱۹۲ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ ہانی روڈ کوئٹہ
[3] امداد الفتاوٰی ص ۱۲ ج ۱ مولانا اشرف علی تھانویؒ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۱
جدید فقہی مسائل ص ۳۶ جلد ۱ خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلکیشنز اردو بازار لاہور

قرآن کے ٹیپ یا پلیٹ کو بے وضو چھونا

فونوگراف یا کسیٹ میں قراء سے قرآن مجید کی آوازیں ایک خاص ایجاد سے بند کی جاتی ہیں پھر جس پلیٹ یا کسیٹ میں قرآن مجید کی یہ آوازیں بند ہیں انکو بلا وضو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں علماء کرام نے مختلف موقف اختیار کیا ہے صاحب امداد الفتاوٰی حضرت اشرف علی تھانوی اور صاحب احسن الفتاوٰی کی رائے یہ ہے کہ پلیٹ یا ٹیپ ریکارڈ کی کسیٹ میں نہ قرآن کریم کی کتابت ہے نہ اس کی آواز قرآن کریم کی آواز ہے بلکہ نقل اور عکس تلاوت کا ہے جو صدائے بازگشت کی طرح آواز کی نقل ہے اس لئے اُسے بے وضو چھونا جائز ہے اور سجدہ کی آیت سننے سے سجدہ بھی واجب نہ ہوگا[1]

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ قرآنی آیات کے کسیٹ کو بے وضو چھونا جائز نہیں کیونکہ قرآن مجید کو چھونے کی ممانعت کا اصل سبب قرآن مجید کا احترام ہے جس طرح تحریر الفاظِ قرآنی کا نقش ہے جو قرآن مجید پر دلالت کرتا ہے اس طرح کسیٹ بھی آواز قرآنی کا نقش ہے جو قرآن مجید پر دال ہیں لہذا کاغذ جس میں الفاظ محفوظ کئے گئے ہیں قابل احترام ہیں تو کسیٹ کا فیتہ بھی واجب الاحترام ہوگا جن میں قرآن کی آواز کو محفوظ کیا گیا ہو البتہ فیتہ کے اوپر جو پلاسٹک کا کیس ہے اس کی حیثیت غلاف کی ہوگی اور اس کے ساتھ چھونے میں کوئی مضائقہ نہیں بہرحال اس قول میں احتیاط ہے[2]

[1] احسن الفتاوٰی ص ۱۹ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی۔ امداد الفتاوٰی ص ۹۲ ج ۱ اشرف علی تھانوی مکتبہ دار العلوم کراچی۔ آلات جدیدہ ص ۱۳۶ مفتی محمد شفیع ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۰

[2] جدید فقہی مسائل ص ۲۰۷ ۱ خالد سیف اللہ رحمانی

حالت جنابت میں قرآن مجید کی ٹائپنگ

حالت جنابت میں قرآن مجید کی کتابت اور کمپوزنگ درست نہیں ہے فتاوٰی عالمگیری میں مذکور ہے کہ۔ والجنب لایکتب القرآن وان کانت الصحیفۃ علی الأرض ولا یضع یدہ علیھا وان کان مادون الآیۃ[1] جنبی قرآن مجید کی کتابت نہ کرے اگرچہ ایسا ہو کہ کاغذ زمین پر رکھا ہوا ہو اور وہ اُس پر اپنا ہاتھ نہ رکھتا ہو چاہے وہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جنبی کیلئے کتابت قرآن اور ٹائپنگ اور کمپوزنگ کسی طرح بھی درست نہیں ہے اگرچہ کاغذ پر ہاتھ رکھنے کی نوبت نہ آئے تب بھی درست نہیں لیکن اگر جنبی نہ ہو۔ بلکہ بغیر وضو کے ہو تو اس طرح لکھ سکتا ہے کہ کاغذ پر ہاتھ نہ لگے مگر اس میں بھی فقہاء کرام سے اختلاف مروی ہے اس لئے احتیاط احتراز کرنے میں ہے۔

ولا تکرہ کتابۃ القرآن والصحیفۃ واللوح علی الأرض[2]۔ بے وضو کیلئے قرآن کی کتابت اس طرح مکروہ نہیں ہے کہ کاغذ اور تختی زمین پر ہو۔ جنبی کیلئے عدم جواز کا حکم اور محدث (بے وضو) کیلئے جواز کا حکم یہ فرق صاحب جدید فقہی مسائل نے قائم کیا ہے جبکہ کچھ علماء کرام دونوں کیلئے عدم جواز کا قول کرتے ہیں[3]۔

[1] فتاوٰی عالمگیری ص ۳۹ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ۔ [2] درمختار ص ۱۲۹ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ
[3] جدید فقہی مسائل ص ۴۷ ج ۱ خالد سیف اللہ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔ امداد الفتاوٰی ص ۹۴ ج ۱ مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دار العلوم کراچی

قرآنی آیات کے تمغے اور اخبار میں لکھی ہوئی آیات کو بے وضو چھونا

آج کل دھاتوں کے بنے ہوئے مختلف قسم کے تمغے جن پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوتی ہیں ان کو چھونا جائز ہے یا نہیں علماء کرام کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ اگر وہ تمغے اس قسم کے ہو کر ان میں پوری آیت لکھی ہوئی ہو تو انکا حکم قرآن مجید کا ہوگا انکو بے وضوء چھونا جائز نہ ہوگا چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے الجوہرۃ النیرۃ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

لایجوز مس شئی مکتوب فیہ شئی من القرآن من لوح او دراھم او غیر ذلک اذا کان آیۃ تامۃ۔

کسی ایسی چیز کا چھونا جائز نہیں جس میں قرآن کا کچھ حصہ لکھا ہوا ہو جیسے تختی یا درہم وغیرہ بشرطیکہ وہ مکمل ایک آیت ہو بہر حال جو شخص جنبی ہو اسکے لئے تو اس قسم کا تمغہ لٹکانا یا باندھنا تو کسی طرح بھی درست نہیں اس لئے کہ شریعت اس کو سراپا ناپاک تصور کرتی ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں جس کو وضوء کی حاجت ہو وہ بھی اعضاء وضوء سے نہ چھوئے البتہ اعضاء وضوء کے علاوہ دوسرے اعضاء سے چھونا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ علماء کی رائے ہے کہ جائز ہے اس لئے کہ شریعت کا ان ہی اعضاء کیلئے وضوء کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ناپاک صرف یہی اعضاء ہیں جبکہ کچھ علماء کی رائے اس کے برعکس ہے کہ یہ ناپاکی کا حکم پورے جسم کے لئے ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ ناپاکی کو تقسیم کیا جائے کچھ اعضاء پاک ہوں اور کچھ پاک بلکہ وضوء نہ ہونے کی صورت میں جس طرح اعضاء اربعہ ناپاک ہیں اسی طرح پورا بدن ناپاک تصور کیا جائیگا ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایسے تمغوں کو گلے میں لٹکایا جائے یا بازو پر باندھا جائے بغیر وضوء تو پہلی رائے کے مطابق یہ جائز ہوگا جبکہ دوسری رائے کے مطابق یہ ناجائز ہوگا احتیاط ثانی قول میں ہے اس لئے اسی کو اختیار کیا جائے تو بہتر ہوگا یہی حکم مذکور ان چھوٹے قرآن مجید کا بھی ہوگا جنکو تعویذ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جنکے الفاظ ایسے چھوٹے اور باریک ہوتے ہیں کہ خوردبین کے بغیر انکو نہیں پڑھا جاسکتا۔ البتہ تعویذ یا قرآن مجید تانبے کے غلاف میں ہو تو انکے چھونے میں کوئی حرج نہیں اس قسم کے تمغے اور قرآن مجید میں استنجاء کی حالت میں لیجانا یا بیت الخلاء میں ساتھ رکھنا بھی مکروہ ہے

چنانچہ عالمگیری میں ہے

ویکرہ ان یدخل فی الخلاء ومعہ خاتم علیہ اسم اللہ اوشئی من القرآن [1]

بیت الخلاء میں ایسی انگوٹھی لیکر داخل ہونا مکروہ ہے جس پر اللہ کا نام ہو یا قرآن کا کچھ حصہ لکھا ہوا ہو [2] اسی طرح اخبار کا حال ہے کہ جہاں آیتِ قرآنی لکھی ہوئی ہو اس کو بے وضو ہاتھ لگانا منع ہے دوسرے مواضع کو ہاتھ لگائے تو جائز ہے باقی اگر آیت قرآنی چھ حروف سے کم ہو تو ایک قول کے مطابق اسکو بھی بغیر وضو کے ہاتھ لگانے کی گنجائش ہے [3]

[1] فتاوی عالمگیری ص ۵۰ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ [2] جدید فقہی مسائل ص ۳۴ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

[3] احسن الفتاوی ص ۱۹ ج ۲ ایچ ایم سعید کراچی

جنب کا ترجمہ قرآن اور کتب تفسیر وحدیث کو ہاتھ لگانا

ترجمہ قرآن مجید خواہ کسی بھی زبان میں ہو اردو میں یا فارسی میں یا کسی اور زبان میں صاحب مسائل جدیدہ کی تحقیق کے مطابق اسکو مسلمان شخص کیلئے حالت جنابت میں چھونا مکروہ ہے اس لئے کہ کلام الہی اگرچہ سب الفاظ ہیں مگر مقصود تو معانی اور مفہوم ہیں چنانچہ عالمگیری میں ہے

ولو کان القرآن مکتوباً بالفارسیۃ یکرہ لہم مسہ عند ابی حنیفۃ رح وکذا عندھما علی الصحیح ۱؎

اگر قرآن مجید فارسی زبان میں لکھا ہوا ہو تب بھی ہاتھ لگانا مکروہ ہے امام ابو حنیفہ رح کے ہاں اس طرح صاحبین رح کے نزدیک بھی صحیح روایت کے مطابق ہاتھ لگانا مکروہ ہے ۲؎ اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے ۔

ویکرہ لھم مس کتب التفسیر والفقہ والسنن

کتب تفسیر اور فقہ اور سنن کو بھی ہاتھ لگانا جنبی وغیرہ کیلئے مکروہ ہے یہ حکم علی الاطلاق ہے اس میں قید نہیں کہ کتب تفسیر میں تفسیر اگر غالب ہو تو ہاتھ لگانا جائز ہے اور تفسیر اگر کم ہو تو ناجائز ہے بلکہ مطلق کراہت کا حکم لگایا گیا ہے جبکہ صاحب احسن الفتاوی نے جنبی شخص کیلئے کتب تفسیر وحدیث اور ترجمہ قرآن کے ہاتھ لگانے کو جائز قرار دیکر خلاف اولی لکھا ہے اور در مختار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کتب تفسیر میں تفسیر غالب ہے تو ہاتھ لگانا جائز ہے ورنہ نہیں ۳؎ بہر حال ما نحن فیہ مسئلہ تو ترجمہ قرآن کا ہے جس پر آپ عالمگیری کی تصریح ملاحظہ فرمائی کہ وہ اس کو مکروہ کہتے ہے

۱؎ عالمگیری ص ۳۹ ج ۱ الفصل الرابع فی احکام الحیض الخ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۲؎ مسائل جدیدہ ص ۴۳ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور ۳؎ احسن الفتاوی ص ۳۶ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی

ڈامبر اور ناخن پالش وضوء اور غسل سے مانع ہیں

وضوء اور غسل کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ پانی بدن تک پہنچ جائے اسلیئے جو چیز بدن تک پانی پہنچنے سے مانع ہوگی وہ صحت وضوء اور غسل میں مانع ثابت ہوگی اس ضابطہ کے پیش نظر اب ہم ڈامبر کو دیکھتے ہیں کہ وہ یقیناً جسم تک پانی پہنچنے سے مانع ہے اسلیئے وضوء اور غسل کرتے وقت اس کو دھو کر صاف کرنا ہوگا ورنہ وضوء اور غسل صحیح نہیں ہونگے ہاں اگر کوئی ایسا عذر ہو کہ اس کو لگانا ضروری ہو اور چھوڑنے سے نقصان ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ جبیرہ (پٹی) کے حکم میں ہوگا اس کو الگ کئے بغیر بھی وضوء ہو جائے گا[1] بغیر ضرورت کے لگا کر وضوء کرتا ہے تو وضوء صحیح نہ ہوگا اسلیئے کہ فقہاء کرام گوندھے ہوئے خشک آٹے کو صحت وضوء سے مانع قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ ڈامبر جتنا سخت نہیں ہوتا اور اس کی ضرورت بھی ہے اسی طرح ناخن پالش ہے کہ اس سے نہ وضوء ہوتا ہے نہ غسل نہ نماز آج کل سمجھدار اور تعلیم یافتہ عورتیں بھی اس مسئلہ سے ناواقف ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ناخنوں کی پالش صاف کئے بغیر بھی وضو ہو جائے گا حالانکہ یہ صحیح نہیں اسلئے کہ ناخن پالش کی تہہ جم جاتی ہے جب تک اس کو صاف نہ کیا جائے پانی نیچے نہیں پہنچ سکتا پس وضو کس طرح صحیح ہوگا جبکہ وضو اور غسل میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک بال برابر بھی خشک رہے گا تو وضو اور غسل صحیح نہیں ہوتا پھر یہ کہ ناخن پالش کس ضرورت کے پیش نظر لگائی جاتی ہے سوائے اس کے کہ کفار کی تقلید اپنائی جاتی ہے اور کوئی فائدہ نہیں ہماری مسلم خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ اس میں تزیین ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے عورت کے اعضاء میں فطری حسن رکھا ہے ناخن پالش کا مصنوعی لبادہ غیر فطری چیز ہے

[1] مسائل جدیدہ ص ۳۲ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی۔ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

اس سے کیا حسن میں اضافہ ہوگا پھر اس پر مزید غضب یہ ہے کہ ناپاک چیزوں کی امیزش بھی ہوتی ہے کبھی ناپاک ہاتھ کھانے میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں

ناخن پالش کے نتائج بد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عام طور پر جو عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں وہ اسی کی خاطر ناخن بڑھاتی ہیں ناخن بڑھانے سے آدمی کے ہاتھ بالکل درندوں جیسے لگتے ہیں بسا اوقات ان میں گندگی بھی رہ سکتی ہے جس سے ناخنوں میں جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کو فطرت شمار کیا ہے

ان دس میں سے ایک ناخن تراشنا بھی ہے پس ناخن بڑھانا یقیناً فطرت انسانی کے خلاف ہوگا بھر حال اس قسم کا ناخن پالش جو عورتیں لگایا کرتی ہیں کوئی ضروری چیز نہیں محض زینت کیلئے ہے اور ایسی تزیین جو شرعی فرائض کی صحت سے مانع ہو حرام ہے اس کی موجودگی میں نہ وضو صحیح ہوگا نہ غسل چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے

اَوْ لزق باصل ظفرہ طین یابس اَوْ رطب لم یجز[1]

اصل ناخن سے خشک یا مرطوب مٹی چمٹی ہوئی ہے اور اس پر پانی گذارا جاتا ہے تو وضو درست نہ ہوگا اگر کہیں موت آگئی تو ناخن پالش لگی ہوئی عورت کی میّت کا غسل ناخن پالش صاف کرکے صحیح ہوگا ورنہ نہیں[2]

[1] عالمگیری ص ۴ ج ۱ الفصل الاول فی فرائض الوضوء مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ [2] آپکے مسائل اور ان کا حل ص ۴۷ ج ۲ محمد یوسف لدھیانوی مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن - احسن الفتاوی ص ۲۶ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی - جدید فقہی مسائل ص ۳۰ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

انجکشن ناقض وضوء ہے یا نہیں؟

انجکشن کے ذریعہ باہر سے بدن کے اندر دوائی پہنچائی جاتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ باہر سے جسم کے اندر دوا یا غذا کا جانا ناقض وضوء نہیں البتہ انجکشن پر تھوڑا سا خون لگا رہتا ہے مگر اس خون کی اتنی مقدار نہیں جسے ناقض وضوء کہا جائے چنانچہ فقہاء کرام نے یہ قاعدہ بیان کیا ہیں کہ اگر بالفرض اسکو نہ پونچھا جاتا تو وہ نہ بہتا تو اتنا خون ناقض وضوء نہیں ہے چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل بحوالہ عالمگیری نقل فرماتے ہے

اذا اخرج دم قلیل فمسحہ ثم خرج ایضاً ومسحہ فان کان الدم بحال لو ترک ما قد مسح منہ فسال انتقض وضوءہ وان کان لا یسیل لا ینتقض وضوءہ
اگر زخم سے تھوڑا سا خون نکلے اور پھر پونچھ ڈالے پھر نکلے اور اسکو پونچھ ڈالے تو اگر یہ مجموعہ خون اتنا ہے کہ اگر اسکو چھوڑ دیا جاتا تو بہہ جاتا تو وضوء ٹوٹ جائے گا اور اگر بہنے کے قابل نہیں تو وضوء نہیں ٹوٹے گا البتہ انجکشن اس قسم کا ہو کہ جس کا منشاء ہی خون نکالنا ہو تو اسکی وجہ سے وضوء ٹوٹ جائیگا چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل بحوالہ عالمگیری نقل فرماتے ہیں
للقراد اذا مص عضو انسان فامتلاء دماً ان کان صغیرا لا ینقض وضوءہ کما لو مصت الذباب او البعوض وان کان کبیراً ینقض الخ
چیچڑی جب کسی کا کوئی عضو چوس لے پھر خون بہہ جائے اگر چھوٹا ہو تو وضوء نہیں ٹوٹے گا جیسے مکھی یا مچھر وغیرہ اور اگر بڑا ہو تو وضوء ٹوٹ جائیگا[1] اس عبارت سے صاف طور پر واضح ہے کہ جس انجکشن کا منشاء ہی خون نکالنا ہو اس سے وضوء ٹوٹ جائیگا

جدید فقہی مسائل ص ۳۲ تا ۳۳ خالد سیف اللہ طبع اول حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور [1] جدید فقہی مسائل ص ۳۳ ج ۱ طبع اول حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔ احسن الفتاوی ص ۳۳ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی طبع سوم۔

ریل گاڑی میں تیمّم جائز ہے یا نہیں؟

ریل گاڑی یا موٹر میں نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو ٹرین کی دیواروں سے تیمّم جائز ہے یا نہیں
صاحب احسن الفتاوی نے اس کے جواز کیلئے چند شرائط ذکر کی ہیں

① ریل گاڑی کے دوسرے کسی ڈبے میں پانی نہ ہو
② راستہ میں ایک میل شرعی کے اندر کہیں بھی پانی کا علم نہ ہو
③ ریل گاڑی یا موٹر کے تختے پر اتنا غبار ہو کہ بخوبی ہاتھ پر لگے

شرائط مذکورہ کے ہوتے ہوئے ریل گاڑی کی دیواروں پر تیمّم کرنا درست ہے ورنہ نہیں لے
عموماً سفر کے دوران بس اور ریل گاڑی کی دیواروں پر اتنا غبار جم جاتا ہے
اس لئے اس پر تیمّم درست ہے
چونکہ امام ابو حنیفہ رح کے ہاں گرد و غبار پر بھی تیمّم درست ہے
چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل بحوالہ ہدایۃ ص ۳۲ ج ۱
باب التیمّم نقل فرماتے ہے
وکذا یجوز بالغبار
گرد و غبار پر بھی تیمّم جائز ہے ۲ے

لے احسن الفتاوی ص ۵۵ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی
۲ے جدید فقہی مسائل ص ۳۱ ج ۱ طبع حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ٹسٹ ٹیوب سے غسل کا وجوب

ٹسٹ ٹیوب کی یہ صورت ہوتی ہے کہ عورت مرد دونوں سے جرثومے حاصل کئے جاتے ہیں بارہ ہفتہ ایک ٹیوب میں رکھا جاتا ہے جس میں وہ تمام لوازمات پائے جاتے ہیں جو کہ رحم مادر میں پائے جاتے ہیں پھر انکو غیر فطری طور پر رحم مادر میں انجکشن کے سرنج کے ذریعہ سے یا خود اسی ٹیوب کے ذریعہ داخل کیا جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ ٹیوب انجکشن کے ذریعہ منی کا داخل کرنا موجب غسل ہے یا نہیں تو جواباً عرض ہے کہ علماء کرام نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ طریقہ موجب غسل نہیں جس طرح عورت کی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنا موجب غسل نہیں اسی طرح یہ طریقہ بھی موجب غسل نہ ہوگا چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ درمختار نقل کیا ہے

ولا عند ادخال اصبع ونحوہ کذکر غیر ادمی[1]

یعنی غسل انگلی داخل کرنے سے یا کسی غیر انسان کے آلہ تناسل کے داخل کرنے سے واجب نہ ہوگا پھر اس کے علاوہ علماء کرام نے وجوب غسل کیلئے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ مجرد مادہ تولید کا دخول اور خروج موجب غسل نہیں ہے بلکہ انسان اس عمل کی وجہ سے جو جنسی لذت اور کیف محسوس کرتا ہے اور جو لذت پورے جسم کو پہنچتی ہے شریعت غسل کے ذریعہ اس کو پاک کرنا چاہتی ہے اب ٹسٹ ٹیوب کے ذریعہ جو منی رحم مادر میں داخل کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے وہ تسکین حاصل نہیں ہوتی جو اپنے شوہر کیساتھ ہم بستری میں ہوتی ہے اس لئے یہ عمل موجب غسل نہ ہوگا[2] اس طریقہ کار کی شرعی حیثیت کیا ہے اس طریقہ سے پیدا ہونے والی نسل کی قانونی وشرعی حیثیت کیا ہوگی اور نسب کس کا ہوگا اس پر علماء کرام کی تفصیلی آراء انشاء اللہ العزیز کتاب الحظر والاباحۃ میں ہم تحریر کرینگے

---

[1] جدید فقہی مسائل ص ۳۱ ج ۱ خالد سیف اللہ حرا پبلی کشنز اردو لاہور درمختار ص ۱۲۲ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ طرنی روڈ کوئٹہ
[2] جدید فقہی مسائل ص ۳۱ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی طبع حرا پبلی کشنز اردو بازار لاہور

نرودھ کی صورت میں وجوب غسل

نرودھ کی صورت میں غلاف اتنا باریک ہوتا ہے کہ اس کے حائل ہونے کے باوجود طرفین لذت حاصل کرتے ہیں اور اس کی صنعت کا منشا بھی یہی ہے کہ جنسی لطف حاصل ہو لیکن اولاد کا بار نہ اٹھانا پڑے چونکہ فقہاء کرام نے وجوب غسل کا مدار بھی دو چیزوں پر رکھا ہے ایک تو شہوت کے ساتھ خروج منی ہو دوم حشفہ (سپاری) کے مقدار عضو مخصوص کا ادخال یہی وجہ ہے کہ اگر عضو مخصوص کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر داخل کیا جائے کہ جس سے جسم کی حرارت ایک دوسرے کو محسوس نہ ہو اور لطف اندوز نہ ہو سکے اور انزال بھی نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا لیکن نرودھ میں چونکہ غلاف باریک ہوتا ہے اور طرفین لطف اندوز ہو جاتے ہیں اس لئے اس سے غسل واجب ہوگا[1]

[1] جدید فقہی مسائل ص ۳۹ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی کشنز اردو بازار لاہور

پیشاب سے بنا ہوا نمک ناپاک ہے

پیشاب کو پکا پکا کر اس کی کھار نکال لیتے ہیں یہ پیشاب کا نمک ہے آیا یہ پاک ہے یا ناپاک صاحب فتاویٰ خلیلیہ نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ناپاک ہے اور اس میں قلب ماہیۃ (تبدیلی ماہیت) بھی نہیں ہوا ہے ع۱

جبکہ صاحب جدید فقہی مسائل نے احتیاط اس میں لکھا ہے کہ اس کو حرام اور ناپاک سمجھا جائے چنانچہ وہ فرماتے ہے کہ ایک ہوتا ہے استحالہ (حقیقت) کا بدل جانا دوئم تجربہ اور تحلیل کہ ایک شئی کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے الگ کر دینا اول (حقیقت بدل جانے) کی صورت میں احکام بدل جاتے ہیں مگر ثانی تجزیہ کی صورت میں احکام نہیں بدلتے اب یہاں سوال یہ ہے کہ یہاں بھی حقیقت بدل گئی ہے یا صرف مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے الگ کیا گیا ہے زیر بحث مسئلہ میں اس کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو حرام اور ناپاک سمجھا جائے ع۲

ع۱ فتاویٰ خلیلیہ ص ۸۳ مکتبہ الشیخ ۳/۳۴۷ بہادر آباد کراچی ۵ مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا خلیل احمد ع۲ جدید فقہی مسائل ص ۲۸۰ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

صابن میں ناپاک اشیاء

آج کل جو ولایتی صابن استعمال کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ان میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے اس وجہ سے ان کے استعمال میں تردّد پیدا ہوگیا ہے اس بارے میں علماء کرام کی آراء بھی کچھ مختلف ہیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رح کی رائے یہ ہے کہ اوّل تو یہ امر محقق نہیں کہ واقعتاً صابن میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے اسلئے کہ غیر مسلم (نصاریٰ) وغیرہ کے ہاں خنزیر کا استعمال اگرچہ جائز ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ صابن میں وہ خنزیر کی چربی ڈالی گئی ہو پھر یہ کہ یوروپین کارخانے تجارت کی غرض سے صابن بناتے ہیں اور ایسے ذرائع مہیا کرتے ہیں جن سے ان کی مصنوعہ اشیاء کی تجارت میں ترقی ہو اسلئے وہ یہ اشتہار بھی بسا اوقات دیتے ہیں کہ اس چیز میں بنانے کے وقت ہاتھ نہیں لگایا ہے اس چیز میں کسی کے مذہب کے خلاف کوئی چیز نہیں ڈالی گئی ہے اور اس کو ہر مذہب کے لوگ استعمال کرسکتے ہیں ان باتوں سے انکا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہو اور ان کی تجارت ہر قوم میں عام ہو جائے اور ہر تجارت کرنے والے کیلئے پہلا اور مہتم بالشان اصول بھی یہی ہے کہ وہ کسی قوم کی مذہبی جذبات اور قومی خیالات کو نظر انداز نہ کرے جن کی وجہ سے اس کی تجارت کو نقصان ہو اہل یورپ جو اکثر اطراف عالم میں اپنا مال پھیلانا چاہتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمان خنزیر کو حرام مطلق سمجھتے ہیں اسلئے وہ اپنی تجارت کو رواج دینے کی غرض سے انکا فرض ہے کہ ایسی چیزیں نہ ڈالیں جس سے ان کی تجارت کو نقصان ہو ٹھیک ہے کہ اہل یورپ سے یہ چیزیں ممتنع اور محال تو نہیں اس کا امکان ہے کہ وہ حرام چیزیں بھی ملاوٹ کرلیں مگر غالب گمان یہ ہے کہ ایسی چیزیں وہ نہیں ڈالتے ہونگے

جیسے کہ ہندو لوگ کہ ان کے نزدیک بہت سی چیزیں مثلاً گائے کا گوبر اور پیشاب ناپاک نہیں بلکہ انکو متبرک سمجھا جاتا ہے مگر اس کے باوجود ہندوؤں کے ہاں سے جو مٹھائی تجارت کی غرض سے بنائی جاتی ہے اس میں وہ لوگ اس قسم کی کوئی چیز ملاوٹ نہیں کرتے اور ان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائی اور بہت سی خوردنی چیزیں مسلمان استعمال کرتے ہیں اور اس کا استعمال کرنا شرعاً جائز بھی ہے یہ اسلئے کہ ہندو دوکاندار جانتے ہیں کہ مسلمان اور دیگر اقوام ہندوؤں کے بغیر گائے کے گوبر اور پیشاب کو ناپاک سمجھتے ہیں اگر ہم ان میں ملاوٹ کرینگے تو مسلمان اور دیگر اقوام کی طرف سے ہماری تجارت کو نقصان ہوگا اس لئے وہ تجارتی اشیاء کو ایسی ناپاک چیزوں سے علیحدہ اور صاف رکھتے ہیں تاکہ خریداروں کو ان سے خریدنے میں تامل نہ رہے پھر یہ کہ یہ صرف صابن کا مسئلہ نہیں بلکہ اہل یورپ کے تمام مصنوعات کی طہارت ونجاست اسی قاعدہ کلیہ پر متفرع ہیں مثلاً ولایتی کپڑے خصوصاً رنگین جو عموماً مسلمان استعمال کرتے ہیں کس کو کیا خبر ہے کہ ان رنگوں میں کیا کیا ملایا گیا ہے اور کون کونسی پاک اور ناپاک چیزوں کی ان میں آمیزش ہوتی ہے لیکن جب تک یقینی طور پر یا ظن غالب سے یہ ثابت نہ ہو کہ ان میں کوئی ناپاک چیز ملائی گئی ہے اس وقت تک ان پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے

(ثانیاً) یہ کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ صابن میں خنزیر کی چربی یا کوئی اور ناپاک چیز پڑتی ہے تب بھی صابن کا استعمال کرنا جائز ہوگا چونکہ صابن بن جانے کے بعد وہ پاک ہو جاتی ہے چنانچہ صاحب کفایت المفتی نے بحوالہ درمختار نقل فرمایا ہے

ویطھر زیت تنجس بجعلہ صابونا بہ یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس لا بأس بالخبز فیہ ؎۱

؎۱ درمختار ص ۲۳۱ ج ۱ باب الأنجاس مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

یعنی روغن زیتون ناپاک ہو تو صابن بنا لینے سے پاک ہو جاتا ہے عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے جیسے کہ تنور میں ناپاک پانی چھڑک دیا جائے تو اس میں روٹی پکانے کا مضائقہ نہیں۔ رد المحتار میں ہے

جعل الدھن النجس فی صابون یفتٰی بطھارتہ لأنہ تغیّر والتغیّر یطھر عند محمد رح ویفتٰی بہ للبلوٰی ؏۱

ناپاک تیل صابن میں ڈالدیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت بدل گئی اور تبدیلیٔ حقیقت امام محمد رح کے نزدیک پاک کر دیتی ہے عموم بلوی کے پیش نظر اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے علامہ کاسانی رح نے امام محمد رح کے اس بیان کردہ ضابطہ اور قاعدہ پر کئی مسائل بیان فرمائے اس قول کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وجہ قول محمد ان النجاسۃ لما استحالت وتبدلت اوصافھا ومعانیھا خرجت عن کونھا نجسۃ ؏۲

نجاست جب ایک حالت سے دوسری حالت میں منقلب ہو جاتی ہے اور اس کے اوصاف اور معانی تبدیل ہو جائیں تو اب وہ نجسیت کے حکم سے خارج ہو گا قاضی خان میں ہے وکذا العذرۃ اذا احرقت وصارت رماداً والطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر وطبخ بہ یکون طاہراً ؏۳

یعنی پاخانہ کو جلا کر اس کی حقیقت بدل دیجائے اور راکھ بن جائے تو اس تبدیلیٔ حقیقت سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ رد المحتار میں ہے

قد ذکر ھذہ المسئلۃ العلامۃ قاسم فی فتاواہ وکذا ما سیأتی متناً وشرحاً

؏۱ رد المحتار ص ۲۳۱ ج ۱ باب الانجاس مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ؏۲ بدائع الصنائع ص ۸۵ ج ۱ ایچ ایم سعید کراچی ؏۳ فتاوی قاضی خان علی ھامش عالمگیری ص ۲۲ ج ۱ الفصل الثانی فیما لا یجوز بہ التوضؤ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

من مسائل التطھیر بانقلاب العین و ذکر الادلۃ علی ذلک بما لا مزید علیہ وحقق و دقق کما ھو دأبہ فلیراجع ثم ھذہ المسئلۃ قد فرعوھا علی قول محمد بالطھارۃ بانقلاب العین الذی علیہ الفتوی واختارہ اکثر المشائخ خلافا لابی یوسف رح کما فی شرح المنیۃ والفتح وغیرھما[1]

یعنی اس مسئلہ کو علامہ قاسم نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح وہ مسائل جو متن و شرح میں آگے آتے ہیں کہ انقلاب عین اور تبدیلی حقیقت پر طہارت کا حکم دیا گیا ہے اور علامہ قاسم نے اس کے دلائل نہایت تحقیق اور تدقیق سے بیان فرمائی ہیں جیسا کہ یہ ان کا طریقہ ہے پھر یہ مسئلہ فقہاء نے امام محمد رح کے قول پر متفرع کیا ہے کہ ان کے نزدیک انقلاب عین سے پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے اور اسی کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے امام ابو یوسف کا اسمیں اختلاف ہے جیسا کہ شرح منیہ اور فتح القدیر میں مذکور ہے عبارت مذکورہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں

① انقلاب حقیقت سے طہارت و نجاست کا حکم بدل جاتا ہے

② یہ قول امام محمد رح کا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے چونکہ عموم بلویٰ اسمیں ہے اس لئے اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے

③ نجس تیل یا چربی وغیرہ کی حقیقت صابن میں بدل جاتی ہے اور اس سے انقلاب عین حاصل ہو جاتا ہے پس واضح ہو گیا کہ صابن خواہ کسی چیز کی چربی یا روغن نجس سے بنایا جائے لیکن صابن بننے کے بعد وہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال جائز ہے اس لئے کہ تغیر حقیقت کی وجہ سے روغن نجس اور چربی نہیں رہا بلکہ صابن بن گیا جیسے مشک اصل میں خون ہوتا ہے اور ناپاک ہوتا ہے لیکن مشک بننے کے بعد وہ پاک اور جائز الاستعمال ہو جاتا ہے لہذا صابن کے استعمال کیلئے کسی قسم کی تحقیقات کی ضرورت نہیں کہ اس کے اجزاء کیا ہیں پاک ہے یا ناپاک اس لئے کہ حقیقت

[1] رد المحتار ص ۲۳۱ ج ۱ باب الانجاس مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

کی تبدیلی اس کی طہارت کے لئے کافی ہے باقی یہ شبہ صحیح نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم روغن کیساتھ خاص ہو چونکہ روغن کا اصل پاک ہے ناپاکی عارضی ہے باقی خنزیر کی چربی کیلئے یہ حکم نہ ہو کہ وہ نجس العین ہے یہ شبہ اور اشکال اسلئے صحیح نہیں کہ انقلاب عین اور تغییر عین کے باعث پاک ہو جانا یہ حکم نجس العین اور غیر نجس العین سب کیلئے یکساں ہے خون بھی نجس العین ہے لیکن مشک بننے کے بعد وہ پاک ہو جاتا ہے پھر یہ کہ خود خنزیر کا انقلاب عین کے باعث پاک ہونا روایات سے ثابت ہے چنانچہ درمختار میں ہے

ولا ملح کان حمارًا او خنزیرًا ولا قذر وقع فی بئر فصار حماة لأنقلاب العین به یفتی ع۱

یعنی وہ نمک ناپاک نہ ہوگا جو دراصل گدھا یا خنزیر تھا اور وہ پلیدی جو کنوئیں میں گر کر کیچڑ بن جائے ناپاک نہیں کیونکہ انقلاب حقیقت ہو گیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے عبارت مذکورہ کے تحت علامہ شامیؒ فرماتے ہے

قولہ۔ لانقلاب العین علة للکل هذا قول محمدؒ وذکر معه فی الذخیرة والمحیط اباحنیفه (حلیه) قال فی الفتح وکثیر من المشائخ اختاروه وهو المختار لان الشرع رتب وصف النجاسة علی تلک الحقیقة وتنتفی الحقیقة بانتفاء بعض اجزاء مفهومها فکیف بالکل فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صار ملحًا ترتب حکم الملح وتطهیره فی الشرع النطفة نجسة وتصیر علقة وهی نجسة وتصیر مضغة فتطهر والعصیر طاهر فیصیر خمرًا فینجس ویصیر خلًا فیطهر فعرفنا ان استحالة العین تستتبع زوال الوصف المرتب علیها ع۲

یعنی مصنفؒ کا یہ قول کہ انقلاب عین سے طہارت حاصل ہوتی ہے یہ قول گدھے اور خنزیر کے نمک اور پلیدی کے کیچڑ بن جانے کے بعد پاک ہونے کی دلیل ہے یہ قول امام محمد کا ہے ذخیرہ اور محیط میں امام ابو حنیفہؒ کو بھی امام محمد کیساتھ ذکر کیا گیا ہے

ع۱ درمختار ص ۲۳ ج ۱ باب الانجاس مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ع۲ ردالمحتار ص ۲۳۹ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ بہت سے مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب مختار ہے اس لئے کہ نجاست بعض اجزاء کے منتفی ہونے سے منتفی ہو جاتی ہے تو پھر مکمل تبدیل ہونے سے کس طرح منتفی نہ ہوگی کیونکہ نمک گوشت اور ہڈی کے مغایر ہے اس کی نظیر شریعت میں یہ ہے کہ نطفہ ناپاک ہوتا ہے پھر وہ علقہ (بستہ خون) بن جاتا ہے اور وہ بھی ناپاک ہوتا ہے پھر مضغہ (گوشت بنکر) پاک ہو جاتا ہے اور شیرہ [illegible] سرکہ بنکر پاک ہو جاتا ہے اس سے ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ حقیقت کی تبدیلی اس وصف کے زوال کو مستلزم ہے جو اس حقیقت پر مرتب تھا

فتاوی عالمگیری میں ہے

الحمار والخنزير اذا وقع فى المملحة فصار ملحا او بئر البالوعة اذا صار طينا يطهر عندهما خلافا لابى يوسف ع[1]

یعنی گدھا اور خنزیر نمک کے کان میں گر کر نمک بن جائے یا نجاست کا کنواں بالکل کیچڑ ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب ہے لیکن امام ابو یوسف رح کا اس میں اختلاف ہے صاحب رد المحتار نے یہاں تک بھی لکھا ہے کہ یجوز اکل ذلک فیہ اس نمک کا کھانا بھی جائز ہے غنیۃ المستملی میں ہے

ولو احرقت العذرة او الروث فصار كل منهما مادا او مات الحمار فى المملحة وكذا ان وقع فيها بعد موته وكذا الكلب والخنزير لو وقع فيها فصار ملحا او وقع الروث ونحوه فى البير فصار حمئة زالت نجاسته وطهر عند محمد خلافا لابى يوسف فان عنده الحرق لا يطهر العين النجسة بل يبقى الرماد نجسا لانه اجزاء تلك النجاسة فتبقى النجاسة من وجه فالتحقت بالنجس من كل وجه احتياطا واختار صاحب الهداية فى التجنيس قول

[1] فتاوی عالمگیری ص ۴۵ ج ۱ الباب السابع فی النجاسۃ و احکامھا مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

ابی یوسف رح واکثر المشائخ اختار و قول محمد رح و علیہ الفتویٰ لان الشرع رتب وصف النجاسۃ علی تلک الحقیقۃ وقد زالت بالکلیہ فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صارت الحقیقۃ ملحًا ترتب علیہ حکم الملح وکذا الرماد حتی لو اکل الملح وصلی علی ذلک الرماد جاز ونظیرہ النطفۃ نجسۃ وتصیر علقۃ وھی نجسۃ وتصیر مضغۃ فتطہر وکذا الخمر تصیر خلاً فعلم ان استحالۃ العین تستتبع زوال الوصف المرتب علیھا وعلی قول محمد رح فرعوا طہارۃ صابون صنع من دھن نجس وعلیہ یتفرع مالو وقع انسان او کلب فی قدر الصابون فصار صابونا یکون طاہرًا لتبدل الحقیقۃ[1]

یعنی پاخانہ اور گوبر جلا کر راکھ کر دیئے جائیں یا گدھا نمک کے کان میں گر کر مر جائے یا مرنے کے بعد گر جائے اسی طرح کتا یا خنزیر گر جائیں اور نمک بن جائیں یا گوبر یا اس جیسی اور نجاست کنوئیں میں گر جائیں اور کیچڑ بن جائیں تو نجاست زائل ہو جائیگی اور امام محمد رح کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے خلاف امام ابو یوسف رح کے کہ انکے ہاں نجاست کو جلانا نجاست کو پاک نہیں کر سکتا بلکہ وہ راکھ نجس رہے گا کیونکہ یہ راکھ اسی نجاست کے اجزاء سے حاصل ہے لہذا یہ نجاست من وجہ باقی ہے احتیاطاً اس کو نجس کہا جائے گا صاحب الھدایہ نے تجنیس میں امام ابو یوسف رح کے قول کو پسند فرمایا ہے لیکن اکثر مشائخ نے امام محمد رح کے قول کو لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ شریعت نے نجاست کا حکم اسی حقیقت پر لگائی تھی جو بالکلیہ زائل ہو گئی ہے کیونکہ نمک گوشت اور ہڈی سے ایک الگ چیز ہے اسی طرح راکھ بھی نجس شئی سے ایک الگ چیز ہے یہاں تک کہ اگر کوئی وہ نمک کھاتا ہے یا اس پر کوئی نماز پڑھتا ہے تو جائز ہے اور اس کی نظیر نطفہ ہے کہ وہ ناپاک ہے پھر بستہ خون

[1] غنیۃ المستملی ص ۱۸۸ فصل فی الآسار۔ للشیخ ابراہیم الحلبی رح طبع سہیل اکیڈمی لاہور

بن جاتا ہے پھر گوشت کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے اسی طرح شراب ہے کہ یہ نجس ہے لیکن سرکر بن کر وہ پاک ہو جاتا ہے معلوم ہو گیا کہ عین نجاست کی تبدیلی تقاضا کرتی ہے کہ اسی پر جو وصف مرتب ہے وہ بھی تبدیل ہو جائیں امام محمدؒ کے اسی قول پر متفرع ہے اس صابون کی طہارت جو ناپاک تیل سے بنایا گیا ہو اور اور اسی قول پر یہ بھی متفرع ہے کہ انسان یا کتا صابون کی دیگ میں گر کر صابن بن جائیں تو پاک ہو جائیں گے کیونکہ حقیقت بدل گئی مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ گدھا خنزیر کتا انسان انقلاب حقیقت کے حکم میں سب برابر ہیں اور ان میں تفاوت نہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نمک کے کان میں گر کر مر جائیں یا مرے ہوئے گر جائیں دونوں حالتوں میں حکم یکساں ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان جسکے اجزاء سے انتفاع حاصل کرنا بوجہ کرامت کے اور خنزیر جسکے اجزاء سے انتفاع حاصل کرنا بوجہ نجاست کے اس وقت تک ہے جب کہ تبدل اور انقلاب حقیقت طاہرہ کی طرف نہ ہو لیکن جب کہ حقیقت طاہرہ کی طرف ان کا انقلاب ہو جائے تو پھر ان پر خنزیر اور میتہ کا حکم باقی نہیں لگتا بلکہ یہ پاک اور طاہر شمار کئے جاتے ہیں یہاں پر کسی کو یہ شبہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے

کہ خنزیر نص قرآن سے ناپاک اور نجس ہے صابن بننے کے بعد اس پر طہارت کا حکم لگانا نص قرآن کا معارض ہوگا

لیکن یہ شبہ اسلئے صحیح نہیں کہ خنزیر کا صابن بننے کے بعد پاک ہونا اور گدھے کا نمک کے کان میں نمک بننا اور پاک شمار کیا جانا یہ گدھے اور خنزیر کو پاک کہنا نہیں ہے

کہ نص قرآن کا اس کو معارض شمار کیا جائے بلکہ انقلاب حقیقت کے بعد یہ الگ الگ حقیقتوں میں منقلب ہو گئیں پاکی کا حکم لگانا یہ حقیقت آخر پر ہے نہ کہ عین خنزیر اور گدھے پر

جیسے دیکھئے نص قرآنی سے شراب کا حرام ہونا ثابت ہے لیکن سرکہ بننے کے بعد وہ پاک اور حلال ہو جاتی ہے

پس جس طرح شراب کو سرکہ بننے کے بعد پاک اور طاہر کہنا نص قرآنی کا معارض نہیں
اسی طرح خنزیر اور میتۃ کا تبدل اور انقلاب حقیقت کے بعد پاک ہونا نص قرآنی
کا معارض شمار نہیں کیا جائے گا چونکہ شریعت نے جس حقیقت پر نجس ہونے کا حکم لگایا ہے وہ اور ہے
اور وہ حقیقت ہی اب نہ رہی انقلاب حقیقت کے بعد ایک الگ حقیقت پیدا ہوگئی
جس کو شریعت کی نظر میں پاک شمار کیا جاتا ہے لہٰذا طاہر اور پاک شئی آخر ہے نجس کسی اور
چیز کو کہا گیا تھا نجس اور طاہر کے احکام کا ایک محل ہی نہیں تو پھر معارضہ اس کو کس طرح کہا جا
سکتا ہے لیکن یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خنزیر اور میتۃ کی چربی سے بنا ہوا صابن
اگرچہ جائز الاستعمال ہے لیکن کسی مسلمان کو یہ ہرگز روا اور جائز نہیں کہ وہ خنزیر اور میتۃ کی
چربی سے صابن بنا کر استعمال کریں کیونکہ قصداً ان چیزوں کو صابن بنانے کیلئے
استعمال کرنا جائز نہیں یہ الگ بات ہے کہ غیر مسلموں کے صابن بنانے کے بعد ان کا استعمال
جائز ہو جاتا ہے یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انقلاب حقیقت کے بعد حکم بدل جاتا ہے
لیکن انقلاب حقیقت کی کیا تعریف ہے
سو اس بارے میں واضح ہو کہ انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شئی اپنی حقیقت چھوڑ کر
حقیقت آخرہ میں منقلب اور تبدیل ہو جائے اور حقیقت اولیٰ کے آثار مختصہ بھی اس میں
باقی نہ پائے جائیں
جیسا کہ شراب کا حال ہے کہ سرکہ بننے کے بعد شراب کے آثار بالکل زائل ہو جاتے ہیں
بعض آثار کا زائل ہو جانا یا بوجہ قلت آثار کے محسوس ہی نہ ہونا موجب انقلاب حقیقت
نہیں ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اگر آٹے میں شراب ملایا جائے
اور آٹا گوندھ لیا جائے اور روٹی پکائی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے
یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب یا پیشاب ملا جائے تو وہ پانی ناپاک ہے
حالانکہ روٹی اور پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا لیکن شراب نے

ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اسلئے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزاء کے ہے چونکہ شراب کے اجزاء کم تھے اور آٹے کے اجزاء زیادہ اسلئے وہ روٹی میں محسوس نہیں لہذا اس کو اختلاط کہا جائیگا

انقلاب نہیں کہا جائے گا اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ حقیقت منقلبہ کی بعض کیفیات غیر مختصہ کا باقی رہنا بھی مانع انقلاب نہیں جیسے کہ شراب ہے سرکہ بننے کے بعد بھی اس کی بو قت باقی رہنا انقلاب حقیقت سے مانع نہیں

یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ انقلاب عین کی وجہ سے تبدل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور و احتیاط سے کام لینا چاہیئے اسلئے کہ بسا اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے اختلاط کو انقلاب اور انقلاب کو اختلاط سمجھا جاتا ہے خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ صابن وغیرہ میں ناپاک اشیاء کی ملاوٹ اولاً متحقق نہیں ثانیاً اگر معلوم ہو کہ واقعتاً ان میں میتہ اور خنزیر کی چربی کی ملاوٹ ہے تب انقلاب حقیقت کی باعث صابون کو طاہر اور پاک شمار کیا جائے گا اکثر علماء کی یہی رائے ہے اور سہولت بھی اسی میں ہے علہ

جبکہ اس کے برخلاف صاحب فتاوی خلیلیہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کا یہ قول کہ انقلاب حقیقت سے احکام تبدیل ہوتے ہیں یہ قاعدہ کلّیہ تو صحیح ہے مگر اس پر متفرع بعض مثالیں جنکو بعض فقہاء استحالہ اور انقلاب حقیقت کی قبیل میں سے قرار دیتے ہیں اسمیں مجھے تردد ہے مثلاً صاحب بدائع نے جو نقل کیا ہے

علہ ملاحظہ ہو کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۷۷ ج ۲، ۲ تا ص ۲۸۴ ج ۲، طبع امدادیہ ملتان - فتاوی خلیلیہ ص ۸۳ تا ص ۹۴ ج ۱، مولانا خلیل احمد سہارنپوری مکتبہ الشیخ بہادر آباد کراچی ۵، فتاوی محمودیہ ص ۱۵۹ ج ۵ مفتی محمود الحسن گنگوہی طبع کتب خانہ مظہری گلشن اقبال ۲ کراچی - جدید فقہی مسائل ص ۲۸۲ ج ۱ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ان النجاسة اذا تغيرت بمضی الزمان وتبدلت اوصافها تصير شيئاً آخر عند محمد فيكون طاهراً
وعند ابی یوسف رح لايصير شيئاً آخر فيكون نجساً وعلى هذا الاصل مسائل بينها
منها الكلب اذا وقع فی الملاحة والجمد والعذرة اذا احرقت بالنار وصارت رماداً
وطين البالوعة اذا جف ذهب اثره والنجاسة اذا دفنت فی الارض وذهب اثرها بمرور الزمان[1]

نجاست اس پر زمانہ گزر جانے کی وجہ سے تبدیل ہو جائے اور اسکے اوصاف تبدیل ہو جائیں
تو وہ ایک الگ حقیقت بنتی ہے اور پاک ہو جاتی ہے امام محمدؒ کے نزدیک
البتہ امام ابو یوسف رح کے ہاں وہ شئی آخر نہیں بنتی اور پاک نہیں ہوتی۔
اس قاعدہ کلیہ پر طرفین کے درمیان کچھ مسائل ہیں من جملہ ان مسائل میں سے
(یہ مثالیں ہیں) کتا جب نمک کے کان میں گر جائے یا برف میں یا گندگی کو جلا کر راکھ
بنادی جائے گندی نالی کی کیچڑ جب خشک ہو جائے اور اس کا اثر ختم ہو جائے
اسی طرح نجاست کو زمین میں دفن کر دی جائے اور اس کا اثر زمانہ گزر جانے کے باعث
ختم ہو جائے امام محمدؒ کے ہاں پاکی اور طہارت آئیگی
بر خلاف امام ابو یوسف رح کے ۔ ان مثالوں پر حضرت سہارنپوریؒ نے یہ تردد ظاہر کیا ہے
کہ مثلاً کتے کا جمد (برف) میں پڑنے کو مغیر شمار کیا گیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے
اسلئے کہ برف اجزاء حیوانی کیلئے مغیر (تبدیل کرنے والا) نہیں بلکہ حافظ (حفاظت کرنے
والا) ہے برف میں پڑنے سے شئی منقلب نہیں ہوتا ہے بلکہ باقی رہتا ہے اسلئے وہ
فرماتے ہے کہ وہ فقہاء کرام نے جو اس قسم کی مثالوں میں لکھا ہیں کہ ان میں
تبدیلی حقیقت سے طہارت کا حکم کیا جائے گا
اس قسم کے اقوال فقہاء کرام کے قضیہ شرطیہ کے درجہ میں ہیں جس کا مطلب یہ ہوگا

① بدائع الصنائع بحوالہ فتاوی خلیلیہ ص ۹۵ و ۹۶

اگر برف میتہ کیلئے مغیر ہو تو طہارت کا حکم لگایا جائے گا ورنہ نہیں
اور یہ واضح بات ہے کہ برف مغیر نہیں ہے (انتفاء شرط ہے)
تو طہارت کا حکم بھی نہیں لگایا جائے گا (انتفاء مشروط ہوگا)
یہی حال ناپاک تیل اور خنزیر وغیرہ کی ناپاک چربی کا ہے
کہ صابن کے اندر پڑنے سے ان میں انقلاب فوراً نہیں آتا جیسا کہ بالکل واضح ہے
کہ صابن کے اندر دھن (تیل) موجود ہے ہاں بعد مرور زمانہ کے جب صابن
خشک ہو جائے اور اس کی شوریت دھن (تیل) اور چربی کو ختم کردیں تو پھر
اس پر طہارت کا حکم لگایا جائیگا ورنہ نہیں اس تقریر کے بعد ولایتی صابن
کو خیال کرنا چاہیئے کہ اس میں بھی تاوقتیکہ دھن اور چربی کی حقیقت مستحیل ہو کر
دوسری حقیقت نہ بن جائیگی اس وقت تک اس پر طہارت کا حکم نہیں لگایا جائیگا
اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ دھنیت کا اثر شوریت سے بالکل زائل ہو کر معدوم ہو جائے [1]
بہر حال یہ قول حضرت کا احتیاط پر مبنی ہے جبکہ سہولت قول اوّل میں ہے

فمن شاء اخذ بھذا ومن شاء اخذ بذاک

[1] فتاویٰ خلیلیہ ص ۹۵ تا ۹۶ خلیل احمد سہارنپوری مکتبہ الشیخ بہادر آباد کراچی ء۔ن

سینٹ پاک ہے یا نہیں

آج کل جو جدید طرز کے سینٹ استمال کئے جاتے ہیں یہ پاک ہیں یا ناپاک
مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہے کہ میں نے بعض معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ اس میں کوئی ناپاکی نہیں ہوتی اس لئے اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا [1]
اس کے برخلاف صاحب جدید فقہی مسائل اور صاحب فتاوٰی رحیمیہ کا قول یہ ہے کہ اس میں الکوہل کے اجزاء پائے جاتے ہیں اور الکوہل شراب نہیں بلکہ روحِ شراب ہے اور شراب چونکہ حرام بھی ہے اور ناپاک بھی قرآن کریم میں سورۃ مائدہ میں اس کو (رجس) قرار دیا گیا ہے لہذا ایسی چیز کا خارجی اور بغیر ضرورت کے استعمال درست نہ ہوگا [2]
بہرحال دونوں قول شک اور تردد پر مبنی ہیں صاحب فتاوٰی محمودیہ فرماتے ہے کہ جب تک سینٹ میں ناپاکی کا ظن غالب یا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو ناپاک اور نجس نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کا استعمال کرنا جائز ہے [3]
اصل میں فریقین (قائلین جواز وقائلین عدم جواز) کا اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ آیا اس میں اسپرٹ (الکوہل) کی ملاوٹ ہے یا نہیں پھر الکوہل پاک ہے یا ناپاک اسمیں بھی کسی کو تحقیق نہیں کچھ حضرات الکوہل کو ناپاک کہتے ہیں جیسا کہ صاحب جدید فقہی مسائل کا قول گذرا ہے

[1] آپکے مسائل اور ان کا حل ص ۱۳۹ ج ۲ محمد یوسف لدھیانوی مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن
[2] جدید فقہی مسائل ص ۱۴۵ ج ۱ خالد سیف اللہ طبع حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
[3] فتاوٰی محمودیہ ص ۱۸۳ ج ۵ مفتی محمود حسن گنگوہی طبع کتب خانہ مظہری گلشن اقبال ۲ کراچی

اس طرح صاحب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے اس کو ناپاک کہا ہے ۔ مل اور کچھ علماء ... اسپرٹ کی پاکی اور ناپاکی میں بھی تردد کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ صاحب فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن کے ان الفاظ سے ظاہر ہے (قولہ اگر اسپرٹ ناپاک ہے تو وہ سینٹ جس میں یہ اسپرٹ ہو وہ بھی ناپاک ہے اور اس کا استعمال ممنوع ہے) انتھی ۲ے بہرصورت سینٹ کی پاکی اور ناپاکی کا مدار الکوہل (اسپرٹ) پر ہے اور اسپرٹ کے بارے میں بھی تردد ظاہر کیا گیا ہیں اسپرٹ کے بارے میں سب سے بہتر اور قول فیصل حضرت مفتی رشید احمد صاحب کا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہے کہ اسپرٹ اگر انگور کشمش یا کھجور سے حاصل کیگئی ہو تو بالاتفاق نجس ہے اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو تو شیخین رح کے نزدیک پاک اور امام محمد رح کے نزدیک نجس ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور االکحل کیلئے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی لہذا شیخین رح کے قول کے مطابق پاک ہے حضرات فقہاء کرام نے اگرچہ فساد زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رح کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے مگر آج کل ضرورت تداوی وعموم بلوی کی رعایت کے پیش نظر شیخین رح کے قول پر طہارت کا فتوی دیا جاتا ہے ویسے بھی اصول فتوی کے لحاظ سے قولِ شیخین رح کو ترجیح ہوتی ہے الا لعارضٍ ۳ے اس عبارت میں واضح ثبوت ہے کہ آج کل کے اسپرٹ جبکہ کھجور وغیرہ سے نہیں بنائی جاتی ہے اسلئے پاک ہے لہذا سینٹ بھی پاک ہوگا

لے فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۳۰۹ ج ۱ مفتی عزیز الرحمان مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان
۲ے فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۱۷۱ ج ۵ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
۳ے احسن الفتاوی ص ۹۵ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی

اور اس کا استعمال جائز ہوگا لیکن تاہم اگر کوئی احتیاطاً اجتناب کرے تو بہت بہتر ہے اس بحث سے اسپرٹ و ٹنکچر کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ وہ پاک ہیں یا ناپاک صاحب جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ جوہرِ شراب ہیں اور ناپاک ہیں لہٰذا خواہ مخواہ ان کو لگانا درست نہ ہوگا البتہ بطور دوا کے جبکہ کوئی اور متبادل دوا نہ ہو یا اس کی استطاعت نہ ہو اور مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو امام ابو حنیفہ رح کے علاوہ باقی فقہاء احناف کے مسلک کے مطابق اس کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے اس کے علاوہ اسپرٹ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے گویا کہ ابتلاء عام کی صورت اختیار کر گئی ہے ابتلاء عام بھی فقہی احکام میں تخفیف کا باعث بن جاتا ہے [1]

[1] جدید فقہی مسائل ص ۲۹۲ ج ۱ خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

غیر مسلموں کے استعمال شدہ برتنوں کا حکم

اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے مستعمل شدہ برتن شرعاً پاک ہیں یا نہیں صاحب قاموس الفقہ نے اس سلسلہ میں چند اُصول ذکر کئے ہیں

① برتن کی پاکی اور ناپاکی کا تعلق اس بات سے ہے کہ برتن میں کیا چیز رکھی گئی ہے اگر کوئی ناپاک چیز رکھی گئی ہے تو یقیناً برتن بھی ناپاک شمار ہوگا اور اگر پاک چیز استعمال کیگئی ہے تو برتن بھی پاک شمار کئے جائینگے

② جہاں تک جھوٹے کی بات ہے تو اس میں کفر و اسلام کی کوئی تمیز نہیں تمام انسانوں کے جھوٹے پاک ہیں کفار کا محض کسی برتن میں کھانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسکو ناپاک قرار دیا جائے البتہ اگر حرام اور ناپاک چیز فوراً کھاکر برتن میں منہ لگاتے ہیں مثلاً شراب مردار کا گوشت یا اس قسم کی ناپاک چیز کھانے کے بعد فوراً برتن میں منہ لگاتے ہیں تو برتن ناپاک شمار کئے جائینگے اسکی نظیر یہ ہے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے جیسے بلّی کوئی ناپاک چیز کھالے منہ میں خون لگا ہوا ہو اور اسی حالت میں کسی چیز میں منہ ڈالدے تو وہ ناپاک ہوگی

③ غلہ اور پودوں مثلاً ترکاریوں میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں فرق صرف ذبیحہ کے بارے میں ہے کہ اسلام میں وہی گوشت حلال ہیں جو مسلمان یا اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اللہ کے نام پر ذبح کریں ان کے علاوہ دوسروں کا ذبیحہ حرام ہیں

ان اصولوں کی روشنی میں یہ بات باسانی سمجھ میں آتی ہے کہ عام حالات

میں غیر مسلموں کے برتن پاک ہیں اس بارے میں تجسس اور تکلف شریعت کو مطلوب نہیں البتہ جن برتنوں کے بارے میں یہ یقیناً معلوم ہو کہ ان میں ناپاک چیز استعمال کی گئی ہے یا اس کا ظن غالب ہو تو ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہ ہوگا۔[1]

[1] قاموس الفقہ ص ۱۱۴ تا ۱۱۵ خالد سیف اللہ رحمانی ندوہ آنجنسی حیدر آباد

نیلام میں خریدے ہوئے کپڑوں کا حکم

آج کل اکثر انگریزی فوجیوں اور غیر مسلم اشخاص کے کپڑے مسلمان خریدتے ہیں اور بغیر دھوئے انکے ساتھ نماز پڑھتے ہیں آیا یہ کپڑے پاک ہیں یا نہیں
حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے لکھا ہے کہ انکو دھونا بہتر ہے جب تک کہ نجاست کا یقین نہ ہو جائے انکو دھونا واجب نہیں
صاحب فتاوی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمانؒ فرماتے ہے کہ اگرچہ ان کپڑوں میں ناپاکی کا شبہ تو ہے لیکن محض شبہ کی بناء پر کپڑوں پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جائیگا اس لئے ان سے نماز پڑھنا جائز ہے البتہ ایسے کپڑے جن میں نجاست کا گمان غالب ہے جیسے پاجامہ وغیرہ ان میں بدون دھوئے نماز نہ پڑھے [1]

[1] کفایت المفتی ص ۲۷۴ ج ۲ مفتی کفایت اللہؒ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان
فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۳۴۷ ج ۱ مفتی عزیز الرحمان مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان
احسن الفتاوی ص ۸۲ ج ۲ مفتی رشید احمد ایچ ایم سعید کراچی

ڈیکوریشن کمپنی کے برتنوں کا حکم

اس زمانہ میں ڈیکوریشن کمپنی جو کرایہ پر وقتی استعمال کے لئے برتن فراہم کرتی ہے ان کا بھی یہی حکم ہے اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ چونکہ یہ برتن بلا تفریق مسلم و غیر مسلم سب کو سپلائی کئے جاتے ہیں اور اسمیں حرام چیزوں کے کھانے کا کافی امکان ہے پھر شرعی نقطہ نظر سے برتنوں کو جس طرح دھونا اور صاف کیا جانا چاہیئے اس کا بھی اہتمام نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان برتنوں کو اپنے طور پر دھویا جائے۔[1]

[1] قاموس الفقہ مولانا خالد سیف اللہ ص ۱۱۹ ندوہ ایجنسی حیدرآباد

دوسرا باب

نماز کے جدید مسائل

نماز

مسجد میں جنازہ و گمشدہ چیزوں کا اعلان

آجکل مسجد میں لاؤڈ اسپیکر سے مختلف قسم کے اعلانات ہوتے ہیں جلسوں کے انعقاد کا، ضروری کاغذات، گمشدہ رقم، بچوں کی گمشدگی، نماز جنازہ اور جانوروں کی گمشدگی کا اعلان مثلاً فلاں صاحب کا بکرا گم ہوگیا ہے فلاں صاحب کے کاغذات گم ہوئے ہیں اسلامی نقطہ نگاہ سے اس قسم کے اعلانات کا کیا حکم ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان ہرگز جائز نہیں اور حدیث میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے۔ البتہ گمشدہ بچے کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیش نظر جائز ہے اسی طرح جو چیز مسجد میں ملی ہو جیسے کہ کسی کی گھڑی رہ گئی ہو اسکا اعلان کیا جائے کہ فلاں چیز مسجد میں ملی ہے جس کا ہو لے لے۔ نماز جنازہ کا بھی اعلان جائز ہے اسکے علاوہ دوسرے اعلانات جائز نہیں۔

اسی طرح مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے سوائے مسجد کی ضرورتوں کے اور کسی قسم کے اعلان کی اجازت نہیں ہے۔ آج کل تو ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ مسجد کا لاؤڈ اسپیکر جس میں اللہ اذان دی جاتی ہے اس سے لوگوں کو موسیقی اور نغمے سنائے جاتے ہیں مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کو گناہ کے کاموں میں ہرگز استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ (۱)

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل ج ۳ ص ۱۴۴ محمد یوسف لدھیانوی، مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مسجد میں قمقمے

آج کل مساجد میں قمقموں اور بجلی کا جو مسرفانہ اور آرائشی استعمال کا جو سلسلہ ہے علماء کرام نے اسکو ناجائز لکھا ہے اگر اسکے لئے مسجد کا پیسہ استعمال کیا جائے تو یہ ایک وقف شدہ شئی کو غلط استعمال کرنا ہے اور فقہاء کرام نے ایک تہائی شب سے زیادہ مسجد کے چراغ جلانے سے بھی منع فرمایا ہے چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ عالمگیری ص ۱۱۰ ج ۱ سے نقل فرمایا ہے ولا بأس بان یترک سراج المسجد فی المسجد الی ثلث اللیل ولا یترک اکثر من ذلک۔

مسجد کے چراغ کو تہائی شب تک چلتے رہنا چھوڑ دینے میں کوئی مخالفت نہیں لیکن اس سے زیادہ چھوڑ دینا جائز نہیں اسکے علاوہ اس میں مشرکین کیساتھ تشبہ بھی ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اس طرح کا اہتمام کرتے ہیں اسی تشبہ کی وجہ سے فقہاء کرام نے مسجدوں میں عام حالات میں درخت لگانے سے منع فرمایا ہے کہ اس میں کفار (عیسائیوں) کیساتھ مشابہت ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں چنانچہ ہندیہ میں ہے ویکرہ غرس الشجرۃ فی المسجد لانہ تشبہ بالبیعۃ

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے چونکہ یہ گرجے کیساتھ تشبہ ہے (۱)

بہر حال مساجد میں اس قسم کے تکلفات کو فقہاء کرام نے استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا ہے بصورت جواز جن فقہاء کرام نے اسکو جائز کہا ہے وہ بھی فرماتے ہیں کہ وقف کے مال سے جائز نہیں۔ چنانچہ غنیۃ المستملی میں ہے اما المتولی فلا یجوز ان یفعل من مال الوقف (۲)

یعنی متولی کیلئے جائز نہیں کہ وہ مال وقف میں اس قسم کا تصرف کریں۔

(۱) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۱۱۱ خالد سیف اللہ فرایبلی کتب خانہ اردو بازار لاہور۔
(۲) غنیۃ المستملی ص ۶۱۶ شیخ ابراہیم الحلبی۔ سہیل اکیڈمی لاہور

مسجد میں پینٹ کا استعمال

مسجد کی دیواروں اور لکڑیوں کو پینٹ سے رنگنا جائز ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہیکہ اگر پینٹ (رنگ) میں بدبو نہ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسلئے ایسے شخص کو جس کے منہ سے بدبو ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد آنے سے منع فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من أکل الثوم والبصل والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتأذی مما یتأذی منہ بنو آدم (متفق علیہ) (۱)

جو شخص لہسن اور پیاز اور بدبودار چیز کھائے تو وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے اسلئے کہ فرشتوں کو بھی ان بدبودار چیزوں سے تکلیف پہونچتی ہے جن سے ابن آدم تکلیف محسوس کرتا ہے، حدیث مذکور اس بات پر واضح دلیل ہے کہ بدبودار چیز کے استعمال کو مسجد میں شرعاً گوارا نہیں کیا جاتا ہے

لیکن آج کل جو پینٹ وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں جبتک وہ خشک نہ ہوں تو معمولی سی بدبو آتی ہے مگر خشک ہونے کے بعد کسی قسم کی کوئی بدبو نہیں آتی ہے۔ بہر صورت پینٹ میں اگر بدبو نہ ہو تو اسکے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی زیبائش و آرائش میں زیادہ مبالغہ شرعاً پسندیدہ نہیں

چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵ نقل کیا ہے والأولی أن تکون حیطان المسجد البیض غیر منقوشۃ ولا مکتوب علیہ، بہتر ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید اور نقش و تحریر سے خالی ہوں زیادہ تر تکلفات کی ضرورت نہیں اور شرعاً بھی اسکو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

(۱) حلبی کبیر ص ۶۱۹ فصل فی احکام المسجد، شیخ ابراہیم الحلبی الحنفی، سہیل اکیڈمی لاہور

مسجد کی دیواروں میں نقش و نگار اور آیات قرآنی کے طغرے۔

آج کل یہ بھی عام رواج ہے کہ مساجد کی دیواروں پر قسم قسم کے نقشے بنائے جاتے ہیں، کہیں تو پھول وغیرہ اور درختوں کے نقشے بنائے جاتے ہیں اور کہیں آیات قرآنی کے طغرے استعمال کیئے جاتے ہیں۔
جہانتک عام نقش و نگار کی بات ہے تو مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب فتاوی محمودیہ نے نقل کیا ہے کہ جدار قبلہ کے علاوہ مسجد میں نقش و نگار کرنا درست ہے لیکن مال وقف سے نہیں بلکہ متولی اپنے مال سے یا کوئی اور شخص تبرعاً کرواتا ہے تو جائز ہے چنانچہ بحوالہ کبیری یہ منقول ہے ولا بأس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذہب ونحوہ، مسجد کو چونہ اور بعا کھرے لکڑیوں اور سونے کے پانی چڑھا کر مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں اس سے آگے چل کر منقول ہے
ہذا اذا فعل من مال نفسہ اما المتولی، فلا یجوز ان یفعل من مال الوقف الا ما یرجع الی احکام البناء (۱)

(ترجمہ) یہ سب کچھ نقش و نگار کی اجازت اس وقت ہے جبکہ متولی اپنے ذاتی مال سے کروائے باقی مال وقف سے نقش و نگار کرنے کی کوئی اجازت نہیں الا یہ کہ مسجد کی تعمیر کو مضبوط کرانے میں خرچ کر سکتا ہے۔ (۲)

(۱) غنیۃ المستملی المعروف بکبیری ص ٦١٦ شیخ ابراہیم الحلبی سہیل اکیڈمی لاہور

(۲) فتاوی محمودیہ ج ٦ ص ١٤٣

ایک اور مقام پر شامی اور در مختار سے نقل کیا گیا ہے ولا بأس بنقشہ خلا محرابہ فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلی ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا کاخشاب ثمینۃ وبیاض ونحوا سبیداج خصوصاً فی جدار القبلۃ بجص وماء ذہب ولو بمالہ الحلال لا من مال الوقف فانہ حرام وضمن متولیہ ولو فعل النقش او البیاض الا اذ اخیف طمع الظلمۃ فلا بأس بہ ای: بأن اجتمعت عندہ اموال المسجد وہو مستغن عن العمارۃ والا فیضمنہا (۱)۔

مسجد کی آرائش کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ محراب پر نقش نہ بنوائیں کہ یہ نمازی کا توجہ کو ہٹا لے گی اور غافل کر دے گی اور باریک باریک نقشہ بنوانا یا بیل بوٹے نکلوانا خاص طور پر قبلہ کی دیواروں محراب، میں نقشہ بنوانا چونے یا سونے کا پانی چڑھانا مکروہ ہے اگرچہ متولی کے اپنے حلال مال ہی سے کیوں نہ ہو۔

باقی مال وقف سے تو کسی طرح بھی جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور اگر مال وقف میں سے نقشہ وغیرہ بنوایا تو متولی کو اسکی ضمانت دینی پڑیگی۔

ہاں اگر متولی کو یہ اندیشہ ہو کہ دوسرے ظالم لوگ اس مال پر قبضہ کرینگے تو ایسی صورت میں جائز ہے مثلاً مسجد کے مال وقف متولی کے پاس کثرت سے جمع ہو اور مسجد کو مزید کسی اور تعمیر کی ضرورت بھی نہ ہو تو اسوقت مسجد کی آرائش اور زیبائش میں اس پیسہ کو خرچ کر سکتا ہے اور اگر مال کثیر نہیں اور ظالم لوگوں کا خوف بھی نہیں تو ایسی صورت میں اگر خرچ کرتا ہے تو اسکو ضمانت دینی پڑیگی۔

اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ مسجد میں علاوہ محراب کے چھت وغیرہ دوسرے حصوں میں نقش ونگار کرنا اپنے حلال روپیہ سے جائز ہے۔ لیکن محراب (جانب قبلہ) میں ایسے نقش

(۱) در مختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۲، کتب خانہ نعمانیہ دیوبند۔

ونگار جس سے نمازیوں کی توجہ منتشر ہو مکروہ ہے اسی طرح زیادہ تکلف کے بعد بیل بوٹے نکلوانا بھی مکروہ ہے اور مال وقف سے تو کسی طرح جائز ہی نہیں۔

باقی جو چیز تعمیر کو پختہ اور مضبوط کرنے والی ہو تو وہ حسب ضرورت مال وقف سے جائز ہے۔ زیبائشی کام میں مال وقف کو خرچ کرنا حرام ہے اور اگر متولی مال وقف کو اس قسم کے زیبائشی کاموں میں خرچ کرے تو وہ ضامن ہوگا البتہ اگر مال وقف زیادہ جمع ہو جائے اور مسجد کو عمارت کی ضرورت بھی نہ ہو اور دوسرے ظالم لوگوں کی طرف سے خطرہ ہو کہ وہ اس مال وقف پر قبضہ کرینگے پھر اسی مجبوری کی صورت میں مال وقف کو مسجد کے زیبائشی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں لیکن اس زیبائشی خرچ میں بھی یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اس قسم کے شیشے لگوانے سے اجتناب کیا جائے جس میں نمازیوں کی صورت نظر آجاتی ہو اسلئے کہ اس میں ایک قسم کی تصویر پرستی کی مشابہت ہوگی۔ (۱)

باقی آیات قرآنی کے طغروں کا آجکل جو گھروں اور مسجدوں میں استعمال کرنے کا رواج ہے یہ مناسب نہیں ایک تو اسوجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ تحریر ٹکڑا ٹکڑا ہو کر زمین پر گر جائے اور پاؤں کے تلے روندا جائے چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ سے نقل کیا ہے

ولیس بمستحسن کتابۃ القرآن علی المحاریب و الجدران لما یخاف من سقوط الکتابۃ وان توطأ۔ یعنی محرابوں اور دیواروں پر تو قرآنی مجید کی کتابت مناسب نہیں اسلئے کہ اندیشہ ہے کہ یہ تحریر گر جائے اور پاؤں کے تلے روندا جائے۔ اسکے علاوہ جس طرح لاپرواہ قسم کے لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں قرآن کریم کی بے حرمتی ہے اسیطرح قرآن مجید کی کتابت میں بھی ایسے لوگوں کے سامنے قرآن کی بے حرمتی ہے

(۱) فتاویٰ محمودیہ ج ۶ ص ۱۷۹ و ۱۸۰

علاوہ ازاین نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ نماز کی حالت میں انسان کو اللہ پاک سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور ساری کائنات سے کٹ کر انسان صرف خدا ہی طرف متوجہ ہو جائے لیکن اگر اس قسم کی تحریریں انکے ارد گرد ہونگے تو دل ہی دل میں توانکو پڑھے گا۔ اور دلی اعتبار سے مکمل طور پر خدا کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا لہٰذا اس قسم کی نمازیں کوئی روح تو نہیں رہیگی اسلیے "مشہور فقیہ اور حنفی عالم علامہ ابن نجیم مصری نے واضح کر دیا ہے ویکرہ ان تکون منقوشۃ بصور او کتابۃ۔

مسجد کو کسی بھی تحریر یا تصویر سے منقش ہونا مکروہ ہے لیکن علماء کرام آج کل کے کلینڈرز اور تختے وغیرہ جن پر قرآنی آیات اور احادیث اشاعت دین اور تبلیغ کی غرض سے تحریر کیئے جاتے ہیں انکو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۱۷۱/۲/۷، خالد سیف اللہ رحمانی حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

مسجد کو تفریح گاہ بنانا اور اسمیں فوٹو کھینچوانا

آج کل مساجد کو تفریح گاہ بنانا اور مسجدوں میں تصویریں اتارنا اور رفلم بنانا کچھ لوگوں کی عادت بنگئی ہے اور تو اور ہیں کچھ نام کے علماء بھی مسجد میں ممبر پر اچھلنے کودنے اور ممبر پر اپنی تصویر بنانے کو فخر سمجھتے ہیں فوٹو گرافر جب پہنچتا ہے تو خطیب صاحب اپنی قراقلی سیدھے رکھتے ہیں اور ہاتھ پاؤں ہلا کر حکومت کے خلاف یا کسی اور فرقے کے خلاف اپنی جذبات کا اظہار کرتا ہے تاکہ اخبار میں فوٹو نمایاں اور مخصوص انداز میں شائع ہو اور عوام کے سامنے آجائے کہ خطیب صاحب اسلام کے بڑے شیدائی ہیں اور اسلام کے نفاذ کی خاطر انکو چین نہیں۔ یقیناً یہ امور ایسے ہیں کہ انکے ناجائز ہونے میں کسی قسم کی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ایک تو تصویر کا حرام ہونا پھر اس حرام کام کا ارتکاب مسجد میں ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہے (۱)

اس موضوع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رسالہ آداب مساجد اور مولانا ظہیر الدین پورہ نوڈیہاوی کا رسالہ اسلام کا نظام مساجد قابل دید ہیں۔ اسی طرح مساجد میں احکام شرعیہ کے علاوہ سیاسی جلسے منعقد کرنا اور نعرہ بازی کرنا بالکل ناجائز ہیں (۲)

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل محمد یوسف لدھیانوی ج ۲ ص ۱۲۷/۱۵۰ مکتبہ بینات بنوری ٹاون کراچی

(۲) فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۲ ص ۲۴۴ مکتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

جہاں بعض نمازوں کے اوقات نہ آتے ہوں

جن ممالک میں بعض نمازوں کے اوقات نہ آتے ہوں مثلاً طلوع اور غروب کے درمیان نصف گھنٹہ کا فاصلہ ہو، یا جہاں چھ ماہ مسلسل رات اور چھ ماہ مسلسل دن ہو تو وہاں اوقات خمسہ صلوات خمسہ کیلئے ترتیب سے نہیں ہیں۔ وہاں نمازوں کا کیا حکم ہوگا اور کیا صورت ہوگی اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی ایک جماعت اس بات کے قائل ہیں کہ جن نمازوں کے اوقات ہی نہ آتے ہوں وہ نمازیں واجب ہی نہیں اسلئے کہ وقت نماز کیلئے شرط ہے، جب شرط مفقود ہے تو اسپر مبنی (وجوب صلوٰۃ) بھی مفقود ہوگا۔

دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ وقت نماز کیلئے شرط نہیں بلکہ وقت کی حیثیت نماز کیلئے ایک علامت کی ہے۔ اور ایک ذی علامت کیلئے کئی علامتیں ہو سکتی ہیں لہذا ایک علامت کے نہ پائے جانے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم بھی نہ پایا جائے ایک علامت کے نہ پائے جانے کی صورت میں دوسری علامت کو اسکے قائم مقام قرار دیا جائے گا۔

اسی فریق کی رائے یہ ہے کہ چاہے وقت نہ پایا جائے نماز پھر بھی واجب ہوگی۔ نیز یہ اصول ہے کہ عبادات میں احتیاط کو اختیار کیا جائے۔ قرآن وسنت میں صراحتاً اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں کہ وقت کی حیثیت نمازوں کیلئے شرط کی ہے یا علامت کی مگر دو باتیں ہیں جن سے علماء نے اندازہ لگایا ہے کہ وقت کی حیثیت علامت کی ہے۔

ایک یہ کہ پانچوں نمازوں کی فرضیت بلا تخصیص کسی ملک کے باشندوں کے تمام مسلمانوں کیلیے ہے اور یہ عموم اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جبکہ ایسے مقامات پر بھی اندازہ سے نمازیں ادا کیجائیں ۔

دوئم حضرت نواس ابن سمعان کی روایت ہے جسمیں دجال کے ظہور کے وقت ایک ایسے دن کی پیشن گوئی کیگئی ہے کہ وہ دن اتنا لمبا ہوگا کہ ایک سال کے برابر ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت اس دن میں ایک ہی دن کی نمازیں (پانچ) کافی ہوجائیں گی یا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اندازہ سے نمازیں ادا کروگے ۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیکہ قلنا یارسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنۃ ۔ أیکفینا فیہ صلواۃ یوم قال لا اقدروالہ قدرہ (۱)

ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اس دن جو ایک سال کے مساوی ہوگا ہمیں ایک دن کی نمازیں کافی ہوجائیں گی ،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس دن اندازہ سے کام لو

حدیث مذکورہ سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہیکہ جب نمازوں کے اوقات نہ آئیں تو اندازہ سے کام لیاجائے ، اور آج کل اکثر علماء کی تحقیق بھی یہی ہے کہ اس قسم کے مقامات میں رہنے والے لوگوں پر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں ۔"

(۱) صحیح مسلم باب ذکر الدجال ج ۲ ص ۴۰۱ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی

اور جن علاقوں میں کچھ نمازوں کے اوقات آتے ہوں تو ان نمازوں کو انکے وقت میں ادا کیا جائیگا
اور جن کا وقت نہیں آتا انکا اندازہ لگا کر ادا کئے جائینگے۔ (۱)

(۱) امداد الفتاوی مولینا اشرف علی تھانوی ؒ ج ۱ ص ۱۱۱، مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۲ ص ۳۰ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۲ ص ۱۲۴ ایچ ایم سعید کراچی
عزیز الفتاوی مفتی عزیز الرحمان ج ۱ ص ۱۲۹ مکتبہ ادارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ
امداد الفتاوی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ج ۱ ص ۳۱۴ مکتبہ دار العلوم کراچی
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۶۷ مکتبہ حسامیہ دیوبند یوپی

نماز کے اوقات میں تقویم کی رعایت

آج کل عموماً اوقات نماز کا تعین تقویم سے کیا جاتا ہے اور تقویم کی بنیاد فلکیاتی علم پر ہے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اصلی چیز جو ہے وہ شرعی اوقات کی مطابقت ہے اب اگر تقویم اس سے مطابقت رکھتی ہے تو فبہا اور اس تقویم کا اعتبار بھی ہوگا
لیکن اگر تقویم اس سے مطابقت نہیں رکھتی تو اس تقویم کا اعتبار نہ ہوگا
اسلام نے اوقات کی بنیاد آفتابی سایوں طلوع اور غروب وغیرہ پر رکھی ہے اسلئے کہ یہ ایسے معیار ہیں کہ انکی معرفت ہر خاص وعام کیلئے آسان ہے اور ان چیزوں کی حیثیت بھی اوقات نماز کیلئے صرف علامت کی ہیں اگر کسی دوسرے ذریعہ سے گمان غالب حاصل ہو جائے جیسا کہ آج کل کی ڈکشنریاں کلینڈرز اور جنتریاں ان سے اوقات نماز مقرر کرنے میں مدد لیجاتی ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے
لیکن سائنس وغیرہ کی تحقیق سے اس میں سہولت آجاتی ہے اور ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تائید ہوتی ہے اسکو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں
خلاصہ کلام اینکہ اوقات نماز میں تقویم اگر شرع کے مطابق ہو تو درست ہے (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۵۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ریڈیو اور ٹیلیویژن والی اذان کا جواب!

آج کل ریڈیو اور ٹیلیویژن سے اوقات نماز کے علاوہ اذان نشر کیجاتی ہے مثلاً پاکستان کے شہر لاہور میں جب عشاء کا وقت ہوتا ہے تو کراچی میں تقریباً ایک گھنٹہ عشاء میں باقی ہوتا ہے لیکن ریڈیو اور ٹیلیویژن سے پورے پاکستان میں اذان نشر کیجاتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے کہ اس قسم کی آذان کا جواب دینا ضروری ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر جو آذان ہوتی ہے کسی نماز کیلئے نہیں دیجاتی ہے بلکہ محض تشہیر اذان ہے اور شریعت کے کسی قاعدہ کے ماتحت نہیں پھر یہ کہ یہ اذان بھی نہیں بلکہ اذان کی آواز ہے جیسے ٹیپ کر لیا جاتا ہے اور آذان کے وقت وہی ٹیپ لگادی جاتی ہے، اسلیے اسکا حکم اذان کا نہیں لہذا اس کا جواب بھی مسنون نہیں (۱)

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل محمد یوسف لدھیانوی ج ۲ ص ۱۰۰ مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جانوروں کے ڈیزائن والے کپڑوں میں نماز

کپڑوں پر اگر جانوروں کی تصاویر ہوں ایسے کپڑوں کیساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے
علماء کرام اس قسم کے کپڑوں کیساتھ نماز پڑھنے سے بڑی سختی سے منع کرتے ہیں۔
اسی طرح آجکل مشکل سے کوئی ایسا گھر ہوگا کہ جس میں تصویریں نہ ہوں حالانکہ جس گھر میں نمازی کے سامنے تصویریں ہوں اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے بہر صورت جس گھر میں نمازی کے سامنے تصویریں ہوں اس میں نماز پڑھنے سے اجتناب کیا جائے اور اگر اتنا نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ کریں کہ ان تصویروں کو اس طرح رکھا جائے کہ تصویریں پچھلے رخ ہو جائیں تو کراہت جاتی رہیگی۔ (۱)
ورنہ یہ ایک قسم کی صورت پرستی اور غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ تشبہ ہوگا جسکی وجہ سے نماز مکروہ ہو گی

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل محمد یوسف لدھیانوی ج ۲ ص ۱۷۷، ۱۸۴ مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۵۹ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

قبلہ نما اور اس قسم کے دوسرے آلات رصدیہ کا استعمال کہاں تک شرعاً جائز ہے اور ان پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے

صاحب قاموس الفقہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہے کہ استقبال قبلہ کے سلسلے میں آلات رصدیہ اور آلات ریاضیہ کا استعمال اور تکلفات شرعاً کوئی مطلوب اور پسندیدہ چیز نہیں شریعت نے انتہائی سہولت اور یسر رکھی ہے اسلیئے خواہ مخواہ کی تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں اسلیئے جن لوگوں نے اس سلسلہ میں غلو سے کام لیا جیسے کہ عنایت اللہ مشرقی نے اس سلسلہ کے تحریکات شروع کی تھی علماء بڑی سختی سے اس پر تنقید کی، سمت قبلہ کے سلسلہ میں ایک سہل الفہم اصول جو حضرت مفتی محمد شفیع رح نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ سمت قبلہ کی تعیین اور بنائے مساجد میں سنت سلف صحابہ رض و تابعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجد قدیم مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جائے ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نامناسب اور باعث تشویش ہے جنگلات اور ایسی نو آبادیات میں جن میں مساجد موجود نہ ہوں وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جاوئے تو کوئی مضائقہ نہیں گو ان سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں بلکہ وہاں بھی تحری قریبی آبادیوں کی مسجد کا کافی ہے انتہی، (۱)

(۱) قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۲۰۰ ج ۴ ندوۃ اکیڈمی حیدرآباد

اسی طرح اس مولف نے جدید فقہی مسائل میں بحوالہ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۱۸ سے نقل فرمایا ہے

جہۃ الکعبۃ تعرف بالدلیل والدلیل فی الامصار والقری المحاریب التی نصبھا الصحابہ والتابعون فعلینا اتباعھم فان لم تکن فالسوال عن ذلک الموضوع واما فی البحار والمفاوز فدلیل القبلۃ النجوم

جہت قبلہ دلیل سے سمجھی جاسکتی ہے اور شہروں اور بستیوں میں صحابہ و تابعین کی نصب کی ہوئی محرابیں ہمارے لیئے دلیل ہیں اور اسی کی پیروی ہمارے ذمہ پر ہے۔

پھر اگر محرابیں نہ ہوں تو اس مقام کے قبلہ کے بابت سوال کرنا چاہیئے اور جہاں تک سمندروں اور میدانوں کی بات ہے تو وہاں قبلہ کیلیئے دلیل تارے ہیں۔ قبلہ نما اس بات کا گمان غالب پیدا کرنے کیلیئے کافی ہے جیسا کہ مختلف جہات کے آلات کے استعمال اور تجربہ سے اندازہ ہوتا ہے (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں جہت قبلہ کی تعیین کی اور کوئی صورت نہ ہو تو قبلہ نما سے مدد لی جاتی ہے۔

حضرت مولنا مفتی رشید احمد صاحب نے بھی لکھا ہے اگر کوئی ریاضی داں نہ ملے تو قطب نما سے مدد لے جا سکتے ہیں (۲)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۵۲ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

(۲) احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۲ ص ۳۱۳ ایچ ایم سعید کراچی

لیکن یہ واضح بات ہے کہ نماز کیلئے استقبال قبلہ شرط ہے، کعبہ جنکے سامنے نہ ہو انکے لیئے یہ ضروری نہیں کہ عین قبلہ انکے سامنے پڑے بلکہ اتنی سی بات کافی ہے کہ اسکی نماز قبلہ کی سمت اور جہت میں ہو یہی وجہ ہے کہ بقول مولانا محمد یوسف لدھیانوی اگر معمولی انحراف ہو تو نماز ہو جائیگی اور اگر ۲۵ ڈگری یا اس سے زیادہ ہو تو نہیں ہوگی (۱)

اور بقول مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی بیت اللہ سے پینتالیس (۴۵) درجہ تک انحراف مفسد نہیں (۲)،
ان عبارات سے معلوم ہو گیا کہ استقبال قبلہ کے مسئلہ میں شریعت نے یُسر اور سہولت رکھی ہے ۔

(۱) آپکے مسائل اور انکا حل محمد یوسف لدھیانوی ج۲ ص ۱۸۹ مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن کراچی

(۲) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۲ ص ۳۱۳، ایچ ایم سعید کراچی

ٹرین وغیرہ میں استقبال قبلہ

ریل گاڑی اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کے ہیں کہ ان میں استقبال قبلہ دشوار نہیں اسی طرح اگر ان میں دوران نماز قبلہ سے انحراف ہو جائے تو درست کرنا دشوار نہیں اسلئے مولانا خالد سیف اللہ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی رح فرماتے ہیں کہ "فرض نمازوں کے آغاز کے وقت اور دوران نماز بھی استقبال ضروری ہے"

لہذا اگر نماز قبلہ رخ ہو کر شروع کی اور ریل نے دوران نماز رخ تبدیل کیا تو مصلیٰ کو بھی اپنا رخ تبدیل کرنا پڑے گا اسکو صاحب جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ نے اس کشتی پر قیاس کیا ہے جو لنگر انداز ہو چنانچہ انہوں نے بحوالہ در مختار نقل کیا ہے والمربوطة بلجة البحران کان الریح یحرکھا شدیداً فکالسائرة والا فکالواقفة ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وکلما دارت (۱)

کشتی اگر تیز ہوا کی وجہ سے بہت متحرک ہو تو چلتی ہوئی کشتی کے حکم میں ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ٹھہری ہوئی کشتی کے حکم میں ہے نیز ...... قبلہ کا استقبال نماز کے افتتاح کے وقت بھی ضروری ہوگا اور اس وقت بھی جب وہ مڑے گا البتہ اگر ہجوم اتنا زیادہ ہو کہ جسکی وجہ سے مڑنا ممکن نہ ہو اور ریل گاڑی سے باہر نکل کر نماز ادا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو اس وقت بلا استقبال اور بلا قیام کے نماز ادا کرے گا (۲)

(۱) در مختار ج ۱ ص ۱۴۱ بحوالہ جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۵۳

(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۵۳ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۱ ص ۱۴۶ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

ڈیکوریشن کی دریوں پر نماز پڑھنا

آج کل جمعہ کے دن بعض مساجد میں ڈیکوریشن کی دکان سے دریاں لا کر ان پر نماز ادا کی جاتی ہے حالانکہ یہ دریاں عام طور پر استعمال کی جاتی ہیں، مسلم وغیر مسلم ہر کسی کو کرائے پر دی جاتی ہیں
ان کا پاک ہونا معلوم نہیں
اور ناپاک ہونے کا شبہ زیادہ تر غالب ہے
اس لیے بقول مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب ان دریوں پر کپڑا بچھائے بغیر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ (1)

(1) آپ کے مسائل اور ان کا حل محمد یوسف لدھیانوی ج 2 ص 191 مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے جو نماز پڑھائی جاتی ہے وہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں!

ابتداءً اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کافی اختلاف تھا بعض علماء کی رائے یہ تھی کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ امام کی آواز نہیں بلکہ یہ اس اس آواز کی نقل ہے اور کوئی اور آواز ہے لہٰذا اس آواز پر مقتدیوں کی نقل و حرکت گویا کہ کسی اور شخص (غیر امام) کی آواز پر نقل و حرکت ہے لہٰذا اس پر پڑھی گئی نماز کا اعادہ کیا جائیگا اور یہ نماز نہیں ہوگی۔

بعض علماء کی رائے یہ تھی کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز درست ہے اول اینکہ اگر اسکی آواز امام کی آواز نہ ہو بلکہ شخص آخر کی آواز اگر قرار دیا جائے تب بھی نماز میں فساد نہیں آتا اور اسکی نظیر یہ ہے کہ ابتداءً لوگ قبلہ اول بیت المقدس کیطرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جب بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا تو ایک شخص نے مدینہ کی مقامات میں آواز دیکر اسی تبدیلی کی اطلاع دی لوگوں نے نماز ہی کی حالت میں اپنا رخ تبدیل کیا ظاہر ہیکہ یہ نقل و حرکت بھی ایک شخص آخر کی آواز پر ہوئی ہے لیکن پھر بھی انکی نمازوں پر فساد کا حکم نہیں لگایا گیا۔

ثانیاً یہ کہ ابتداءً یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچی ہوئی نہیں تھی کہ آیا یہ لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز بعینہٖ امام کی آواز ہے یا اسکی نقل اور عکس ہے چنانچہ حضرت تھانوی ؒ کو بتایا گیا تھا کہ یہ آواز بعینہٖ امام کی آواز نہیں ہے اسلیے حضرت نے اسکے جائز نہ ہونے کا فتویٰ دیا

لیکن جب انکے مجاز رشید حضرت مفتی محمد شفیع ؒ پاکستان پہنچے اور انہوں نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعاً لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز بعینہٖ امام کی آواز ہے لاؤڈ اسپیکر تو صرف اس آواز کو وسعت اور پھیلاؤ عطا کرتی ہے اس تحقیق کے بعد حضرت محمد شفیع ؒ نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا

بہرحال یہ بات اب پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہیکہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ بولنے والے کی آواز ہے اسکا عکس اور صدا بازگشت نہیں ہے
اسلیئے اب لاؤڈ اسپیکر سے پڑھی گئی نماز کے جواز پر سب کا اتفاق ہے بعض علماء کرام لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو بلاضرورت کے مکروہ کہتے ہیں انکا کہنا یہ ہیکہ جس طرح امام کی آواز کو تقویت دینے کیلیئے بلاضرورت مکبرین کا تقرر کرنا مکروہ ہے اسی طرح لاؤڈ اسپیکر کا حکم ہوگا، مگر یہ قیاس قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہے اسلیئے کہ مکبرین کی آواز کا امام کی آواز کا غیر ہونا تو بالکل واضح ہے برخلاف لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز کے وہ تو بعینہ امام کی آواز ہے (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۵۵ ۔ ۵۶ حرا پبلیکیشنز اردو بازار لاہور۔
فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۲ ص ۱۲۸ ۔ ~~۳۸۲~~ ، کتب خانہ مظہری گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی۔
آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع از ص ۹۱ تا ۱۰۷ ، ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴۔
قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۱۰۹ ندوہ ایجنسی اعظم پورہ حیدر آباد (اے پی)

ہوائی جہاز پر نماز ادا کرنا

ہوائی جہاز میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
اس سلسلہ میں واضح ہو کہ علماء نے دو صورتیں اسکی لکھی ہیں :

۱۔ جہاز میں بغیر کسی عذر کے نماز بیٹھکر پڑھنا ۔
۲۔ عذر اور مجبوری کیوجہ سے جہاز میں پڑھنا ۔

صورت ثانیہ کی تفصیل یہ ہیکہ ہوائی جہاز بوقت پرواز چلتے ہوئے بحری جہاز کیطرح ہے یعنی اسمیں بوجہ عذر نماز جائز ہے کالصلوٰۃ علی الدابہ (۱)

اور صورت اولیٰ کا حکم جبکہ کوئی عذر لاحق نہیں ہے اور جہاز بھی زمین پر ہے اسمیں بالاتفاق نماز صحیح ہے تاہم اگر نیچے اترنے کی گنجائش ہے تو نیچے اتر کر نماز ادا کریں تاکہ ارکان نماز کامل طور پر ادا ہو سکیں ۔

بعض علماء کرام نے یہ تردد ظاہر کیا ہے کہ ہوائی جہاز میں چونکہ ارکان صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتے خاص طور پر سجدہ جسکے اندر وضع الجبہۃ علی الارض (پیشانی کو زمین پر رکھنا) یہ چیز جہاز میں نہیں ہو سکتا اس لئے جہاز میں نماز درست نہیں ہونا چاہیئے جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا یہ ہیکہ عام طور پر

---

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۴ ص ۹۰ ایچ ایم سعید کراچی ۔
امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۱ ص ۹۵ ۴ مکتبہ دار العلوم کراچی
فتاوی خلیلیہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری ص ۹۰ مکتبۃ الشیخ بہادر آباد کراچی

سجدہ میں زمین ہی پر پیشانی ٹیکنے کی نوبت آتی ہے اسلئے فقہاء کرام نے ارض (زمین) کی قید ذکر کیا ہیں لیکن یہ قید کوئی ضروری اور احترازی نہیں بلکہ اتفاقی قید ہے، شرعی نقطہ نظر سے سجدہ کیلئے یہ ضروری ہیکہ پیشانی ایسی چیز پر رکھی جائے جس پر ٹک سکے جیساکہ کشتی میں نماز کی اجازت دیگئی ہے حالانکہ سطح زمین اور کشتی کے مابین پانی کا ایک بے پناہ حصہ موجود ہے لیکن پھر بھی فقہاء کرام کشتی میں نماز کی اجازت دیتے ہیں لہٰذا ہوائی جہاز میں کوئی ایسی چیز نہیں جو صحت نماز سے مانع ہو اسلئے شریعت نے خانہ کعبہ میں سے صرف زمین سے متصل حصہ کو قبلہ قرار نہیں دیا بلکہ اسکے بالمقابل پوری فضاء کو قبلہ قرار دیا ہے تاکہ اونچی سے اونچی اور بلند سے بلند جگہ سے نماز ادا کی جاسکے۔

شیخ عبدالرحمان الجزیری مصری ہوائی جہاز کو کشتی پر قیاس کرتے واضح لفظوں میں لکھتے ہیں ومثل السفینۃ القطر النجاریۃ والطائرات الجویۃ ونحوھا۔ یعنی کشتی کیطرح ریل گاڑیاں اور ہوائی جہازوں کا حکم ہے البتہ بعض علماء کرام کا یہ قول بھی ہے کہ ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے کے بعد زمین پر احتیاطاً اگر اسکا اعادہ کرے تو بہتر ہے لیکن ضروری اور واجب نہیں (1)

(1) آپکے مسائل اور انکا حل محمد یوسف لدھیانوی ج 2 ص 386 مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاون کراچی
جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ج 1 ص 52 حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج 1 ص 774 مکتبہ صابیہ دیوبند یوپی۔

۶۔ سمندری جہاز میں نماز کا حکم

سمندری جہاز کشتی اور لانچ ان میں زیادہ تفاوت اور فرق نہیں ہے اسلیئے فقہاء کرام نے جو کشتی کے احکام بیان کیے ہیں وہی احکام سمندری جہاز کے ہونگے کشتی میں نماز پڑھنے کی کئی صورتیں ہیں۔

۱، اگر کشتی ساحل سے بندھی ہوئی ہو اور پرسکون حالت میں ہو اور اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو کشتی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرلے۔

۲، کشتی ساحل سے بندھی ہوئی ہو لیکن پرسکون حالت میں نہ ہو کشتی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی بھی ممکن ہو اور باہر نکل کر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں تو اس صورت میں باہر نکل کر نماز ادا کرنی ہوگی اگر کشتی میں پڑھ لی تو اسکا اعادہ بقول صاحب احسن الفتاوی واجب ہے (۱)

۳، کشتی چل رہی ہو اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بیٹھکر بالاتفاق نماز ادا کرے گا

۴، کشتی چل رہی ہو کھڑے ہونے پر قدرت بھی ہے پھر بھی بیٹھکر نماز پڑھتا ہے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک کراہت کیساتھ نماز ہو جائیگی "صاحبین" کے نزدیک کھڑے پڑھنا ضروری ہے۔

۵، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں سر چکراتا ہو تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز ادا کر سکتے ہے۔

۶، کشتی ساحل پر ہے مگر نکلنا ممکن نہیں تو اس کا حکم چلتی ہوئی کشتی کا ہوگا کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو فبہا ورنہ بیٹھ کر پڑھے گا۔

۷، کشتی میں از اول تا آخر قبلہ کا رخ کرنا ضروری ہے اگر دوران نماز رخ تبدیل ہو گیا تو اپنا رخ قبلہ کیطرف پھیرے گا اسی طرح سمندری جہاز میں بھی یہی حکم ہو گا، کہ طوفان وغیرہ کیوجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے گا، یا سر چکراتا ہو تو تب بھی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہے۔

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۴ ص ۸۹ ایچ ایم سعید کراچی۔

لیکن جب کھڑے ہونے کی گنجائش ہے پھر بھی بیٹھ کر پڑھ لیتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باکراہت اگرچہ نماز درست ہے لیکن صاحبینؒ کے یہاں یہ نماز نہیں ہوگی اور جہاز میں چونکہ عذر اور اضطراب کشتی سے کم تر ہے اسلیے یہاں پر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جائے گا (۱)

(۱) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۱ ص ۳۹۶ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۵۴ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۴ ص ۸۹ ایچ ایم سعید کراچی۔

نس بندی کیئے ہوئے شخص کی امامت

نس بندی تو ابتداءً بعض ممالک میں حکومتوں نے اختیاری طور پر لاگو کیا تھا مگر رفتہ رفتہ اب اس میں بعض ممالک کی حکومتیں سختی برتنا شروع کر دی ہیں ایسا شخص جن کا اپریشن (نسبندی) حیلہ خداع سے کر دیا جائے یا برضاء رغبت یا جبراً امامت کے قابل ہوگا یا نہ۔

اس سلسلہ میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا عمل کرا لینا جس سے بچہ پیدا ہونے کی صلاحیت ختم ہو جائے خصی ہو جانے کے مترادف ہے اسلیے کہ خصی کرانے سے مقصود یہی صلاحیت بچہ پیدا ہونے کی ختم کر دینا ہوتا ہے خواہ مادہ تولید کو منتقل ہونے سے روک کر ہو خواہ جماع پر قدرت روک کر ہو اور یہ معنی نس بندی کی صورت میں بھی موجود ہے لہٰذا اس قسم کا عمل اگر کسی نے برضاء و رغبت کرایا ہے تو وہ شخص فاسق ہے چونکہ یہ عمل شرعاً حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر توبہ کرے تو اسکی امامت درست قرار پائے گی اور اگر غیر اختیاری طور پر نسبندی ہوئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ لوگوں کے دلوں میں اسکی حقارت آگئی ہے یا نہ اگر حقارت آگئی ہے تو بھی امامت مکروہ قرار پائے گی اور اگر نہیں تو بلا کراہت درست ہے۔

اور اگر اس سے بہتر کوئی شخص نماز پڑھانے والا ہی نہ ہو تو پھر اسکی امامت بلا کراہت درست ہے (۱)

(۱) تفصیل ملاحظہ فرمائیں نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۷۶ ۳ مکتبہ صابیہ دیوبند
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۳ ص ۲۸۶ ایچ ایم سعید کراچی
فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۲ ص ۱۰۱ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی پاکستان
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۳ ص ۶۰ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان
فتاوی رحیمیہ مفتی عبد الرحیم ج ۲ ص ۳۳۶ ادارہ دعوت الاسلام مدرسہ یوسفیہ بنوریہ خرف آباد کراچی
فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۳ ص ۱۵۶ مکتبہ امدادیہ ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۵۸ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

حالت نماز میں گھڑی دیکھنا۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان کو اپنے خالق اور معبود سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی باقی تمام فکروں کو چھوڑ کر صرف اپنے پروردگار کیطرف متوجہ ہو جائے لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص حالت نماز میں گھڑی پر وقت دیکھتا ہے اور اسکا تلفظ زبان سے کر لیتا ہے تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی لیکن اگر تلفظ نہیں کرتا پھر بھی قصداً دیکھتا ہے تو نماز مکروہ ہو جائیگی اور اگر بلا قصد و بلا اختیار گھڑی پر نظر پڑتی ہے تو اس سے وقت سمجھ لیتا ہے تو بلا کراہت نماز درست ہے

عالمگیری میں ہے لو نظر فی کتاب من الفقہ فی صلاتہ وفہم لا تفسد صلوٰتہ بالاجماع کذا فی التاتارخانیہ اذا کان المکتوب علی المحراب غیر القرآن فنظر المصلی الی ذلک وتأمل وفہم فعلی قول ابی یوسف لا تفسد وبہ اخذ مشائخنا (۱)

اگر کوئی شخص دوران نماز فقہ کی کوئی کتاب دیکھ لے اور سمجھ لے تو بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی فتاوی تاتارخانیہ میں اسی طرح لکھا ہے اگر محراب پر قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز لکھی ہوئی ہو نمازی اسکو دیکھ کر اسمیں غور کرلے اور اسکو سمجھ لے تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں اسکی نماز فاسد نہ ہوگی اور مشائخ احناف نے اسی رائے کو قبول کیا ہے (۲)

(۱) فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۱ الباب السابع فی ما یفسد الصلوٰۃ، مکتبہ جدید پرنٹرز، روڈ گوجرانوالہ
(۲) جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۵۹ حصہ اول پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

فتاوی شامی میں ہے اما النظر والفکر فلا یفسد ان لعدم امکان التحرز عنہما (۱)
یعنی دوران نماز ادھر ادھر دیکھنا اور سوچنا نماز کو فاسد نہیں کرتے ہیں اسلیے کہ ان سے بچنا مشکل ہے۔
لیکن دیکھنے میں بشرطیکہ سینہ قبلہ سے زیر ابہو ورنہ نماز فاسد ہو جائیگی۔

(۱) رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۴ طبع بیروت

مسافت سفر برائے قصر

مسافت سفر جسمیں قصر واجب ہے کتنی ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کرام اور موجودہ دور کے علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اکثر فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ کم از کم چار برید کی مسافت ہونی چاہیے (۱)

اور بقول حضرت مولانا مفتی شفیعؒ برید ۱۲ میل کا ہوتا ہے لہذا چار برید ۴۸ میل ہونگے (۲)

اور یہ چار برید سولہ سولہ میل کی تین منزل ہوتی ہیں لیکن مقدار میل مختلف فیہ ہے۔ تعیین کی یہ تفصیل بھی دوسرے ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں ہے

امام ابو حنیفہؒ کے مسافت کا اعتبار نہیں بلکہ امام صاحب فرماتے ہیکہ اعتبار وقت کا ہے کہ اتنا طویل راستہ جسکو تین دنوں میں اونٹ، یا اس رفتار کی سواری سے طے کیا جاسکے اور یہ سفر بھی صرف دن میں معمول کے مطابق ٹھہرتا ہوا چلا جائے اور رات کو چلنا موقوف کردے اسلئے بعض علماء کرام نے بجائے تعیین مسافت کے فتویٰ تین دن کے مسافت پر دیا ہیں (۳)

پھر ان تین دن کی مسافت اور تین مراحل کی تعیین بعض علماء کرام نے انگریزی میل کے لحاظ سے ۴۸ میل سے کر دی ہے (۴)

احناف نے میلوں کی تعیین کے معتبر نہ ہونیکی وجہ یہ بیان فرمائی ہیں کہ تین دن رات کی مسافت

(۱) احسن الفتاویٰ مفتی رشید احمد صاحب ج ۴ ص ۹۲ ایچ ایم سعید نقلا عن عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۳۱

(۲) جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع رح ج ۱ ص ۳۸۴ مکتبہ دار العلوم کراچی

(۳) فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۲ ص ۲۶۵ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
مجموعہ الفتاوی مولانا عبد الحئی لکھنوی ج ۱ ص ۲۱۳ ایچ ایم سعید کراچی پاکستان

(۴) فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۴ ص ۴۴۴ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

جو اصل مذہب ہے وہ راستوں کے اختلاف سے مختلف ہو سکتی ہے کیونکہ صاف راستہ پر اگر انسان ایک دن میں سولہ میل چل سکتا ہے تو دشوار گذار راستہ میں بارہ میل مشکل سے طے کر سکے اور پہاڑی راستوں میں تو آٹھ نو میل طے کرنا بھی مشکل ہے اسلیئے میلوں کی تعیین مناسب نہیں بلکہ جیسا راستہ ہو اسکے حساب سے جس قدر میل بآسانی تین دن میں طے ہو سکیں وہی مسافت قصر ہے، لیکن تین دنوں کے سفر تعیین ہر شخص کیلیئے دشوار ہے اسلیئے علماء کرام نے اڑتالیس ۴۸ میل پر فیصلہ کیا۔ اڑتالیس ۴۸ میل سے کم مسافت پر سفر شمار نہ ہوگا اور نہ قصر کی گنجائش ہوگی یہ مسافت صرف عام سواریوں میں نہیں بلکہ تیز رفتار سواریاں ٹرین، ہوائی جہاز اور سمندری جہاز سب یکساں ہیں اگرچہ یہ مسافت انکے ذریعہ کتنے ہی کم وقت میں کیوں طے نہ کیا جائے لیکن پھر بھی مسافر کو قصر اور روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہوگی (۱)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی ج ۴ ص ۹۵ اس تفصیل سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمارے علم کے مطابق حضرت صاحب بعد میں اس سے رجوع کر چکے ہیں

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف رحمانی ج ۱ ص ۶۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

خطبہ جمعہ غیر عربی زبان میں

جمعہ کے خطبہ کیلئے، عربی زبان ضروری ہے یا غیر عربی زبان اردو، سندھی، فارسی، و دیگر زبانوں میں بھی دیا جاسکتا ہے

حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ہاں باوجود عربی پر قدرت کے غیر عربی میں خطبہ جمعہ جائز ہے۔ (۱)

اور صاحب جدید فقہی مسائل بھی فرماتے ہے کہ میری رائے بھی یہ ہے کہ خطبہ زبان عربی میں ہو لیکن اگر غیر عربی میں خطبہ دیا جائے تو بلا کراہت جائز ہے اور بدعت نہیں ہے چونکہ دلائل متعارض ہیں اسلئے دلائل کے تعارض کے پیش نظر غیر عربی میں خطبہ کو بدعت کہنا مناسب نہ ہوگا (۲)۔

جبکہ صاحبین کا قول یہ ہے کہ جب عربی پر قدرت ہو تو غیر عربی میں خطبہ دینا ناجائز ہے ہاں اگر عربی جاننے والا کوئی نہ ہو تو غیر عربی میں بھی گنجائش ہے صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ ہدایہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صاحبین کے قول کے طرف رجوع کیا تھا اکابر علماء دیوبند بشمول حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس بات کے قائل ہیں کہ خطبہ غیر عربی میں جائز نہیں مفتی محمد شفیع نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے الاعجوبۃ فی عربیۃ خطبۃ العروبیۃ بہر صورت جو حضرات خطبہ کی عربیت کے قائل ہیں ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں ہے فاسعوا الی ذکر اللہ الآیۃ، بہت سے مفسرین نے ذکر اللہ سے خطبہ مراد لیا ہیں حدیث میں ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام جب امام خطبہ کیلئے نکل جائے تو کسی قسم کی نماز اور بات کرنے کی اجازت نہیں یعنی خاموش رہنا ہے اسی خاموشی کو قرآن نے اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سن لو۔ سے بیان کیا ہے یہ آیت اور

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ عبدالحیٔ لکھنوی ج ۱ ص ۳۲۲ ایچ ایم سعید کراچی

(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۶۳ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

حدیث دونوں خطبہ کے متعلق ہیں

آیت میں کہا جارہا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو یہ الفاظ عام ہیں حالت خطبہ کو بھی شامل ہیں ظاہر ہے کہ قرآن تو عربی میں ہے انکا احترام اور اسکا سننا واجب اور ضروری ہے، اسکے علاوہ خطبہ میں یہ ضروری نہیں کہ سامعین اسکو سمجھ لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی آدمی اور فارسی کوئی کسی اور زبان کا مگر پھر بھی آپؐ سے غیر عربی میں خطبہ دینا ثابت نہیں ہے اس بات پر واضح ثبوت ہے کہ خطبہ عربی ہی ہوتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا کے مختلف بلاد میں بھیجا گیا انہوں نے جمعہ نماز میں بھی پڑھائیں اور خطبہ بھی دیئے لیکن کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے عجموں کے ملک میں پہنچ کر غیر عربی (عجمی زبان) میں خطبہ دیا ہو، اسلیے خطبہ غیر عربی کو ہمارے بعض علماء نے مکروہ بلکہ بدعت لکھا ہے جیسے کہ جواہر الفقہ اور احسن الفتاوی میں موجود ہے (۱)

(۱) جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۳۶۶ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

احسن الفتاوی قدیم مفتی رشید احمد لدھیانوی ص ۲۹۸ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۲ ص ۱۷۹ مکتبہ حامیہ دیوبند یوپی

امداد الاحکام مولانا ظفر احمد عثمانی ج ۱ ص ۶۳۲ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

اور جن کتابوں میں خطبہ جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اس سے بھی جواز مع الکراہت مراد ہے اسلئے کہ جواز اور کراہت میں کوئی منافات نہیں جیسا کہ امداد المفتین اور فتاوی رشیدیہ میں مذکور ہے (۱)

اسکے بالمقابل صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہیکہ خطبہ جمعہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ عربی زبان میں ہو مگر غیر عربی جیسے اردو وغیرہ و دیگر زبانوں میں بھی بلا کراہت کے جائز ہے بدعت نہیں ہے اب رہا یہ کہ آیت فاسعوا الی ذکر اللہ اور تعامل صحابہ کا نہ ہونا سوال کا جواب یہ ہیکہ آیت میں جسطرح ذکر اللہ سے خطبہ مراد لیا گیا ہے اسی طرح بہت سے مفسرین نے اس سے نماز جمعہ بھی مراد لی ہیں باقی صحابہ کا تعامل عربی پر رہا ہے اسکا جواب یہ ہیکہ اصولی طور پر تعامل صحابہ احناف کے ہاں موجب نہیں ہیکہ ہمیشہ اس سے وجوب ثابت ہو نیز صحابہ کرام سے غیر عرب میں اسکا ثبوت اسلئے بھی نہیں کہ اسی وقت عربی زبان کو جو ترقی حاصل تھی وہ کسی اور زبان کو نہیں تھی اسلئے غیر عربی میں انہوں نے خطبہ نہیں دیا

نیز جب جواز کے دلائل اور عدم جواز کے دونوں متعارض ہیں تو عند التعارض دیگر زبانوں میں خطبہ کو بدعت سے موسوم کرنا مناسب نہ ہوگا (۲)

(۱) امداد المفتین مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۳۸۵ ادارہ المعارف کراچی
فتاوی رشیدیہ مولانا رشید احمد گنگوہی ج ۱ ص ۱۳۷ ایچ ایم سعید کراچی
(۲) جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۶۳ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ٹیلیویژن سے امامت کا حکم

ٹیلیویژن کی اقتداء میں اگر نماز پڑھی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں

اس سلسلہ میں علماء کرام نے یہ موقف اختیار کیا ہیں کہ ٹیلی ویژن ایک آلہ لہو ولعب ہے اور آلہ معصیت ہے اسلئے تو اسپر تلاوت قرآن کو بھی علماء کرام ناپسند قرار دیتے ہیں جہاں تک اس پر نماز کا مسئلہ ہے تو اسکی ایک صورت تو یہ ہیکہ امام صاحب بنفس نفیس موجود ہوں مجمع بڑا ہے صفیں پے درپے ہیں فاصلہ درمیان میں اتنا نہیں جو کہ اقتداء سے مانع ہو اور ٹیلیویژن صرف آواز پہنچانے کیلئے سیٹ گئے ہوں اور اس سے اسپیکر کا کام لیا گیا ہو تو اس صورت میں نماز تو ہو جائیگی لیکن نماز مکروہ ہوگی ایک تو اس وجہ سے کہ آلہ معصیت کو نماز میں استعمال کیا جارہا ہے دوئم اسمیں بھی ایک صورت پرستی کی مشابہت ہے نیز نماز کی اصل روح جو کہ خشوع اور خضوع ہے بھی اس سے متاثر ہوگا

دوسری صورت یہ ہیکہ امام اور مقتدیوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جو کہ اقتداء سے مانع ہے اجسکی فقہاء کرام شارع عام نہر کبیر اور پل وغیرہ سے کی ہیں۔ بہر صورت امام صاحب کہیں اور ہو اور مقتدی کہیں اور ہوں تو اس صورت میں ٹیلیویژن دیکھ کر نماز ادا کرلینا درست نہیں اسی طرح ٹیلیویژن پر صرف ریل چل رہی ہو تو بھی نماز نہ ہوگی بہر صورت امام کی نقل و حرکت اور تکبیرات کو معلوم کرنے کیلئے لاوڈ اسپیکر سے کام لیا جاسکتا ہے ٹیلی ویژن کی کوئی ضرورت نہیں (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۵۷ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ٹیپ ریکارڈر سے اذان اور امامت

ٹیپ ریکارڈر سے جو آواز سنائی دیتی ہے وہ صرف ایک حکایت اور نقل ہوتی ہے امام اور مؤذن کیلئے ضروری ہیکہ وہ ناطق (گویا) ہوں اور ٹیپ ریکارڈر کے اندر یہ بات مفقود ہے وہ ایک جامد اور غیر حساس آلہ ہے اور اسکی آواز کو عبادت نہیں کہا جاسکتا۔ اور پھر یہ کہ ٹیپ ریکارڈر کی آواز کی حیثیت مستقل آواز کی بھی نہیں بلکہ وہ تو تابع ہے یہی وجہ ہیکہ اگر کوئی شخص ٹیپ ریکارڈر پر کہے کہ میں نے طلاق دی اور اسکو تین مرتبہ بجایا جائے تو تین طلاقیں نہیں بلکہ ایک طلاق پڑجائیگی یہ اس بات کی واضح ثبوت ہیکہ ٹیپ ریکارڈر کی آواز استقلال کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ تو محض تابع کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کیلئے ایک ہزار کا اقرار کرلیتا ہے اور اسکی اس آواز کو ٹیپ کرکے بار بار بجایا جائے تو مقرلہ کیلئے کئی ہزار نہیں ہونگے بلکہ وہی ایک ہزار واجب ہوگا اور اسکی تابع اور مستقل نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہیکہ جسطرح آدمی لاؤڈ سپیکر پر بولتا ہے تو وہی آواز بلند ہوتی ہے بولنے والے کیساتھ ساتھ برخلاف ٹیپ ریکارڈر کے کہ اسکی آواز حکایت ہے۔

یہی وجہ ہیکہ جس وقت ٹیپ کیا جاتا ہے تو اسی وقت نہیں بلکہ بولنے والا بات ختم کریگا تو اسکے بعد ٹیپ ریکارڈر کو ریورس کرکے بجایا جاتا ہے یہ سب کچھ اس بات پر دلیل ہے کہ ٹیپ ریکارڈر ایک غیر مختار ناقل اور حاکی کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ امام کیلئے یہ ضروری ہیکہ وہ خود ناطق (گویا) ہو اسلیئے ٹیپ ریکارڈر سے امامت اور اذان درست نہیں اور اسکی نظیر فقہاء کرام نے یہ پیش کی ہیں کہ پرندوں کی آواز سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا چونکہ پرندہ ناقل اور حاکی ہوتا ہے

چونکہ پرندہ حیوان ہونے میں انسان کیسا تھ شریک ہے لیکن پھر بھی اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا

چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ ہندیہ نقل کیا ہے ولا تجب اذا سمعہا من طیر ہو المختار وان سمعہا من الصدی لا تجب علیہ ، یعنی مذہب مختار کے مطابق اگر آیت سجدہ کسی پرندہ سے سن لیا تو سجدہ واجب نہ ہوگا اسی طرح باز گشت سے یہ آیت سجدہ سن لیا تب بھی سجدہ واجب نہیں (۱)

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی ج ۲ ص ۱۹ ایچ ایم سعید کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۵۸ حرا پبلی کیشنز لاہور

دیہات میں نمازِ جمعہ

آجکل یہ بھی عام ہو گیا ہے کہ دیہاتوں میں نماز جمعہ اور عیدین پڑھی جاتی ہیں اسکی اجازت شرعاً کہاں تک ہے

اس سلسلہ میں صاحب جدید فقہی مسائل کا کہنا ہے کہ احناف نے مصر اور قریہ کبیرہ کی جو شرط لگائی ہیں جسکی تفسیر میں بھی کافی اختلاف ہے مناسب یہ ہے کہ اسوقت یہ شرط ساقط کیجائے اسلیئے کہ مسلمانوں کا اسوقت طبقہ ایسا ہے کہ وہ نمازوں سے غافل ہیں البتہ ان میں ایک قابل لحاظ تعداد جمعہ کی اس ہفتہ واری نماز میں خصوصیت کیساتھ شرکت کرلیتی ہے اور اسی طرح سے انکو دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصح کا ایک موقع ہاتھ آجاتا ہے اب اگر جمعہ کیلئے اس قسم کی سخت شرطیں لگائی جائیں اس تو یہ سلسلہ بند رہے گا اور لوگ دین سے غافل رہیں گے۔

اسلیئے مصلحت اسی میں ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک اور دوسرے ائمہ کرام جنکے مذہب کے مطابق دیہاتوں میں جمعہ کے قیام کا فتویٰ دیا جائے اور ہمارے اسلاف کے طرز عمل سے بھی یہ بات واضح ہے کہ دینی مصلحت کے پیش نظر ایسے احکام شرعیہ میں جہاں دلائل کا اختلاف ہو کسی آسان اور اقرب الی المصلحت قول کو اختیار کرلیتے ہیں اور ایک امام کے مذہب کے بجائے دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دیا کرتے ہیں اور اس کو دین اور شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے ہیں مثلاً احناف کے یہاں جمعہ کیلئے بادشاہ یا اسکے نائب کا ہونا ضروری ہے لیکن اکثر فقہاء کرام اس شرط سے اختلاف کرتے ہیں پھر جب بعض ممالک میں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا تو فقہاء کرام نے بجائے باقتدار سلطان کے مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے منتخب ہونے والا والی کی اجازت سے جمعہ قائم کرنے کو کافی قرار دیا اور جب یہ صورت حال

بھی باقی نہیں رہی اور غیر اسلامی حکومتوں میں مسلمانوں کی باہمی رائے سے منتخب امیر شریعت بھی نہ رہے تو علماء کرام نے اسکی بغیر بھی قیام جمعہ کا فتویٰ دیا

اور مولانا عبد الحئی لکھنوی ؒ نے متقی عالم کو قاضی اور امیر کا قائم مقام قرار دیا ہے لہٰذا مناسب ہوگا اس مسئلہ میں توسع سے کام لیا جائے بالخصوص ایسے حالات میں کہ احادیث بھی متعارض ہوں (۱)

اسکے برخلاف دوسرے علماء کرام کی رائے یہ ہیکہ مصر اور قریہ کبیرہ کی شرط کو بلا ضرورت شدیدہ ساقط کرنا درست نہیں اور یہ شرط فقہ کی بڑی بڑی کتابوں میں بھی مذکور ہے، احادیث سے بھی حوالہ دیا جاتا ہے تو خواہ مخواہ اسکو نامناسب کہنا درست نہیں البتہ اتنی تخفیف ہو سکتی ہیکہ جب مصر اور قریہ کبیرہ کی تعریف میں اقوال مختلف ہیں تو جہاں کہیں جمعہ ہو رہا ہو اور اسکو ختم کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو تو وہ اس موقع پر دیکھا جائے گا کہ فقہاء کرام نے جو تعریفیں کی ہیں انمیں سے اگر ایک بھی صادق آرہی ہے تو تب بھی جمعہ کو برقرار رکھا جائے گا ختم نہیں کیا جائے گا لیکن جہاں شروع نہیں اور نہ ہونے میں کوئی فساد بھی نہیں تو بلا ضرورت شدیدہ کی خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی تعریف تلاش کر کے جمعہ شروع کرنا درست نہ ہوگا جبتک کہ مصر ہونے کا قوی اور یقینی ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

بہر صورت مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا اقامت جمعہ کیلیے ضروری ہے پھر قریہ کبیرہ کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں مگر سب سے بہتر یہ ہیکہ وہاں کے رہنے والوں کا اعتبار کیا جائے اگر وہ اسکو قریہ کبیرہ سمجھتے ہوں تو قریہ کبیرہ شمار ہوگا ورنہ نہیں

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ۱۴۰ ص ۹۵ ۱۷ پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

کیونکہ امام صاحب کا قول اسی قسم کا دیگر مسائل میں بھی ہے کہ وہ رائے مبتلی بہ کا اعتبار کرتے ہیں جیسے کہ ماء کثیر اور قلیل اور عمل کثیر کے بارے میں رائے مبتلی بہ کا اعتبار کرتے ہیں (۱)

(۱) فتاوی رشیدیہ مولنا رشید احمد گنگوہی ج ۱ ص ۳۸۴ ایچ ایم سعید کراچی
فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۵ ص ۳۳ مکتبہ امدایہ ملتان
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۲۹۵ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
امداد الاحکام مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۲۳۶ مکتبہ دار العلوم کراچی
فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ص ۳۰۱ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
امداد المفتین مفتی محمد شفیع دیوبندی ج ۱ ص ۳۰۲ ادارۃ المعارف کراچی۔

دوران جنگ نماز

جنگ کے دوران اگر مجاہدین مامون ہوں اور دشمن کے حملہ کا خطرہ نہ ہو تو اسی طرح نماز ادا کرینگے جیسا کہ عام معمول ہے اور اگر حالات پرسکون اور موافق نہ ہوں تو پھر شریعت نے باقی حالات کی بنسبت اسمیں تخفیف رکھی ہے

۱۔ ایک صورت یہ ہیکہ ایک قافلہ دشمن کے مقابلہ میں ہو اور دوسرا قافلہ جماعت کیساتھ نماز پڑھ لے جب یہ جماعت نماز سے فارغ ہو جائیں تو دوسری جماعت آکر نماز پڑھے یہ سب سے افضل اور بہتر طریقہ ہے

۲۔ دوسرا طریقہ صلاۃ الخوف کا ہے کہ امام ایک ہو گا اسکے پیچھے دونوں قافلے باری باری نماز پڑھینگے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہیکہ شدید لڑائی کا خطرہ ہے سواری سے نیچے اترنے کا موقع تک بھی نہیں تو اس صورت میں سواری پر ہر شخص الگ الگ نماز پڑھے اگر قبلہ رخ ہونے کی قدرت ہے تو قبلہ رخ ہوں ورنہ جس طرح چاہے اشارے سے نماز پڑھ لے اور یہ اسی صورت میں ہے جبکہ نماز کا وقت نکلنے کا یقین ہو لیکن اس کی گنجائش نہیں ہے کہ جہاد کرتے ہوئے درمیان میں نماز کی نیت کرلے بلکہ ایسے مواقع میں نماز قضاء کرلینی چاہیئے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب کے موقع پر چار نمازوں کی قضاء فرمائی تھی (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۶۵ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ٹرین میں نماز

ٹرین پر نماز پڑھنا جائز ہے قیام اور قبلہ رخ ہونے کی گنجائش ہو تو یہ ضروری ہے۔ اگر دوران نماز گاڑی مڑ جائے تو نمازی دوران نماز مڑ کر اپنا رخ قبلہ کی طرف کرے گا لیکن اگر لوگوں کا ہجوم ہے اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے قبلہ رخ نہیں ہو سکتا یا اسی طرح قیام مشکل ہے کہ حالات قیام میں سر چکرا تا ہے تو اگر یہ ظن غالب ہو کہ وقت نماز بھی باقی ہے وقت ختم ہونے سے پہلے یہ گاڑی اسٹاپ کرے گی تو پھر اس اسٹاپ کا انتظار کرے اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ نماز کا وقت ختم ہو جائیگا تو پھر ریل کے اندر نماز بلا کراہت جائز ہے ارکان صلوٰۃ کی رعایت ضروری ہے (۱)

جبکہ صاحب جدید فقہی مسائل کی عبارات سے اور زیادہ توسیع معلوم ہوتی ہے

(۱) فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۱ ص ۱۵۰ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

• فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۲ ص ۱۲۰ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

• امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۱ ص ۲۷۸ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۶۵ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو کی قرأت پر سجدۂ تلاوت

ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو سے سنی ہوئی تلاوت کیلئے آداب وہی ضروری ہیں جو عام قاری سے سنی ہوئی تلاوت کے ہیں یعنی خاموشی اختیار کرنا اور قرآن مجید کیطرف متوجہ ہونا اور اجر و ثواب بھی اسی عقیدت و محبت پر ان شاء اللہ ملے گا

دوسری بات جو قابل دریافت ہے وہ یہ کہ آیا ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو سے سنی ہوئی آیت سجدہ کی تلاوت پر سامع پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہ، اس سلسلہ میں صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہے کہ ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو دونوں کی آیت سجدہ تلاوت پر سجدہ واجب نہیں اور دلیل یہ ذکر کی ہے کہ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر دونوں کی آواز ان کی اصل آواز نہیں ہے بلکہ اسکی زبان سے ہونیوالے تموّج کو محفوظ کیا جاتا ہے اور پھر بعض دیگر ذرائع سے اس میں آواز پیدا کر دی جاتی ہے، چنانچہ عالمگیریہ کی حوالہ سے نقل فرماتے ہے "ولا تجب اذا سمعها من طير هو المختار وان سمعها من الصدى لا تجب عليه كذا في الخلاصة" (۱)

پرندے سے اگر آیت سجدہ سن لی تو سجدہ واجب نہیں مذہب مختار کے مطابق اور اگر آیت سجدہ آواز بازگشت سے سن لی تب بھی سجدہ واجب نہیں

بہر صورت مصنف جدید فقہی مسائل کے نزدیک ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی سجدہ کا واجب نہ ہونا جبکہ صاحب احسن الفتاوی نے ریڈیو کے بارے میں قدرے تفصیل ذکر کی ہے

(۱) عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۲ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

ریڈیو کی تلاوت کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ ریڈیو پر کیسٹ چلائی جاتی ہے اور وہ آواز پہلے سے ٹیپ شدہ ہے دوبارہ اسکو ریڈیو پر نشر کیجاتی ہے اسکا حکم ٹیپ ریکارڈر جیسا ہے کہ اس سے مسموع آیت سجدہ پر سجدہ واجب نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فی الواقع اسوقت انسان متکلم ہوتا ہے اور اسکی آواز نقل کی جاتی ہے اس صورت میں سجدہ واجب ہے

حضرت مفتی محمد شفیع رہ بھی فرماتے ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ سجدہ واجب ہو (۱)

فتاوی محمودیہ میں ج ۱ ص ۲۴ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نے مطلقاً لکھا ہے کہ ریڈیو کی تلاوت پر سجدہ واجب نہیں مگر اس سے بھی صورت اولی ہی مراد لیا گیا ہے

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ج ۲ ص ۱۹ ایچ ایم سعید کراچی
آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع ص ۱۶۶ ادارۃ المعارف کراچی۔

لاؤڈ اسپیکر پر اذان

اذان کے سلسلہ میں حتی الامکان یہ کوشش کیجاتی رہی ہے اور کیجاتی ہے کہ اذان لوگ زیادہ سے زیادہ سن لیں اور بلند آواز سے ہو اسلیئے ابتداً بلند آواز والے اشخاص کا اذان کیلئے انتخاب کیا جاتا رہا ہے اور انتخاب کیا جارہا ہے، بلند مکان پر چڑھکر اذان دینا اور مینارہ میں مؤذن کا گھومنا اور کانوں میں انگلیاں ڈالکر اذان دینا، ان سب باتوں کا مقصد یہی ہے کہ آواز دور سے دور پہنچ جائے اب جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے لاؤڈ اسپیکر جیسے آلہ کا ایجاد ہوا ہے جوکہ آلۂ لہو ولعب بھی نہیں اور آواز کو دور پہنچانے میں انتہائی ممد اور معاون ہے تو اسکے استعمال کرنے میں شرعاً کیا حرج ہے اسلیئے اس وقت تمام علماء کرام اذان کیلئے اسکے استعمال کو بلا کراہت جائز قرار دیتے ہیں پھر اکثریت بھی اس بات پر ہے کہ یہ اصل آواز کو بڑھاتا ہے (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۹۷ حرا پبلی کیشنز لاہور

آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع ص ۳۶ ادارۃ المعارف کراچی۔

قرأت میں موسیقیت

قرآن مجید کو بہتر اور عمدہ انداز میں پڑھنا شرعاً پسندیدہ اور مطلوب ہے لیکن قرأت میں بے جا تکلف اور تغنی اور موسیقیت ناپسندیدہ اور مکروہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرؤا القرآن بلحون العرب و أصواتها و إياكم ولحون اهل العشق ولحون اهل الكتابين وسيجئ بعدى قوم يرجعون بالقرآن ترجيع الغنا والنوح لا يجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شأنهم (بیہقی)

قرآن مجید عربوں کے لحن اور انکی آواز میں پڑھو۔ اہل عشق اور اہل کتاب کی اواز سے بچو، میرے بعد کچھ لوگ آئینگے جو قرآن کو نغمگی اور نوحہ کیساتھ پڑھینگے قرآن انکے حلق سے نیچے نہیں اترے گا انکے اور انکے اس ادا کو چاہنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہونگے

علامہ جلال الدین سیوطی ؒ نے جمال القراء سے نقل کیا ہکہ قرآن مجید کو ترنم و آواز اصوات الغناء ہلہ سے پڑھنا بدعت ہے نغمگی سے قرآن پڑھنے کی کئی صورتیں ہیں۔

(ترعید) یعنی آواز میں ایسا لرزہ پیدا کیا جائے جو عام طور ٹھنڈک وغیرہ سے پیدا ہوجاتا ہے۔

(ترقیص) حرف ساکن پر دیر تک تلفظ کیا جائے پھر حرکت کے ساتھ آگے پڑھا جائے۔

(تطریب) قرآن کو اس طرح ترنم سے پڑھنا کہ جہاں مدنہ ہو وہاں مد آجائے اور جہاں مد ہو وہاں مناسب مقدار سے زیادہ کھینچ دیا جائے۔

(تحزیم) مصنوعی طور پر ایسی غمگین آواز سے پڑھنا کہ گویا خشوع و خضوع کے باعث بے ساختہ رویا چاہتا ہے اسکے علاوہ اسی طرح پڑھنا کہ کوئی حرف کٹ جائے مثلاً افلاً تعقلون کو افل تعقلون اور قالوا آمنا کو قال آمنا یہ اس قسم کی صورت ہے جو کہ تحریف سے قریب ہے، بہر صورت موسیقی آلہ معصیت ہے کہ آواز کیساتھ قراءۃ کی آواز کی مشابہت یقیناً ناپسندیدہ اور ناجائز ہے (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۶۹ حرا ایبن گشت لاہور
- امداد الاحکام ظفر احمد عثمانی ج ۱ ص ۱۵۸ مکتبہ دار العلوم کراچی

عینک جو لگائی جاتی ہے اسکی دو صورتیں ہیں

۱۔ ضرورت کیوجہ سے جیسے نظر کمزور ہے یا آنکھیں خراب ہونے کیوجہ سے لگائی ہے اس صورت میں بغیر کراہت کے نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ عینک خشوع اور خضوع میں مخل نہو مثلاً رکوع کرتا پڑے یا یہ کہ پیشانی اور ناک وغیرہ کیلئے زمین پر ٹکنے سے مانع نہ ہو اسی طرح بعض اوقات نظر کا چشمہ اتارنے سے چکر آتا ہے یعنی نماز میں یکسوئی نہیں رہتی ایسے لوگوں کیلئے چشمہ پہن کر نماز پڑھنا بہتر ہوگا۔

۲۔ دوسری یہ کہ چشمہ محض زیب و زینت کیلئے لگایا ہے یہ صورت بھی اگر خشوع کا اور خضوع سے مانع نہ ہو تو اس میں بھی نماز بلا کراہت درست ہے یہ صورت اگرچہ نماز سے خارج تو فعل عبث ہے لیکن نماز میں اسکو عبث نہیں کہا جائے گا۔ بہرصورت یہ دونوں صورتیں صاحب جدید فقہی مسائل کے ہاں نزدیک بلا کراہت کے جائز ہے (۱)

جبکہ اسکے برعکس حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہے کہ چشمہ لگانا فعل عبث ہے اور فعل عبث نماز میں مکروہ ہے اس عارض کے سبب یہ فعل مکروہ ہوگا (۲)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۴۲، حرا پبلی کیشنز لاہور

(۲) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۱ ص ۲۸۹ مکتبہ دار العلوم کراچی۔

محراب میں تصویر اور بزرگوں کے نام

آج کل محرابوں میں تصویروں کی نقاشی کا جو رواج ہے علماء کرام اسکی بڑی سختی سے منع کرتے ہیں چنانچہ صاحب احسن الفتاوی نے یہاں بھی تحریر کیا ہےکہ اگر کسی ذی روح کی تصویر نمازی کے سامنے ہو چاہیے مسجد میں ہو چاہیے گھر میں تو یہ نماز مکروہ تحریمی ہے اور واجب الاعادہ ہے (۱)

صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ ہدایہ نقل کیا ہے اشد کراہتہ ان یکون امام المصلی ثم من فوق رأسہ ثم یمینہ ثم شمالہ ثم خلفہ سب سے زیادہ کراہت اس تصویر میں ہے جو نمازی کے سامنے ہو پھر اس میں جو اسکے سر کے اوپر ہو پھر اس میں جو دائیں ہو پھر اس میں جو بائیں ہو اور پھر پیچھے کی تصویر۔ اسی طرح یہ بھی مرقوم ہے یکرہ ان یکون فوق رأسہ تصاویر او صورۃ معلقۃ۔ مکروہ ہے کہ اسکے سر کے اوپر چھت میں کوئی تصویر لٹکی ہوئی ہو۔

چونکہ ہمارے زمانہ میں قبر پرستی اور اولیاء پرستی کی بیماری بھی عام ہے ایسے عالم میں دیواروں پر بزرگوں کے نام لکھنا اور اسکے کتبے لگانا بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا۔

باقی غیر ذی روح کی تصویر کی فقہاء کرام نے اجازت دی ہے یہاں تک کہ علامہ شامی رح فرماتے ہے کہ چاند اور سورج اور ستاروں کی تصویر بنانا بھی جائز ہے مگر مصنف جدید فقہی مسائل فرماتے ہے کہ چاند اور سورج اور ستاروں کے بعض مذاہب میں پرستش کیجاتی ہے اور انکی عبادت خانوں میں انکی تصویریں بنائی جاتی ہیں اسلیے اس قسم کی تصاویر سے اجتناب کرنا ہوگا، پھر یہ کہ محقق علامہ ابن نجیم مصری نے تو مطلقاً تصویروں کی نقاشی کو مکروہ قرار دیا ہے (۲)

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب ج ۳، ص ۴۲۶ ایچ ایم سعید کراچی

(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۴۲ حراءبلی کیشنز لاہور

مساجد میں سونا اور رہنا

آج یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ مساجد کو مسافر خانہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں مصنف جدید فقہی مسائل نے بحوالہ بحر الرائق نقل کیا ہے

ویکره فی المسجد اکلٌ ونومٌ اِلّا للمعتکف والکلام المباح قیّدہ فی الظھیریۃ بان یجلس لاجلہ لکن فی النہر الاطلاق اَوْجَہُ، معتکف کے علاوہ باقی لوگوں کیلئے مسجد میں کھانا اور سونا مکروہ ہے اور جائز قسم کی دنیوی گفتگو بھی فتاوی ظہیریہ میں اسکو مقید کیا گیا ہے اس صورت کیساتھ جبکہ خاص اسی مقصد کیلئے بیٹھا ہوا ہو لیکن نہر نامی کتاب میں یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے (۱)

شامی میں ہے اذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل (۲)
جب مسجد میں رہنے کا ارادہ کرے تو چاہیئے کہ اعتکاف کی نیت کرلے ظاہر ہے کہ مسجد میں بلا وجہ رہنا مسجد کے مقصود کے خلاف ہے اور مسجد میں سونے کی صورت میں بسا اوقات فضول گفتگو کی بھی نوبت آتی ہے اسلیئے حضرت عمرؓ نے دنیوی گفتگو کیلئے مسجد سے باہر ایک چبوترا بنوایا تھا جسکا نام بطیحا رکھا گیا تھا ⓷

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۴۲ حرا پبلی کیشنز لاہور
(۲) رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۴ طبع بیروت
⓷ جدید فقہی مسائل ص ۴۲ / ۱

اسکے علاوہ مسجد میں بلا ضرورت کے رہنے کی صورت میں خروج ریح کی نوبت بھی آسکتی ہے حالانکہ مسجد میں کسی بدبودار چیز کے پھیلانے سے منع کیا گیا ہے مزید برآں مسجد میں جنابت کی نوبت بھی آسکتی ہے پھر یہ کہ مسجد میں بلا ضرورت ہمیشہ اسطرح رہنے سے مسجد کی عظمت بھی دل سے ختم ہوجاتی ہے ہاں اگر دینی ضرورت کی بناء پر ہو تو کوئی حرج نہیں جیساکہ تبلیغی اور دینی اجتماعات اور سفروں میں اسکی نوبت آتی ہے اسکی نظیر فقہاء کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں اعتکاف کرنا اور وفود کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے کو پیش کیا ہیں

احادیث سے بھی اجازت مل جاتی ہے مگر فقہاء کرام نے ان احادیث کو ضرورت پر محمول کیا ہیں بغیر ضرورت کے مسجد میں رہنا مکروہ ہے (۱)

(۱) کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۳ ص ۱۱۵ مکتبہ امدادیہ ملتان
فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۱ ص ۳۶۸ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

مساجد میں اُجرت لیکر تعلیم دینا

آج کل عام شہروں میں مساجد کے اندر تعلیم کا انتظام ہے مساجد کو بطور درسگاہ استعمال کیا جاتا ہے اور معلمین اجرت لیکر تعلیم دیتے ہیں اسکو بعض بزرگ ناجائز کہتے ہیں اور ناجائز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد میں اجارہ ہو رہا ہے

مگر اسوقت مساجد میں تعلیم کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا اسلئے کہ جو فقہاء مسجد میں تعلیم پر عدم اُجرت کے قائل ہیں انکے نزدیک تو علی الاطلاق تعلیم پر اجرت ناجائز ہے امام ابوحنیفہؒ کا خود مسلک یہ ہے کہ تعلیم پر اجرت ناجائز ہے مگر فقہاء نے بعد میں اسکی اجازت دینی مصلحت کے پیش نظر دیدی اور اسی پر فتوی ہے

اسی طرح مسجدوں میں تعلیم کو فقہاء کرام ناجائز قرار دیتے ہیں اسلئے کہ مسجدیں کسب معاش کیلئے نہیں بنائی گئی ہیں

لیکن ضرورت کے پیش نظر جبکہ مسجد کے علاوہ تعلیم و تعلم کیلئے دوسری جگہ نہ ہو تو مسجد میں تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ عالمگیری میں ہے

اما المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر اوغیرہ لایکرہ (۱)

بچوں کو اجرت لیکر تعلیم دینے والا معلم جب گرمی کیوجہ سے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے مسجد میں بیٹھکر تعلیم دیدے تو مکروہ نہیں۔

(۱) عالمگیری ج ۵ ص ۱۱۰ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

عبارت مذکورہ میں تصریح کیگئی ہے کہ تنگ گری کی علاوہ دوسری مجبوریوں کی بناء پر بھی مسجد میں تعلیم دے سکتے ہیں

ایسے ہی کہ مساجد میں اجرت لیکر پڑھانے کو جائز قرار دیا جائے تو اسکا مطلب ہوگا مسجد میں اجارہ وکسب معاش کو جائز قرار دیا گیا، تو اسکا جواب یہ ہیکہ یہ صورت نماز واذان میں بھی ہے اسلیے اسکی وجہ سے کراہت کا حکم لگانا بھی درست نہیں، اسمیں کوئی شک نہیں کہ چھوٹے بچے مسجد میں آجائیں تو مسجد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اسلیے کہ بچے عام طور پر انکے کپڑے بدن پاؤں وغیرہ ناپاک ہوتے ہیں یقیناً یہ ایک بہت خطرناک صورت ہے

لیکن ہمارے اس زمانہ میں تعلیم وتعلم کی جگہیں مساجد ہیں ہر جگہ مدارس نہیں ہیں دین کی تعلیم کو اگر بند کیا جائے تو بھی ایک بہت بڑے نقصان کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اسلیے اسی مجبوری کے پیش نظر مسجد میں تعلیم دینا جائز ہے پھر یہ کہ اگر بچے ایسے ہوں کہ ناپاکی کی تمیز رکھتے ہوں تو پھر اسکے جواز میں کیا کلام ہوسکتا ہے (۱)

(۱) کفایت المفتی مولانا کفایت اللہ ج ۱ ص ۱۲۹
امداد الاحکام ظفر احمد عثمانی ج ۱ ص ۳۴۹ مکتبہ دار العلوم کراچی
امداد المفتین مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۸۱۱ ادارۃ المعارف کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۷۵ حرا پبلی کیشنز لاہور

مسجد کے نیچے دکانیں تعمیر کرنا

آج کل اکثر مسجدوں کے نیچے دکانیں تعمیر کردی جاتی ہیں جن سے حاصل ہونے والی آمدنی مسجد کے اخراجات میں لگائی جاتی ہے اسی طرح شہروں میں جگہ کی تنگی کیوجہ سے اب اوقات مسجد کے نیچے وضوءخانے اور طہارت خانے بھی بنائے جاتے ہیں

فقہی نقطہ نظر سے علماء کرام نے اسکو جائز قرار دیا ہے

عالمگیری میں ہے ولوکان السرداب لمصالح المسجد جاز کمافی مسجد بیت المقدس (۱)
اگر تہ خانہ مسجد کے منافع کیلئے بنایا جائے تو جائز ہے، جیسے کہ بیت المقدس میں یہ صورت ہے

بہرصورت علماء کرام نے یہ واضح کردیا ہے کہ واقف جیسے زمین وقف کرلیتا ہے تو وہ زمین اسکی ملکیت سے منقطع ہو جاتی ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ دکانیں مسجد کے نیچے اسوقت تعمیر کرسکتے ہیں جبکہ اس جگہ پر ابتک مسجد بنی ہوئی نہ ہو یعنی ابتداءً یہ بتادیا جائے کہ یہ جگہ دکانوں کیلئے ہے جسکی آمدنی مسجد کے مصالح میں خرچ کیجائیگی لیکن اگر ابتداءً مسجد بنگئی اب اسکو گراکر نیچے دکانیں تعمیر کرنا درست نہیں ہے (۲)

(۱) عالمگیری ج ۲ ص ۵۵۴ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ۔
(۲) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۲ ص ۶۸۸ مکتبہ دارالعلوم کراچی
امداد المفتین مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۸۱۱ ادارۃ المعارف کراچی
فتاوی عبدالحئی ج ۱ ص ۱۸۲ ایچ ایم سعید کراچی۔

تیسرا باب

روزہ کے جدید مسائل

روزہ
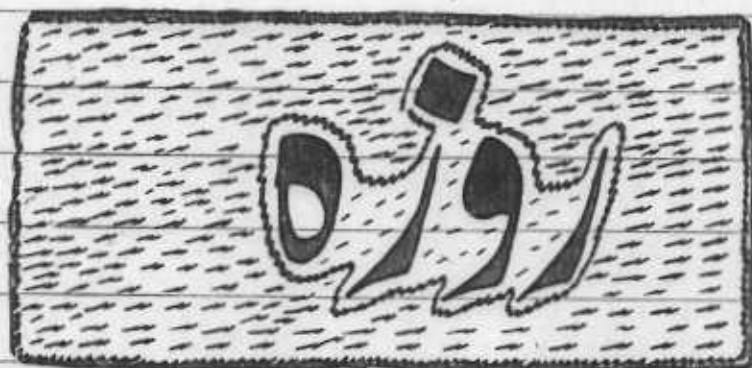
رؤیت ہلال کے اصول

رؤیت ہلال کے متعلق فقہاء کرام نے جو اصول ذکر کئے ہیں اولاً ہم انکو ذکر کرتے ہیں پھر موجودہ دور میں رؤیت ہلال کے سلسلہ میں آلات جدیدہ کا جو استعمال کیا جاتا ہے اسکا جائزہ علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں ذکر کرینگے۔

رؤیت ہلال کے اصولوں میں سے سب سے پہلا اصول فقہا کرام نے یہ ذکر کیا ہے کہ اگر مطلع صاف ہو تو عید الفطر اور رمضان المبارک دونوں کے چاند کی رؤیت میں خبر مستفیض کا اعتبار ہوگا۔ خبر مستفیض کا مفہوم فقہاء کرام کے ہاں یہ ہے کہ اتنی بڑی جماعت سے یہ خبر منقول ہو جنکے اجتماع علی الکذب کو عادۃً محال سمجھا جاتا ہو چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتا ہے:

و ان لم تكن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم[1].

اگر آسمان پر گرد و غبار نہ ہو تو اس وقت ایک شخص کی گواہی معتبر نہ ہو گی جب تک کہ ایک بڑی جماعت جنکی خبر پر یقین ہو جائے اس کی خبر نہ دیں۔

دوئم اگر مطلع ابر آلود ہو تو اس وقت رمضان المبارک کے چاند دیکھنے میں ایک عادل آدمی کی گواہی معتبر ہے کہ وہ گواہی دیدے کہ میں نے بچشم خود دیکھا ہے اگر قاضی اور امیر المؤمنین موجود ہوں تو انکے سامنے گواہی دیدیگا ورنہ عام انسانوں کے سامنے مسجد میں گواہی دے گا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

---

[1] ہدایہ ابوالحسن برہان الدین مرغینانی ص ۲۱۵ ج ۱ کتاب الصوم۔ مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

و اذا کان بالسماء علة قبل الامام شهادة الواحد العدل
فی رویة الهلال رجلا کان او امرأة حرا کان او عبداً[1]

جس وقت آسمان پر گرد و غبار ہو تو رمضان المبارک کے چاند دیکھنے میں ایک عادل شخص کی خبر کو بھی امام قبول کرینگے چاہے وہ شخص مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام۔

ظاہر ہے کہ ایک شخص کی خبر سے یقین کا فائدہ تو حاصل نہیں ہوتا مگر ظن غالب کا فائدہ تو حاصل ہوتا ھے پھر ظن غالب کے مختلف مراتب ہیں جو ظن غالب عام معاملات میں دو شخص کی گواھی سے حاصل ہوجاتا ھے وہ اس ظن غالب سے اعلیٰ اور اقویٰ ہے جو ایک شخص کی خبر سے حاصل ہو۔ اسی طرح فتاویٰ شامی میں بھی ہے۔

و قُبِلَ بلا دعویٰ و بلا لفظ اشهد للصوم مع علة
کغیم و غبار خبر عدل[2]

ایک شخص کی خبر بغیر دعوی اور لفظ اشہد کے بغیر بھی رمضان المبارک کے چاند دیکھنے کیلئے کافی ھے جب آسمان ابر آلود ہو۔ شہادت و گواہی اور خبر و اطلاع میں فرق یہ ھے کہ گواھی تو قاضی کے سامنے دیجاتی ھے اور خبر و اطلاع کیلئے یہ ضروری نہیں پھر شہادت میں زیادہ قوت ہوتی ھے اور اس سے اعلیٰ اور اقوی درجہ کا ظنّ غالب حاصل ہوجاتا ھے بنسبت خبر و اطلاع کے۔ پھر رمضان المبارک کے چاند دیکھنے کیلئے ثبوت کیلئے کم از کم ایک شخص کی خبر کو ضروری قرار دیا گیا ھے یہ ضروری نہیں کہ وہ عادل اور ثقہ ہوں بلکہ مستور الحال کی خبر کا

---

[1] ھدایہ ابوالحسن برہان الدین مرغینانی ص ۲۱۵/۱ کتاب الصوم مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
[2] فتاویٰ شامی ص ۹۰/۲ کتاب الصوم، بیروت۔ ابن عابدین شامی۔

بھی اعتبار ہے۔ چنانچہ مجموعۃ الفتاوی میں ہے

فی النوادر ان شہادۃ المستور مقبولۃ فی ذلک [1]

یعنی رمضان المبارک کے چاند کے ثبوت میں مستور الحال کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔

اس سے آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں

ونحن نقول ان شرط العدالۃ فی امثال ھذا فی زماننا یخل باکثر الاعمال لاسیما فی الصیام فالاحری ان یفتی بما عن الامام ابی یوسف ان کان الشاھد ذا مروۃ بحیث یغلب علی الظن صدقۃ یقبل قولہ لئلا یختل امر الصیام (انتہی)

عدالت کی شرط لگانا ہمارے اس زمانے میں بہت سے اعمال میں مضر ہوگا خاص طور پر روزہ کے معاملے میں اسلئے مناسب یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے اس قول پر فتوی دیا جائے کہ گواہ اگر اسطرح صاحب مروت ہے کہ جس سے انکی صداقت کا غلبہ ہوتا ہے تو اسکے قول بھی قابل اعتبار ہے۔ یہ اسلئے تاکہ روزہ کے معاملہ میں خلل واقع نہ ہو۔

ان عبارات سے معلوم ہو گیا کہ رمضان المبارک کیلئے جو گواہی مطلوب ہے وہ دیگر معاملات کی گواہی سے کمتر ہے اور اس میں اتنا قوی گمان مطلوب نہیں جو دیگر معاملات میں مطلوب ہے

سوئم: عید الفطر کے چاند دیکھنے کیلئے دو معتبر آدمیوں کی گواہی کی ضرورت ہے جبکہ مطلع ابر آلود ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

اذا کان بالسماء علۃ لم تقبل فی ھلال الفطر الا شہادۃ رجلین او رجل و امرأتین

---

[1] مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، مولانا عبد الحی لکھنوی، ص ۲۴۸، ج ۱، امجد اکیڈمی، لاہور۔

جب آسمان ابر آلود ہو تو عید الفطر کے چاند دیکھنے میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ عید الفطر کے چاند کیلئے رمضان المبارک کے چاند سے زیادہ اعلیٰ اور اقویٰ درجہ کی گواہی مطلوب ہے باقی جب آسمان ابر آلود نہ ہو اور مطلع صاف ہو تو رمضان المبارک اور عید الفطر دونوں کیلئے ایک عظیم جماعت کی خبر کی ضرورت ہو گی جن کی خبر پر پختہ یقین حاصل ہو جائے۔

تاہم محض شک کی بناء پر کبھی بھی چاند نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا گیا ہے، شک سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا گمان یکساں طور پر ہو اور ایک طرف زیادہ رجحان نہ ہو سکے اور اسکی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰ شعبان کو محض اس احتمال پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ آج رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہو اور ۲۹ کو چاند ہو چکا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نہ ہو چکا ہے۔ بہر صورت ایسے احتمالات پر چاند کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔[2]

---

[1] ہدایہ ابو الحسن مرغینانی ص ۲۱۶ ج ۱ مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

[2] جدید فقہی مسائل۔ خالد سیف اللہ رحمانی ص ۷۷، ۷۸، ۷۹ ج ۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

رویت ہلال میں آلات جدیدہ جہاز اور خوردبین کا حکم

رویت ہلال کے سلسلے میں آلات جدیدہ قابل اعتبار ہیں یا نہیں اس سلسلہ میں علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ آلات جدیدہ کے ذریعہ سے رویت کی حیثیت محض کشف کی ہے یعنی اس طرح نہیں کہ ایک چیز کا وجود ہی نہو اور ان آلات کے ذریعہ سے خواہ مخواہ اسکو دکھایا جائے بلکہ آلات کے ذریعہ سے تو صرف ایک چیز جو دوری، گرد و غبار کیوجہ سے ہمیں نظر نہیں آتی۔ یہ آلات اسکو ہمارے لئے قابل دید بناتے ہیں اور اس کی نظیر کو فقہاء نے یہ بیان کی ہے جیسا کوئی شخص بلندی پر ہو اور وہ چاند دیکھے جبکہ نیچے سے چاند نظر نہ آتا ہو تو اس کی اطلاع قابل اعتبار ہوگی، یہی حال آلات جدیدہ دوربین یا جہاز وغیرہ کا ہے کہ انکے استعمال کرنے والے کو چاند بسا اوقات نظر آتا ہے اور دوسروں کو نہیں آتا۔ اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا کہ چاند کا وجود ہی نہیں دوربین اور جہاز سے ایک غیر موجود شیء کو موجود بتلایا جاتا ہے۔

اس مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب مطلع صاف نہو تو رمضان المبارک وعید الفطر کے چاند کی خبر دوربین یا جہاز سے دیکھکر اگر دو شخص بھی دیں تو انکی شہادت کا اعتبار ہوگا بشرطیکہ جہاز ایسی بلندی پر نہ ہو کہ جس سے حکم بدل جاتا ہو یعنے کہ جہاز بھی ایسی جگہ پہنچکر اس کی خبر دیتا ہو کہ اس کو زمین سے دیکھنا بھی ممکن ہو صرف غبار آلودگی کیوجہ سے نظر نہ آتا ہو اور اگر مطلع صاف ہے تو پھر ایک بڑی جماعت کی خبر کی ضرورت ہوگی اسی صورت میں اگر باقی اہل زمین کو نظر نہ آجائے تو یہ کہا جائیگا کہ شاید کوئی ستارہ وغیرہ دیکھا ہے ورنہ اہل زمین اور بغیر خوردبین والوں کو کیوں نظر نہیں آتا۔ اسلئے اس صورت میں اس قسم کے آلات کے ذریعہ کی خبر

معتبر نہ ہوگی۔ صاحب امداد الفتاوی نے لکھا ہے کہ جو احکام چاند دیکھنے کے ہیں وہی خوردبین کے ہیں لہذا چاند دیکھنے کا اہتمام دوربین یا جہاز سے کرنا کوئی غلط نہیں۔[1]

[1] امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۱۱۰ ج ۲ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۹۸۳ء۔

رویت ہلال کی تحریری اطلاع کا حکم

چاند کے معاملہ میں تحریر کافی ہے اسپر اعتبار کیا جائیگا یا نہیں۔ اس سلسلہ میں علماء کرام نے یہ توقف اختیار کیا ہے کہ تحریر شہادت اور گواہی کا کام تو نہیں دیسکتی لیکن اسکو شرعاً غیر معتبر بھی شمار نہیں کیا گیا ہے بلکہ تحریر خبر کا فائدہ دے سکتی ہے اسلئے چاند کے معاملہ میں جیساکہ یہ بات تفصیل سے گذر گئی ہے کہ مطلع جب ابر آلود ہو تو ایک آدمی کی خبر جس طرح کافی سمجھی جاتی ہے اسی طرح ایک معتبر شخص کی خبر تحریر بھی کفایت کر جائے گی اور اسکا اعتبار کیا جائے گا۔ بشرطیکہ قرائن خارجیہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ تحریر واقعتاً فلاں شخص کی ہے جس کی طرف اسکی نسبت کیگئی ہے۔ چنانچہ اسی قبیل سے فقہ کا وہ مشہور مسئلہ ہے کہ اگر ایک قاضی کو دوسرے قاضی کے پاس اپنی تحریر بھیجنی ہو تو وہ اسپر مہر لگاکر دو شخصوں کو سنا کر ان کے حوالے کر دے۔ یہ دو آدمی دوسرے قاضی کے پاس پہنچکر یہ گواہی دیں کہ یہ تحریر فلاں قاضی کی جانب سے ہے تو اس تحریر کا اعتبار ہوگا۔ اسی طرح جو تحریر قاضی کے زیر نگین ہو فقہاء کرام نے اسکا بھی اعتبار کیا ہے

مایکون فی قمطرہ فھو تحت ختمہ یؤمن علیہ من الزیادۃ و النقصان فحصل لہ العلم بذلک[1]

جو تحریر قاضی کے بستہ میں ہو اور اسکے زیر نگین ہو کمی اور زیادتی سے مامون ہو لہذا اسکی وجہ سے قاضی کو اسکا یقین حاصل ہوگا۔

اسی طرح دکانداروں کے پاس جو کھاتے ہوتے ہیں انکا بھی اعتبار کیجاتا ہے

---

[1] ہدایہ مرغینانی ص ۱۴۲ ج ۳ نقلاً عن جدید فقہی مسائل۔

اما خط البیاع و الصراف والسمسار فهو حجة وان
لم یکن معنونا مصدرا یعرف ظاهرا بین الناس
وکذا ما یکتب فی ما بینهم یجب ان یکون حجة للعرف[1]

تاجر اور صراف اور دلال کا نوشتہ سند ہے اگرچہ اس پر عنوان درج نہ ہو اور نہ تحریر ایسی باتوں پر مشتمل ہو جو عام طور پر لوگوں میں مروج ہیں اسی طرح وہ تحریر جو لوگ آپس میں لکھتے رہتے ہیں ضروری ہے کہ عرف عام کے مطابق انکو بھی سند تسلیم کیا جائے۔

مذکورہ احکام اس قسم کے ہیں جنکا تعلق حقوق العباد سے ہے اور ان میں تحریر کا اعتبار کیا گیا ہے تو رؤیت ہلال جسکا تعلق حقوق اللہ سے بطریق اولیٰ ہی تحریر کا اعتبار ہونا چاہئے البتہ یہ ضروری ہوگا کہ قرائن خارجیہ سے ثابت ہو جائے کہ واقعتاً یہ تحریر فلان شخص کا ہے اسکا اعتبار کیا جائے گا[2] اور اگر خط لکھنے والے کا علم نہ ہو اور تحریر بھی متمیز نہ ہو ایسی صورت میں تحریر کا اعتبار ہی نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] ردالمحتار ص ۳۹۷ ج ۴
[2] آلات جدیدہ، مفتی محمد شفیع ص ۱۷۸ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴
احسن الفتاوی کامل ص ۳۳۴ مفتی رشید احمد لدھیانوی۔ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔
فتاوی رشیدیہ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی ص ۱۶۰ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

ٹیلیفون کی ذریعہ سے رویت ہلال کی اطلاع

صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہے کہ ٹیلیفون کا حکم بھی خط اور تحریر ہی کے حکم کی طرح ہے جسطرح دو خطوں میں مماثلت پایا جاتا ہے اسی طرح دو انسانوں کی آواز میں بھی بسا اوقات مماثلت پائی جاتی ہے اسلئے جبتک کہ قرائن خارجیہ کے ذریعہ سے یہ یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ یہ ٹیلیفون فلان شخص کی ہے اسوقت تک ٹیلیفون کی خبر پر یقین نہیں کیا جائے گا لیکن اگر آپ نے ایک شخص کو پہلے ہی سے متعین کر رکھا ہے کہ اگر آپ نے چاند دیکھ لیا تو فلان وقت پر مجھے اطلاع کر دینا اب وہ شخص ٹھیک اسی مقرر کردہ ٹائم کے مطابق آپکو فون کر دیتا ہے تو غالب یہی ہے کہ وہی شخص ہوگا کوئی اور نہیں ہوگا۔ صاحب فتاویٰ محمودیہ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ عید میں گواہی ضروری ہے اسمیں آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ اسلئے ٹیلیفون پر اسکی شہادت معتبر نہیں۔ رمضان میں معتبر قرار دیا جائے گا الا یہ کہ کمیٹی وغیرہ کے سامنے گواہی ہو جائے وہ ٹیلیفون کریں تو معتبر ہو جائے گا۔[1]

---

[1] جدید فقہی مسئل خالد سیف اللہ ص ۸۶ ج ۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۱۲۹ ج ۳ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ سے رؤیت ہلال کی اطلاع

ریڈیو اور ٹی وی کا حکم بھی ٹیلیفون کی مانند ہے فرق اتنا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اکثر وبیشتر حکومت کے انتظام کے تحت ہوتی ہیں ان میں جو اعلان یا خبر ہوگی وہ سرکاری ہوگی اسلئے ان پر جب اعلان ہوگا تو وہ سب کیلئے ہوگا اور اسپر عمل کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر ریڈیو اور ٹی وی سرکار کے تحت نہوں بلکہ کسی فرد واحد کے حکم کے تحت چل رہے ہوں تو ایسی صورت میں ان کیلئے وہی شرائط ہونگے جو ٹیلیفون کے ہیں یعنی اسوقت یہ ضروری ہوگا آواز متمیز اور معلوم ہو کہ کس کی ہے اور کون بول رہا ہے لیکن یہ بھی وہاں معتبر ہوگا جہاں فرد واحد کی خبر معتبر ہے لیکن جہاں شہادت ضروری ہے وہاں دو کا عدد۔ اور ان کی گواہی کسی منتظم کیٹی وغیرہ کے سامنے ضروری ہے پھر کیٹی و غیرہ کا کوئی شخص یا کوئی سرکاری اہلکار اسکا اعلان کرے تو معتبر ہوگا۔[1]

---

[1] فتاوی محمودیہ، مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۳ ص ۱۲۹ کتبخانہ مظہری گلشن اقبال کراچی۔
آلات جدیدہ۔ مفتی محمد شفیع ص ۱۷۶ ۔ مکتبہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴
احسن الفتاوی کامل۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی ص ۳۳۵ قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

رویت ہلال کے بارے میں فلکیاتی تحقیق کی رعایت

فلکیاتی علوم اور حساب پر رمضان وعید کا فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کرام کا مؤقف یہ ہے کہ فلکیاتی علوم اور حساب وغیرہ اگر قواعد شرعیہ کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ جہاں تک اسلامی تعلیمات کا مدار ہے تو وہ ایسے پیچیدہ علوم پر انکی بناء نہیں ہے بلکہ اسلام کے اصول انتہائی سادہ اور فطری ہیں کہ انکو ہر شخص عام وخاص سمجھ سکتا ہے اسلئے اسلام نے قمری مہینوں کے بارے میں تکلفات سے کام لینے کے بجائے چاند دیکھنے اور تیس دن مکمل کر لینے کو معیار قرار دیا ہے اسلئے جمہور ائمہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام احمد کے ہاں فلکیاتی علوم اور حساب پر رمضان وعید کا فیصلہ کرنا درست نہیں صرف امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسا شخص جو فلکیات کا ماہر ہو یعنی منجم اور جو لوگ انکو صحیح باور کرتے ہوں کے حق میں فلکیاتی علوم اور حساب قابل قبول ہیں عام لوگوں کیلئے خود انکے ہاں بھی حجت نہیں۔ بہر صورت اسلام کے مزاج میں سادگی ہے اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته (1)

جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب عید کا چاند دیکھو تو افطار کرو

قبلہ کے مسئلہ میں بھی اسلام کا یہی سادہ حکم ہے کہ اسکے جانب رخ کرو یہ ضروری نہیں کہ تم بالکل سیدھا ہو تو نماز ہوگی ورنہ نہیں بلکہ جتنی تمھیں قدرت ہے لیکن اسکا یہ بھی ہرگز مطلب نہیں کہ فلکیاتی علوم اور حساب وغیرہ بالکل مردود ہیں بلکہ مطلب یہ کہ اگر شرع کے مؤید ہیں تو قابل قبول ہیں ورنہ نہیں (2)

---

(1) عزیز الفتاوی، مفتی عزیز الرحمان۔ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی ج 1 ص 186
(2) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج 1 ص 87 حرا پبلی کیشنز۔ اردو بازار لاہور

رویت ہلال کے سلسلہ میں تار کی اطلاع

تار کی اطلاع بعض کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند وغیرہ کے سلسلہ میں معتبر نہیں جیسا کہ عزیز الفتاوی صـ ۳۷۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خط اور تار کے ذریعہ سے جو خبر رویت ہلال رمضان یا شوال کے آوے وہ شرعاً حجت نہیں ہے اور اسپر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ ھکذا فی کتب الفقہ

اسی طرح مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں ٹیلیگرام اور وائرلیس سے آئی ہوئی خبروں میں چونکہ خبر دینے والے کی شناخت نہیں ہوسکتی اسلئے محض ایسی خبروں سے ہلال ثابت نہیں ہوگا [1]

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تار کی خبر مطلقاً معتبر نہیں جبکہ دیگر بعض کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قرائن سے معلوم ہوجائے یا شرعی شہادت اس پر موجود ہو تو معتبر ہے یعنی یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص نے تار روانہ کی ہے یا اس پر دو گواہ ہوں نیز معاملہ چاند کی خبر کا ہو گواہی ضروری نہ ہو تو تار کے ذریعہ اطلاع درست ہے یا منتظمہ کمیٹی سن کر پھر اس تار کا انتظام کرے تو پھر بھی درست [2] ہے اور اس تار کو معتبر سمجھا جائیگا۔

[1] آلات جدیدہ۔ مفتی محمد شفیعؒ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۔
[2] فتاوی رشیدیہ مکمل۔ مولانا رشید احمد گنگوہی صـ ۱۵۴ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
احسن الفتاوی۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی صـ ۳۳۳ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی صـ ۸۸ ج ۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

اختلاف مطالع

یہ مسئلہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قدیم ہے لیکن عصر حاضر کے جدید انکشافات نے اسکو بھی جدید مسائل میں داخل کر دیا ہے۔ یہاں پر دو باتیں ہیں ایک یہ کہ اختلاف مطالع پایا جاتا ہے یا نہیں دوم اگر اختلاف مطالع پایا جاتا ہے تو شرعاً اسکا اعتبار بھی ہے یا نہیں؟
نمبر اول کی تفصیل یہ ہے مطالع مطلع کی جمع ہے اور مطلع کا معنی چاند طلوع ہونے کی جگہ اسطرح اختلاف مطالع کا معنی ہوگا کہ دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف خطوں میں چاند کے طلوع ہونے اور نظر آنے کی جگہ الگ الگ ہوا کرتی ہے لہذا عین ممکن ہے کہ ایک جگہ چاند طلوع ہو کر نمودار ہو اور دوسری جگہ نمودار نہ ہو اور ایک جگہ ایک دن چاند نظر آئے اور دوسرے دن دوسری جگہ اور یہ بات محض احتمالی نہیں ہے بلکہ آجکل اس سائنسی دور میں یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ دنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں کہ جن میں بارہ بارہ گھنٹہ کا فرق ہوتا ہے عین اسوقت جب ایک جگہ دن نصف ہو رہا ہے تو دوسری جگہ رات آدھی ہو چکی ہوتی ہے ایک جگہ ظہر کا وقت ہو چکا ہوتا ہے تو ٹھیک اسی وقت دوسری جگہ مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا ہے۔
ظاہر بات ہے کہ ان حالات میں انکا مطلع ایک تو ہو ہی نہیں سکتا۔
نمبر دوم اگر یہ اختلاف مطالع واقعتاً ہے اور نفس الأمر میں ثابت ہے تو آیا شرعاً اسکا اعتبار ہے یا نہیں تو احناف کا مشہور قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں لہذا اگر چاند مشرقی علاقوں سے کسی کو نظر آیا تو وہ مغربی علاقوں کیلئے بھی حجت ہوگا اور یہی رؤیت انکے رمضان اور عیدین کے ثابت کرنے کیلئے کافی ہوگی۔ امام شافعی اور دوسرے کچھ فقہاء کرام کے ہاں اس اختلاف مطالع کا اعتبار ہے لہذا ایک مقام کی رؤیت ہلال دوسرے علاقوں کیلئے حجت نہیں۔ اسی طرح امام شافعیؒ اوقات نماز سے بھی استدلال فرماتے ہیں کہ اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہو چکا ہو اور دوسری جگہ نہ ہوا ہو تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ محض اس بناء پر ظہر اور عشاء کی نماز ادا نہیں کر سکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہو چکا ہے یا اگر ایک جگہ مہینہ کا ۲۸ ویں تاریخ ہے اور دوسری جگہ ۲۹ واں جہاں

چاند نظر آگیا تو محض اسی بنا پر ۲۸ ویں تاریخ ہی پر مہینہ ختم کر کے اگلے دن رمضان یا عید نہیں کیجائیگی کہ دوسری جگہ چاند نظر آگیا ہے اسلئے یہ فطری بات ہے کہ اختلاف مطالع کی تقسیم کیجائے باقی فقہاء متقدمین کے دور میں ایک تو معلوم کائنات کی یہ وسعت دریافت ہی نہیں ہوئی تھی اور دنیا کئی براعظم سے ناآشنا تھی۔ مسلمان جزیرۃ العرب اور چند خلیجی ممالک میں محدود تھے اسوقت شاید یہ بات ممکن رہی ہو اور انکے مطلع میں فرق اور اختلاف نہ رہا ہو کہ اسکو الگ الگ سمجھا جائے اسلئے فقہاء کرام نے اختلاف مطالع کا انکار کیا۔ لیکن احناف میں بھی کئی محققین نے اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور مختلف علماء کرام کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔ صاحب مراقی الفلاح فرماتے ہیں،

وقیل یختلف ثبوتہ باختلاف المطالع واختارہ صاحب التجرید کما اذا زالت الشمس عند قوم وغربت عند غیرھم فالظہر علی الأولین لا المغرب لعدم انعقاد السبب فی حقھم

یعنی بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اختلاف مطالع کیوجہ سے رؤیت ہلال کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے اور تجرید القدوری کے مصنف نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ کچھ لوگوں کے ہاں آفتاب ڈھل جائے اور کچھ اور لوگوں کے ہاں غروب ہوجائے تو پہلے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب اسلئے کہ انکے حق میں مغرب کا سبب متحقق نہیں ہوا ہے۔

اسی کتاب کے حاشیہ میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

وھو الاشبہ لان انفصال الھلال من شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار کما فی دخول الوقت وخروجہ وھذا مثبت فی علم الأفلاك والھیأۃ واقل ما اختلف المطالع مسیرۃ شھر کما فی الجواھر

یعنی یہی زیادہ صحیح ہے اسلئے کہ چاند کا سورج کے شعاعوں سے خالی ہونا علاقوں کی اختلاف کیوجہ سے مختلف ہوتا ہے جیساکہ اوقات نماز کی آمد و رفت میں ہوتا ہے جیساکہ یہ بات فلکیات اور علم ہیاۃ میں ثابت شدہ ہے اور کم از کم جس سے اختلاف مطالع ہوسکتا ہے وہ ایک مہینہ کی مسافت ہے جیساکہ جواہر نامی کتاب میں ہے۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے :

اھل بلدۃ اذا رأوا الھلال ھل یلزم فی حق کل بلدۃ اختلف فیہ فمنھم من قال لا یلزم و فی القدوری ان کان بین البلدتین تفاوت لا یختلف بہ المطالع فیلزمہ

ایک شہر والے جب چاند دیکھ لیں تو کیا تمام شہروں کے حق میں رؤیت لازم ہوگی اسمیں اختلاف ہے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ لازم نہیں ہوگی اور قدوری میں ہے کہ جب دو شہروں کے درمیان ایسا تفاوت ہو کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں رؤیت لازم ہوگی۔

صاحب ھدایہ نے اپنی کتاب مختارات النوازل میں فرمایا ہے۔

اھل بلدۃ صاموا تسعۃ و عشرین یوما بالرؤیۃ و اھل بلدۃ اخری صاموا ثلاثین بالرؤیۃ فعلی الاولین قضاء یوم اذا لم یختلف المطالع بینھما و اما اذا اختلفت لا یجب القضاء الخ۔

ایک شہر والوں نے رؤیت ہلال کے بعد ۲۹ روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے چاند ہی کے بناء پر ۳۰ روزے رکھے اگر ان دونوں شہروں میں مطلع کا اختلاف نہ ہو تو ۲۹ روزے رکھنے والے ایک دن کی قضاء کرینگے اور اگر دونوں کا مطلع جداگانہ ہے تو

پھر قضاء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ زیلعیؒ نے کنز الدقائق کی شرح تبیین الحقائق میں احناف کا اختلاف نقل کرنے کے بعد فیصلہ صادر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الأشبه ان یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف المطالع کما فی دخول الوقت وخروجه یختلف باختلاف الاقطار۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے اسلئے کہ ہر جماعت اسی کا مخاطب ہوتی ہے جو اسکو درپیش ہو چاند کا سورج کے شعاعوں (کرنوں) سے خالی ہونا اختلاف مطالع کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ اوقات نماز کی آمد و رفت کے سلسلے میں ہوا کرتا ہے کہ ابتداء اور انتہاء علاقائی اختلاف کے پیش نظر ہوتا ہے

علامہ لکھنوی نے ان مذاہب کو نقل کرنے کے بعد جو فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

اصح المذاهب عقلاً و نقلاً همین است که هر دو بلده که فیما بین آنها مسافتے باشد که در آں اختلاف مطالع مے شود و تقدیرش مسافت یکماه است و در اینصورت حکم رؤیت یک بلده به بلده دیگر نخواهد شد و در بلاد متقاربه که مسافت کم از کم یک ماه داشته باشند حکم رؤیت یک بلده به بلده دیگر لازم خواهد شد

عقل و نقل بکلم ہر لحاظ سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطلع بدل جائیں جسکا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اس میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہیں ہونی چاہیئے اور قریبی شہروں میں جنکے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو ایک شہر میں رؤیت دوسرے شہر کیلئے لازمی اور ضروری ہوگی۔

اس ساری تحقیق سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ علماء احناف میں سے بھی

محققین اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔ مگر اختلاف مطالع کی حد متعین کرنے میں مناسب ہے کہ بجائے ایک ماہ کی مسافت کے ماہرین فلکیات اور حساب کی رائے پر اعتماد کیا جائے۔ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، منعقدہ ۳/۴ مئی ۱۹۶۷ء مختلف مکاتب فکر کے علماء اور نمائندوں + نے مل کر اس مسئلہ کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ نفس الأمر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے بلکہ اختلاف مطالع مسلم ہے یہ ایک واقعاتی چیز ہے اور اسمیں فقہاء کرام کا اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ البتہ فقہاء کرام اس بارے میں مختلف ہیں کہ صوم وصلوۃ کے باب میں اس اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں۔ محققین احناف ودیگر علماء امت کی تصریحات اس بات پر ہیں کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے

۳۔ بلاد بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ عادتاً ان میں ایک دن کا فرق ہو یعنی ایک شہر میں ایک دن چاند نظر آئے تو دوسرے شہر میں دوسرے دن لہذا بلاد بعیدہ میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے کے حق میں لازم نہیں ہے اسلئے کہ اگر اسکو لازم قرار دیا جائے تو ایک شہر میں مہینہ ۲۸ دن کا ہوگا اور دوسرے شہر میں ۳۰ دن کا۔

٤۔ بلاد قریبہ وہ شہر ہیں جن میں عادتاً ایک دن کا فرق نہیں ہوتا ہے یعنی جن کی مسافت ایک ماہ سے کم ہے جسکا اندازہ فقہاء کرام نے پانچ سو یا چھ سو میل سے لگایا ہے لیکن ۵۰۰ سو اور ۶۰۰ سو کا اندازہ ممکن ہے کہ صحیح بھی نہ ہو اسلئے اس مسافت کی تعیین میں ماہرین فلکیات وحساب کے قول پر اعتماد کیا جائے گا۔

۵۔ ہندو پاک کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے علماء ہندو پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ ان ممالک میں اسقدر بُعد مسافت نہیں ہے اسلئے انکا مطلع ایک شمار کیا جائیگا اور ان ممالک میں سے ایک ملک کی رؤیت دوسرے کے حق میں لازمی ہوگی۔

۶۔ مصر اور حجاز اور دیگر دور دراز قسم کے علاقوں کا مطلع ہندو پاک سے الگ ہے اسلئے یہاں کی رؤیت وہاں کے لوگوں کیلئے اور وہاں کی رؤیت یہاں کے لوگوں کیلئے لازم اور قابل قبول نہیں ہے اسلئے کہ ان میں اسقدر دوری ہے کہ ایک دن کا فرق بلکہ

بسا اوقات اس سے بھی زیادہ کا ہوتا ہے۔ بہر صورت اختلاف مطالع کے ماننے اور تسلیم کرنے میں آج کے دور میں تو کسی قسم کا تردد نہیں ہے بلکہ اسکا انکار ایک امر واقعی کا انکار ہوگا۔[1]

[1] جدید فقہی مسائل۔ خالد سیف اللہ رحمانی ص ۸۹ ج ۱ تا ص ۹۴ ج ۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

طویل الاوقات ملکوں میں روزہ کا حکم

روزہ کے اوقات کے سلسلے میں قرآن وحدیث کی جو تصریحات ہیں تو وہ یہ ہیں کہ روزہ کی ابتداء طلوع فجر سے ہوکر غروب آفتاب پر اسکا اختتام ہوگا اور اسپر سب کا اتفاق ہے اگرچہ روزہ کے ایام میں موسم کے لحاظ سے تفاوت ہی کیوں نہ ہو اور تفاوت کا ہونا کوئی بعید نہیں۔ مثلا ہوسکتا ہے کہ کسی وقت رمضان کے دن ۱۲ گھنٹوں کے ہوں اور کسی دوسرے وقت ۱۳ یا ۱۴ یا ۱۶ گھنٹے ہوں لیکن روزہ کا یہی حکم رہیگا کہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک روزہ رکھنا پڑے گا لیکن جہاں غیر معمولی فرق ہو مثلاً دن ۲۰ گھنٹوں کا ہو یا ۲۲ گھنٹوں کا اور رات دو چار گھنٹوں کا ہوتب بھی قرآن وحدیث کا عمومی احکام کا تقاضا یہی ہے کہ روزہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک ہو اور فتویٰ بھی اسی پر ہے البتہ اس کی وجہ سے بسا اوقات زیادہ مشقت ہو اور عمر رسیدہ لوگوں کیلئے روزہ رکھنا دشوار ہوجائے تو انکو خصوصیت سے شرعاً یہ سہولت دی جائے گی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں بلکہ آئندہ جب موسم ہلکا اور قابل تحمل ہوجائے تو اسوقت وہ روزہ رکھیں اور قضاء کرلیں جیساکہ فقہاء کرام بھوک اور پیاس کی شدت کیوجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل بحوالہ عالمگیری نقل فرماتے ہیں۔

ومنها العطش والجوع وكذلك اذا خيف منهما الهلاك او نقصان العقل كالامة اذا ضعفت عن العمل وخشيت الهلاك بالصوم وكذا الذي ذهب به موكل السلطان الى العمارة في الايام الحارة اذا خشي الهلاك او نقصان العقل.

اور انہی اعذار میں سے بھوک اور پیاس بھی ہیں جبکہ بھوک اور پیاس کی شدت

کی وجہ سے ہلاکت یا دماغی توازن کی بگڑ جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ لونڈی ہے
اور وہ کام کے انجام دہی کی وجہ سے عاجز ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاکت
کا اندیشہ ہو ایسے ہی وہ شخص جسکو شاہی افسر تعمیری اور زراعتی کاموں کے لئے
سخت گرم دنوں میں لے جائے
اور ہلاکت یا دماغ کے متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہو
بہر صورت ایسے طویل دنوں میں بھی جبکہ قابل برداشت ہوں تو سوائے
معذورین کے باقی افراد کو پورا دن روزہ رکھنا پڑے گا
لیکن جہاں پر ایک عرصہ طویل دن کا ہو اور پھر اسی طرح رات کا
سلسلہ ہو

یا ایسے علاقہ ہو جن میں صرف دن ہی دن ہو یا صرف
ہمیشہ کے لئے رات ہی رات کا سلسلہ ہو تو پھر وہاں قرب وجوار کے علاقوں
کے ساتھ وقت کا اندازہ کر کے روزہ رکھے جائینگے
جیسا کہ نماز کے متعلق مسئلہ گزر چکا ہے
بہر صورت ایسے عالم میں چوبیس ۲۴ گھنٹوں کی رات اور دن تصور کیا جائے گا
اور قرب وجوار کے علاقوں کے لئے
جو حکم ہے انکے لئے بھی یہی حکم ہو گا۔ (۱)

(۱) فتاویٰ شامی ص ۲۴۴ ج ۱ طبع بیروت
نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین ص ۲۲ ج ۱ مکتبہ حسامیہ دیوبند (یوپی)
فتاویٰ عبدالحیٰ ص ۲۹۴ ج ۱ سعید ایچ ایم کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

حالت صوم میں انجکشن اور گلوکوز اور خون چڑھانے کا حکم

انجکشن کے ذریعے جو چیزیں انسان کے جسم میں داخل کیجاتی ہیں وہ مفسد صوم نہیں ہیں اسلئے کہ وہ عموماً رگوں کے واسطے سے قلب اور دماغ تک پہنچتی ہیں اور جس کو فقہاء کرام منفذ کہتے ہیں اسکے ذریعے انکی رسائی دماغ اور قلب تک نہیں ہوتی

فقہاء کرام نے دو قسم کے زخموں میں دواء ڈالنے کو مفسد کہتے ہیں ایک آمہ (نمبر ۲ دوم جائفہ) آمہ سر کے اس گہرے زخم کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ گیا ہو اور اسکے ذریعے سے دوا بھی وہاں تک پہنچ جاتی ہو جائفہ پیٹ کے اس زخم کو کہتے ہیں جو معدہ تک گہرا ہو اور اسکے ذریعہ دوائیں پیٹ تک پہنچ جاتی ہو

اس طرح سے گویا کہ یہ زخم معدہ اور دماغ تک پہنچنے کے لئے ایک قسم کا بلا واسطہ راستہ اور منفذ پیدا کرتے ہیں اسلئے ان میں دواء ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے

اس کے علاوہ کوئی بھی زخم ہو اس پر دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ ان پر ڈالی گئی دوائیں بالواسطہ دماغ یا معدہ تک پہنچ جاتی ہوں مگر وہ مفسد صوم نہیں

چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ ہدایہ نقل کیا ہے

ولو داوی جائفة او آمة بدواء فوصل الی جوفه او دماغه افطر عند أبی حنیفة" والذی یصل هو الرطب (۱) الر

(۱) ہدایہ مرغینانی ج ۱ ص ۲ مفسدات صوم بحوالہ جدید فقہی مسائل

اگر پیٹ کے یا دماغ کے اندر پہنچے ہوئے زخم کا دوا کے ذریعہ علاج کرے پھر دوا اس کے پیٹ یا دماغ تک پہنچ جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں روزہ فاسد ہوجاتا ہے اور اس طرح سے تو مرطوب دوا پہنچ سکتی ہے

(۲) عورتوں کے شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں اگر کوئی چیز رکھی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اس لئے کہ عورتوں کے اندر یہ فطری منفذ پہنچ جاتا موجود ہے۔ جو بطن تک پہنچتا ہے برخلاف اس کے اگر مردوں کے عضو تناسل میں کوئی چیز ڈالی جائے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں روزہ فاسد نہیں ہوتا

اسلئے کہ معدہ اور اس نالی کے درمیان براہ راست منفذ نہیں ہے کہ دوا معدہ تک پہنچ جائے بلکہ مثانہ کا واسطہ ہے۔ جہاں سے قطرہ قطرہ آکر نیچے پیشاب جمع ہوجاتا ہے

چنانچہ مصنف جدید فقہی مسائل بحوالہ عالمگیری نقل فرماتے ہے

ولو اقطر فی احلیلہ لا یفسد صومہ عند أبی حنیفۃؒ ومحمدؒ وفی الاقطار فی اقبال النساء ویفسد بلاخلاف وھو الصحیح (۱)

اگر مرد کے پیشاب کی راہ میں کوئی قطرہ ڈالدیا جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے ہاں روزہ نہیں ٹوٹے گا

لیکن عورت کی کے شرمگاہ میں قطرہ ٹپکانے سے روزہ بلا اختلاف فقہاء کرام ٹوٹ جائے گا اور یہی صحیح ہے۔

(۱) جدید فقہی مسائل ص ۹۶ ج ۱ بحوالہ عالمگیری ص ۲۵۳ ج ۱

(۳) کان اور ناک اور سرین کے راستے سے معدہ یا دماغ تک پہنچنے والی چیزوں کو فقہاء کرام نے مفسد صوم اسلئے قرار دیا ہے کہ ایسے راستے موجود ہیں جن سے دوائیں اور غذائیں معدہ یا دماغ تک پہنچ سکتی ہیں اسلئے علامہ کاسانی'' فرماتے ہے ماوصل الی الجوف اوالدماغ من المخارقِ والأصلیۃ کالأنف والأذن والدبر ان استعط او احتقن اواقطر فی اذنہ فوصل الجوف اوالدماغ ۔ مفسدات صوم میں سے وہ دوائیں بھی ہیں جو معدہ یا دماغ تک فطری شگاف جیسے کان ناک اور سرین کے ذریعہ پہنچے مثلاً ناک کے ذریعے چڑھایا جائے یا حقنہ دیا جائے یا کان میں قطرے ڈالے جائیں اور وہ معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے بعض بزرگوں نے اس بات پر کہ خون اور گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے یہ نظیر بھی پیش کی ہے کہ سانپ کاٹنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

حالانکہ اس سے بھی پورے جسم میں زہر پھیل جاتا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ فطری منفذ سے نہیں چڑھتا مگر صاحب جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہے کہ یہ رائے اسلئے صحیح نہیں کہ سانپ کے کاٹنے سے جسم کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ جسم میں مزید فساد پیدا ہوتا ہے

اسلئے ان کی رائے یہ ہے کہ منہ کی راہ سے جو چیز معدہ تک پہنچ جائے چاہے اس سے بدن کی اصلاح ہوتی ہو یا نہ ہر حال میں وہ مفسد صوم ہے برخلاف اسکے اگر کسی اور راہ سے کوئی چیز جسم میں داخل کیجائے اور معدہ تک پہنچ جائے اگر اس سے اصلاح بدنی ہوتی ہو تو مفسد صوم ہوگا ورنہ نہیں موصوف ہدایہ سے اپنی تائید پیش فرماتے ہے کہ اگر کان میں کوئی دوائی ڈالی جائے تو اسکے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے چونکہ اس سے اصلاح بدنی ہوتی ہے برخلاف اسکے اگر پانی ڈالا جائے تو وہ مفسد صوم نہیں

حاصل یہ ہے کہ انجکشن کے ذریعہ بدن میں چاہے خون چڑھایا جائے یا دوا وہ مفسد صوم نہیں اور گلوکوز وغیرہ کی بھی یہی نوعیت ہے کہ وہ لوگوں کے توسط سے معدہ تک پہنچ جاتا ہے (۱۷)
دماغ اور معدہ کے منافذ کے ذریعہ سے نہیں پہنچتا اسلئے اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا

(۱۷) جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۳۷۸ ج ۱ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۲۰ھ
امداد الفتاویٰ مولانا اشرف علی تھانوی ص ۲۴ ج ۲ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۲۰ھ
احسن الفتاویٰ کامل مفتی رشید احمد لدھیانوی ص ۳۷۴ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
امداد المفتین مفتی محمد شفیع ص ۳۳۶ مکتبہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
فتاویٰ دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۴۰۶ ج ۴ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان
فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۲۴ ج ۱ مظہری کتب خانہ گلشن اقبال کراچی
قاموس الفقہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ص ۴۲۳ ندوہ ایجنسی لام ملیح اعظم پورہ حیدرآباد اے پی

اعضاء کی تبدیلی اور آپریشن کا روزہ پر اثر

صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کا آپریشن مفسد صوم نہیں ہے اسلئے کہ فساد صوم اس وقت ہوتا ہے جبکہ منافذ اصلیہ سے کوئی چیز دماغ یا معدہ تک پہنچ جائے اور اس سے اصلاح بدن ہوتی ہو اور آپریشن کی صورت میں یہ چیز نہیں اور آپریشن کے ذریعہ سے کوئی چیز داخل نہیں کیجاتی ہے

اگر مصنوعی اعضاء لگائے جائیں تو وہ بھی اپنی جگہ لگے رہ جائیں گے ہاں اگر آپریشن کے ساتھ کوئی دوا رڈالی جائے تو روزہ فاسد ہوجائیگا اسی طرح کان ناک شرمگاہ سرین جن سے دماغ یا معدہ تک منفذ ہیں ان کا بھی صرف آپریشن مفسد صوم نہیں اور نہ ان اعضاء کی تبدیلی البتہ اگر کوئی دوائی جو آپریشن کے ساتھ ڈالی گئی ہے تو پھر روزہ فاسد ہوجائیگا

اس کے علاوہ خود پیٹ یا دماغ کا آپریشن ہو کر کچھ کاٹ کر نکال دیا جائے کوئی نئی چیز داخل نہ کی جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا ہاں اگر اندر کوئی دوائی لگائی گئی یا مصنوعی عضو لگایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا اور اس کی نظیر فقہاء کرام نے یہ پیش فرمائی ہیں کہ اگر نیزہ اتنے زور سے کسی کے پیٹ میں مارا جائے کہ جوف بطن تک پہنچ جائے اور پھر اس کو نکالا جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا

لیکن اگر نیزہ مار کر اس کو پیٹ میں رہنے دیا ایک قول کے مطابق روزہ فاسد نہ ہوگا اور ایک قول کے مطابق فاسد ہوگا اگرچہ صحیح قول پہلا ہے کہ روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن دوسرے قول کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ ایک خارجی چیز پیٹ میں داخل کرکے اسکو رہنے دیا گیا ہے اسلئے روزہ فاسد ہوگا

لیکن اگر اس میں بالفرض روزہ فاسد نہ ہو پھر بھی اس میں اور ہمارے بیان کردہ مسئلہ میں فرق واضح ہے کہ نیزہ کی صورت میں بدن میں جو چیز داخل ہوگئی ہے اس سے اصلاح بدن نہیں ہوتی لیکن سرجری کرکے جو عضو اندر لگایا جاتا ہے یا اندر جو دوا ڈالی جاتی ہے اس سے تو اصلاح بدن ہوتی ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد ہوجائیگا

اسی طرح اگر معدہ کے آپریشن کے دوران کسی عضو کو باہر نکالا گیا اور پھر اس کو اپنی جگہ فِٹ کردیا گیا تب بھی روزہ فاسد ہوجائیگا اور اس کی نظیر فقہاء کرام نے یہ پیش کی ہیں کہ جیسے اگر منہ سے باہر نکال کر جمع کیا جائے یا لعاب دہن منہ سے باہر نکال کر جمع کیا جائے ہاتھ میں اور پھر اس کو نگل جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے

اسی طرح جب یہ عضو باہر لے آیا گیا اور پھر اُسے جوف بطن میں فِٹ کردیا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا

چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی نقل کیا ہے لو اخرج بزاق فمہ ثمّ ردّہ الی فمہ فابتلعہ افطرہ (۱) اگر کوئی شخص اپنے منہ کا تھوک نکالے پھر اسے منہ میں لوٹا لے اور گھونٹ جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۱) جدید فقہی مسائل بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی ص ۲۵۴ ج ۱۔

آنکھ کان اور ناک میں دواء ڈالنے کا روزہ پر اثر

آنکھ کے بارے میں صاحب امداد الفتاویٰ نے نقل کیا ہے کہ کسی قسم کی دوا سے روزہ پر اثر نہیں پڑیگا چاہے وہ دوا سیال ہو یا جامد اور چاہے اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا نہ اور عالمگیری سے نقل کیا گیا ہے کہ ولو اقطر شیئا من الدواء فی عینیہ لا یفطر صومہ عندنا وان وجد طعمہ فی حلقہ (۱) اگر کسی نے اپنی آنکھ میں دوا ٹپکائی تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ اسکا ذائقہ حلق میں محسوس ہی کیوں نہ ہو (۲)

اسکے برخلاف کان میں ڈالنے والی دوا کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے اور ناک کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ناک اور کان میں اگر مرطوب دوا ڈالی ہے تو روزہ فاسد ہوگا

اور اگر خشک دوا ڈالی ہے تو دوا کا وصول اگر دماغ تک یقینی ہو تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں (۳) جب کہ اس تحقیق کے برعکس صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہے کہ آنکھ سے حلق تک منفذ موجود ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ آنکھ میں ڈالی جانے والی دوا کا ذائقہ فوراً محسوس ہوتا ہے اس لئے آنکھ میں دوا ڈالنے سے بھی روزہ فاسد ہوگا

برخلاف کان کے کہ اس سے حلق یا معدہ تک پہنچنے کے لئے کوئی منفذ نہیں اسلئے احتیاطاً اگر روزہ کو فاسد قرار دیا جائے تو اور بات ہے ورنہ حقیقت میں روزہ فاسد نہیں (۴)

(۱) ~~عالمگیری ص ۲۰۳ ج ۱ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ بلوچستان~~

(۲) امداد الفتاویٰ اشرف علی تھانوی ص ۱۲۶ ج ۲ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۰۶ھ

(۳) امداد الفتاویٰ حضرت تھانویؒ ص ۲۲۶ ج ۲ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۰۶ھ

(۴) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۰۰ ج ۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ٹوتھ پاؤڈر اور ٹوتھ پیسٹ کے احکام

آج کل جو منجن وغیرہ مسواک کی جگہ پر استعمال کئے جاتے ہیں روزہ کی حالت میں آیا روزہ اس سے فاسد ہوگا یا نہیں

صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے یہ ہے کہ ٹوتھ پاؤڈر اور پیسٹ میں چونکہ بہت زیادہ ذائقہ محسوس ہوتا ہے اسلئے اسکو بغیر ضرورت کے استعمال کرنا کراہت سے خالی نہ ہوگا اور نہ اس سے مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے اگرچہ فقہاء کرام نے روزہ کی حالت میں ہر قسم کی مسواک کے استعمال کرنے کو جائز قرار دیا ہے مگر ٹوتھ پاؤڈر اور پیسٹ کی نوعیت ہی بالکل مسواک سے الگ ہے اسلئے روزہ کی حالت میں یہ کراہت سے خالی نہ ہوگا (1)

جبکہ مصنف فتاویٰ رشیدیہ فرماتے ہے اگر منجن وغیرہ کا اثر حلق تک جاتا ہو تو انکا استعمال درست نہیں ورنہ درست ہے (2)

اسی طرح صاحب امداد الفتاویٰ بھی فرماتے ہے کہ اگر منجن وغیرہ کا اثر پیٹ تک جاتا ہو تو مفسد صوم ہے (3)

(1) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۰۱ ج ۱ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
(2) فتاویٰ رشیدیہ مولانا رشید احمد گنگوہی ص ۱۶۳ ج ۱
فتاویٰ دار العلوم مفتی عزیز الرحمٰن ص ۴۰۳ ج ۴
(3) امداد الفتاویٰ اشرف علی تھانویؒ ص ۱۳۱ ج ۲ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۳۱ھ

جن اعذار کی بناء پر روزہ توڑنا جائز ہے

بعض اعذار اس قسم کے ہیں کہ فقہاء کرام اور علماء عظام نے اُن میں روزہ توڑنے کی اجازت دی ہیں یا سرے سے ان میں روزہ ہی نہ رکھے بلکہ بعد میں روزہ کی قضاء واجب ہوگی۔ اور وہ اعذار اور مجبوریاں حسب ذیل ہیں۔

① نمبر ایک ایسا سفر جو کہ اڑتالیس (۴۸) میل کا ہو۔ چاہے اس میں مشقت ہو یا نہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر روزہ رکھ لے تو یہ اچھا اور افضل ہے

② نمبر دوئم مریض کو روزہ رکھنے کی صورت میں مرض بڑھ جانے یا شفا میں تاخیر یا کسی عضو وغیرہ کی ہلاکت اور نقصان کا اندیشہ ہو۔

پھر واضح رہے کہ ان تمام صورتوں میں اس اجازت اور رخصت کے لئے محض وہم کافی نہیں بلکہ اس بات کا یقین یا ظن غالب ہو نیز اس غالب اور اندیشہ کے ساتھ کسی ماہر مسلمان طبیب کا مشورہ ہو یا سابقہ تجربات سے اسکی تائید ہوتی ہو تو ان صورتوں میں اجازت ہوگی

③ عورت حاملہ ہو یا بچہ کو دودھ پلا رہی ہو اور روزہ کی وجہ سے اپنی ذات کو یا بچہ کو نقصان کا اندیشہ ہے ④ حیض عورتوں کو ماہواری خون آنے کے ایام میں بھی روزہ نہیں رکھنا چاہیئے بعد میں اسکی قضا کرنا واجب ہے لیکن اس باب میں محض یہ توقع ناکافی ہوگی کہ کسی دن افطار کر لیا جائے کہ شاید آج اسے حیض شروع ہوگا اگر ایسا کر کے کسی عورت نے افطار کر لیا ہے اور اُسے حیض نہیں آیا تو اُسے روزہ توڑنے کا کفارہ ادا کرنا پڑیگا

⑤ بھوک اور پیاس کی اتنی شدت ہو جائے کہ جان جانے یا عقل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو روزہ افطار کر لینے کی اجازت ہوگی الکو رشتہ میں بھی محض وہم ناکافی ہوگا ⑥ شیخ فانی اس قدر بوڑھا ہے کہ اپنی درازی عمر کی وجہ سے روزہ رکھنے کی قدرت نہ ہو اس کے لئے بھی اجازت ہے کہ

روزہ افطار کر لے ہر روزہ کے بدلے میں فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھلا دے

(۷) مجاہدین کو بھی جہاد کے موقع پر طاقت اور قوت بحال رکھنے کے لئے روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود غزوہ بدر کے موقعہ پر اسکی اجازت مرحمت فرمائی (۱)

(۱) قاموس الفقہ خالد سیف اللہ رحمانی ص ۳۴۳/۳۴۴ ج ۴ مکتبہ ندوہ ایجنسی ادم کا نج اعظم پورہ حیدرآباد
احسن الفتاوی کامل مفتی رشید احمد ص ۳۶۷ قرآنی محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
فتاوی عبدالحی ص ۳۰۶ ج ۱ سعید ایچ ایم کمپنی ادب منزل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

چوتھا باب

زکوۃ کے جدید مسائل

سونے اور چاندی کا نصاب

تقریباً اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو (۲۰۰) درہم ہے اور سونے کا نصاب بیس (۲۰) مثقال ہے اب درہم اور مثقال کی تحقیق میں اختلاف ہے جسکی وجہ سے مروجہ اوزان میں نصاب شرعی میں تفاوت واقع ہوا ہے مثلاً حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کی تحقیق یہ ہے کہ سونے کا نصاب پانچ (۵) تولہ اڑھائی ماشہ ہے اور چاندی کا نصاب چھتیس (۳۶) تولہ پانچ (۵) ماشہ ہے
مولانا عبدالصمد رحمانی نے اپنی تصنیف کتاب العشر والزکوٰۃ میں اور مولانا عبدالشکور فاروقی نے اپنی کتاب علم الفقہ میں اسی کو ترجیح دی ہے جبکہ مفتی محمد شفیع رح کی تحقیق یہ ہے کہ چاندی کا نصاب باون (۵۲) تولہ چھ ماشہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ چھ ماشہ ہے ①
اسی طرح امداد الفتاویٰ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے چاندی کا نصاب باون (۵۲) تولہ اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ لکھنؤ کے تولہ سے لکھا ہے۔
عزیز الفتاویٰ میں بھی صاحب جواہر الفقہ کے قول پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے ②

① جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع۔ ج ۱، ص ۴۲۳، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴
② عزیز الفتاویٰ مفتی عزیز الرحمان ج ۱، ص ۳۴۶
ھکذا فی فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۳ ص ۳۳۔ مظہری کتب خانہ گلشن اقبال کراچی ۲

بہرصورت قول اوّل میں زیادہ احتیاط اور فقراء و مساکین کی زیادہ رعایت ہے جبکہ قول ثانی میں امت کیلئے آسانی اور سہولت موجود ہے اور ہمارے زمانہ میں امت کا رجحان بھی زیادہ تر اسی کی طرف ہے اس لئے فتوٰی تو اسی پر ہونا چاہیئے کہ باوَن ۵۲ تولہ چھ ماشہ چاندی کا نصاب اور ساڑھے سات تولہ چھ ماشہ سونے کا نصاب ہو البتہ احتیاط اور تقوٰی کا تقاضہ یہ ہے کہ چھتیس ۳۶ تولہ ساڑھے پانچ ماشہ اور پانچ تولہ اڑھائی ماشہ پر زکوٰۃ ادا کردی جائے یہ باوَن ۵۲ تولہ چھ ماشہ جدید اوزان کے لحاظ سے ۵۹۵ گرام اور ساڑھے سات تولہ ۸۵ گرام ہوتا ہے ①

صاحب جدید فقہی مسائل کی یہی تحقیق ہے۔ نیز جدید اوزان کے لحاظ سے اوزان ۳۲ - ۶۱۲ گرام اور ۴۸ . ۸۷ گرام ہیں اور زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس میں یہی اوزان بطور نصاب دیئے گئے ہیں؛

① جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۱۱۰ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

گوٹے لچکے کی زکوٰۃ

کپڑوں میں بسا اوقات سونے اور چاندی وغیرہ کے تار لگے رہتے ہیں سوال یہ ہے کہ ان میں زکوۃ واجب ہوگی یا نہ؟ اسکا شرعاً جو حکم ہوگا تو گھڑی میں لگا ہوا سونے اور چاندی کا جزء یا زنجیر کا بھی یہی حکم ہوگا

سونے اور چاندی کے چڑھائے ہوئے پانی جو کہ الگ نہ کیا جاسکتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اسلیئے کہ اسکی حیثیت رنگ کی ہے وہ سونا اور چاندی ہے ہی نہیں۔

البتہ سونے اور چاندی کے وہ اجزاء جو باقی رہتے ہوئے کسی چیز کیساتھ لگائے جاتے ہیں اور انکو آسانی کے ساتھ الگ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے تو احناف کے اصول اور جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سونے اور چاندی پر مطلقاً زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں چاہے خواتین اسکو آرائش ہی کیلئے استعمال کرتی ہوں

چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ بدائع الصنائع نقل کیا ہے۔

لا یعتبر فی ھذا النصاب صفۃ زائدۃ علی کونہ فضۃً فتجب الزکوٰۃ فیھا سواء کانت دراھیم مضروبۃ او نقرۃً او تبراً او حلیاً مصنوعاً او حلیۃ سیف او منطقۃ او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف و الاوانی وغیرھا اذا کانت تخلص عند الاذابۃ اذا بلغت مائتی دراھم وسواء کان یمسکھا للتجارۃ او للنفقۃ او للتجمل او لم ینو شیئاً ①

اس نصاب میں چاندی ہونے کے علاوہ مزید کسی اور صفت کا اعتبار نہیں لہذا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

① جدید فقہی مسائل ص ۱۱۱ بدائع الصنائع ج ۲، ص ۱۷

چاہے ڈھلے ہوئے درہموں کے سکے ہوں یا اسکے ڈلے اور ٹکڑے ہوں یا خام صورت میں ہوں یا اسکے بنے ہوئے زیور ہوں یا تلوار۔ کمربند۔ لگام یا زین میں از راہ زینت لگے ہوئے ہوں یا قرآن مجید اور برتن وغیرہ اسکے بنے ہوئے ایسے ستارے ہوں جن کو پگھلانے کے بعد الگ کیا جا سکتا ہو بشرطیکہ وہ دوسو ۲۰۰ درہم کے مقدار کو پہنچ جائیں عام ازاین کہ اسے تجارت کیلئے رکھا ہو یا خرچ کیلئے یا زینت مقصود ہو یا کچھ بھی نیت نہ ہو۔

علامہ کاسانی رح کے اس اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں کپڑوں میں لگے ہوئے سونے اور چاندی کے اجزاء پر زکوۃ واجب ہوگی۔

اب اگر نصاب صرف اسی سونے اور چاندی سے پورا ہو جائے تب تو کافی ہے ورنہ دوسری صورت میں سونے اور چاندی کی جو مقدار موجود ہے اسی میں اسکو ضم کر دیا جائیگا اکثر علماء کرام کی یہی رائے ہے اور حضرت تھانوی رح نے بھی یہی فتوی دیا ہے (۱)
جبکہ حضرت مفتی محمد شفیع رح نے بھی تصریح کی ہے کہ سونا اور چاندی جس چیز پر لگے ہوئے ہوں اور وہ استعمال میں ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ مستقل سونا اور چاندی ہو یہ نہ ہو کہ وہ صرف رنگ ہو اور مستقل نہ ہو سکتا ہو اسلیئے کہ عدم استقلال کی صورت میں اسکی حیثیت عرض کی ہوگی اور اسکی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اسلیئے سونے اور چاندی کا مستقل وجود ضروری ہے (۲)

مولینا عبدالحئی لکھنوی رح فرماتے ہیں کہ مستورات کے کپڑوں میں لگے ہوئے گوٹہ پٹھہ وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ این اشیاء از قبیل عروض اند در عروض مادام کہ نیت تجارت نباشد زکوٰۃ نیست كذا فی البحر الرائق (۳)

(۱) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی رح ج ۳، ص ۶، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴ع
(۲) جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع رح ج ۱، ص ۳۸۵ مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴ع
(۳) فتاوی عبدالحئی ج ۱ ص ۳۶۲

یہ چیزیں سامان کے درجے میں ہیں اور سامان میں جب تک کہ تجارت کی نیّت نہ ہو گی زکوٰۃ واجب نہ ہو گی صاحب جدید فقہی مسائل کی رائے بھی یہی ہے کہ گوٹہ وغیرہ کی حیثیت تابع کی ہے۔ اور جو چیز تابع ہو اور ضمنی حیثیت کی حامل ہو تو احناف کے ہاں اسکا اعتبار نہیں ہوتا ہے اسلیئے زکوٰۃ واجب نہیں احتیاطاً ادا کرے تو بہتر ہے ①

① جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۱۲ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

اسباب اجارہ پر زکوٰۃ

جو سامان کرایہ پر لگانے کیلئے ہو بیچنے کیلئے نہ ہو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں جیسے ڈیکوریشن کمپنی کے برتن۔ زنجیریں اور دوسرے سامان کرایہ کے مکانات وغیرہ تو اس سلسلہ میں صاحب قاموس الفقہ کی رائے یہ ہے کہ کرایہ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں بشرطیکہ وہ سونا اور چاندی کے قبیل سے نہ ہو لیکن اگر سونا اور چاندی ہیں تو انکو اگر چہ کرایہ پر لگائے ہوں تب بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی (۱) ہاں ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصاب زکوٰۃ کے برابر ہے اور اس پر سال گذر جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی (۲)

(۱) قاموس الفقہ ص۔ ۱۷۷ ندوہ ایجنسی اعظم پورہ حیدرآباد (اے۔ پی)
(۲) فتاویٰ عبدالحئی ص، ۳۶۳ ج ۱
امداد الفتاویٰ ص ۱۷ ج ۲

قرض پر دی ہوئی رقم میں وجوب زکوٰۃ

قرض کے احکام اور مختلف صورتیں گو کہ درحقیقت جدید مسائل میں سے نہیں ہیں مگر آج کل جو بقایاجات اور دَین کی جو مختلف صورتیں نئے معاشی نظام اور طریق انتظام کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہیں اسلیئے زمانہ حال کے علماء کرام نے انکے حل کیلئے چند اصولی قواعد وضوابط ذکر کیئے ہیں جنکی روشنی میں انکو بآسانی حل کیا جاسکتا ہے
وہ دَین جسکا اقرار کیا جاتا ہے اور مدیون ومقروض موجود ہے لاپتہ نہیں ہے اس قسم کی قرضوں کی تین قسمیں ہیں

① دین قوی: اس سے وہ رقم مراد ہے جو کسی کو نقد لگ گئی ہو یا مال تجارت کے عوض میں واجب ہوگئی ہو یا ایسے جانوروں کا عوض ہے کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہے ایسے دَین پر زکوٰۃ فرض ہے مگر زکوٰۃ کی ادائیگی جب فرض ہوگی کہ چالیس (۴۰) درہم کے برابر کی مالیت وصول ہوجائے سال پورا ہونے پر ایک درہم کے مساوی کی مالیت زکواۃ ادا کیجائیگی؛

② دین متوسط: وہ دین جو مال کے عوض میں کسی پر واجب ہوا ہو مگر یہ مال تجارت کا نہ ہو اس پر وجوب زکوٰۃ سے متعلق امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں دوسری روایت جسکو راجح کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ دین متوسط پر زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ دوسو (۲۰۰) درہم وصول ہونے کے بعد سال پورا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی گذشتہ سالوں کی نہیں

③ دین ضعیف،: وہ دین ہے جو مال کے عوض نہ ہو جیسے مہر کا دین اس پر وصول سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں؛

اسکے بعد یہ یاد رہے کہ وجوب ادا کیلئے دین قوی میں چالیس (۴۰) درہم اور دین متوسط وضعیف میں دوسو درہم کی شرط۔

نیز دین قوی میں وقت وجوب دین سے شروع ہوتا ہے اور دین متوسط وضعیف میں بعد القبض حولان حول کی شرط ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ جبکہ

اسکے پاس دین کے ماسوا اور کوئی مال نہ ہو اور اسکے پاس اسکے علاوہ اور مال ہے تو پھر یہ تفصیل ہے کہ دین کے ماسوا مال زکوٰۃ اگر بقدر نصاب ہے تو ہر قسم کے دین سے قلیل ہو یا کثیر جو کچھ بھی وصول ہو گا وہ اس سابق نصاب کیساتھ شامل ہو گا اور اسی کے ساتھ اس وصول شدہ دین کی بھی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی اور اگر مالِ زکوٰۃ بقدر نصاب نہیں ہے مگر دین قوی کے ساتھ ملکر نصاب کامل ہو جاتا ہے تو دین قوی سے جب اتنی مقدار وصول ہو جائے کہ پہلے سے موجود مال زکوٰۃ ملکر چالیس ۴۰ درہم کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ میں ایک درہم کی ادائیگی واجب ہوگی اور جب سے نصاب کامل ہوا ہے اس وقت سے سال کی ابتداء شمار ہوگی اور دین ضعیف میں سے جب اتنی مقدار وصول ہو جائے کہ پہلے سے موجود مال زکوٰۃ سے ملکر دو سو ۲۰۰ درہم کے برابر ہو جائے تو اس وقت سے صاحب نصاب شمار ہوگا اسکے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے (۱)

(۱) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ج ۱ ص ۲۶۳ طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۱۵ طبع لاہور

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

پراویڈنٹ فنڈ وہ رقم ہے جو کہ حکومت اپنے ملازمین کی تنخواہوں دورانِ ملازمت جبری طور پر کاٹ لیتی ہے اور ملازمت سے معزول ہونے اور سبکدوش ہونے کے بعد مذکورہ جمع شدہ رقم کے ساتھ کچھ اپنی طرف سے ملا کر بطور انعام ملازم کو دیا جاتا ہے مذکورہ جمع ہونے والی رقم میں دوران ملازمت ملازم کوئی تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہے سوال یہ ہے کہ ایسی رقم پر فی الحال زکوٰۃ واجب ہے یا وصول ہونے کے بعد نیز وصولی کے بعد گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑیگی یا وصولی کے بعد ایک سال گذر جائے اور اس ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی اس سلسلہ میں صاحب احسن الفتاویٰ مفتی رشید احمد لدھیانوی نے گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ اور پرائیویٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ میں فرق ظاہر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہے کہ پرائیویٹ کمپنیوں سے ملنے والے پراویڈنٹ فنڈ میں گذشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ واجب ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کمپنی ملازم اور اجیر کیطرف سے وکیل ہے اور وکیل کا قبضہ گویا کہ موکل کا قبضہ ہے گویا کہ اس مال پر ملازم کا خود قبضہ ہے (۱) برخلاف گورنمنٹ سے ملنے والے پراویڈنٹ فنڈ کے کہ اُس پر ملازم کا کسی طرح بھی قبضہ نہیں اسلیئے اس فنڈ پر ملنے کے بعد ایک سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن گذشتہ سالوں کی کوئی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں (۲)

(۱) احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۶ طبع کراچی
(۲) جواھر الفقہ مفتی محمد شفیع ج ۲ ص ۳۸۵ طبع کراچی
فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ج ۳ ص ۱۵۱ طبع کراچی
عزیز الفتاویٰ مفتی عزیز الرحمٰن ج ۱ ص ۳۶۷ طبع کراچی
امداد الفتاویٰ اشرف علی تھانوی ج ۲ ص ۴۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۳۴۰ کفایت المفتی

یہ ساری تفصیل اس لیئے کہ پراویڈنٹ فنڈ دین ضعیف کے حکم میں ہے اور یہ حکم کہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں

امام ابو حنیفہ رح کے ہاں ہے اور یہ تقسیم دیون کی قوی متوسط اور ضعیف کا بھی امام صاحب کرتے ہیں صاحبین رح چونکہ اس تقسیم کے قائل نہیں اسلیئے انکے ہاں گذشتہ سالوں یعنی پوری مدت ملازمت کے دوران جتنے سال گذرے ہیں سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی ،

اور احتیاط بھی علماء کرام نے اسی میں لکھا ہیں ①

صاحب فتاوی رحیمیہ نے لکھا ہے جو رقم اپنی مرضی سے جمع کرائی جائے اسمیں زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا قبل القبض بھی اسکو علماء نے قوی قرار دیا ہیں ②

① جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۱۶ طبع لاہور
② فتوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ج ۵ ص ۱۴۷ طبع ادارہ دعوت اسلام کراچی

بینک میں جمع شدہ مال پر زکوٰۃ

بینک میں جو رقم جمع کیجاتی ہے اسکی حیثیت امانت کی ہوتی ہے اور صاحب مال کو اختیار ہے کسی بھی وقت وہ چاہے اسکو وصول کر کے اس میں تصرف کر سکتا ہے گو کہ یہ مال ان کے قبضہ میں اگر حقیقتاً نہ ہو لیکن حکماً پھر بھی قبضہ میں شمار کیا جائے گا لہذا یہ مال اگر بقدر نصاب ہے تو اس پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی (۱)

(۱) فتویٰ رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ج ۲ ص ۱۴ ادارہ دعوت اسلام کراچی
فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۴ ص ۱۳۳ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۱۶ طبع لاہور

فکسڈ ڈیپازٹ

فکسڈ ڈیپازٹ اس امانت کو کہتے ہیں جو ایک مدت مخصوصہ تک رقم بینک میں جمع کی جاتی ہے اور اس دوران وہ رقم ناقابل واپسی ہوتی ہے اور اسی مدت کے پورا ہونے کے بعد وہ رقم ایک خاص مقدار سود کیساتھ واپس کیجاتی ہے
سوال یہ ہے کہ اس پر زکوۃ ہے یا نہیں تو علماء کرام نے اس سلسلہ میں واضح کیا ہے کہ انسان جو سامان اپنے اختیار سے دوسرے کے قبضہ میں دیدے اور اس پر اس کی ملک باقی ہو سرِدست اگرچہ اسکا قبضہ اس پر نہ ہو پھر بھی اس میں زکوۃ واجب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وجوب اداء اس وقت ہوگا جب رقم کو وصول کریگا نیز گذشتہ تمام سالوں کی زکوۃ ادا کرنی پڑیگی ①

① کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۹۰ ج ۴ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۱۷ طبع لاہور

بینک و انشورنس کے انٹرسٹ پر زکوٰۃ

انٹرسٹ فائدہ اور سود کو کہتے ہیں (۱)
اگر بینک غیر شرعی ہے جیسا کہ عموماً آجکل ہے اسی طرح انشورنس کا انٹرسٹ ہے کہ اسکی بعض صورتیں جوا ہیں اور بعض صورتیں سود ہیں ایسا انٹرسٹ چونکہ ناجائز وحرام ہے اور جو مال حرام ہو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔
نیز مال حرام کو صدقہ کرنا ثواب کی نیت سے بالکل درست نہیں البتہ اسکو نکلوا کر بغیر ثواب کی نیت کئے ہوئے اسکے وبال سے بچنے کی نیت سے مستحقین صدقہ کو دیکر اپنی ملک سے خارج کر دے۔
دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ رقم نہ لیجائے یا یہ غرض کر یہ حرام ہے تو اس رقم کو عیسائی مشنری کی اشاعت میں خرچ کرے گی جو بالکل صحیح نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے اسلئے اھون البلیتین دو مصیبتوں میں سے کمتر کو اختیار کرتے ہوئے اسکو لیکر فقراء اور مساکین کو بغیر صدقہ کی نیت کئے دیدے۔
اور اگر کسی کے مال کا غالب حصہ حلال مگر کچھ حصہ حرام ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی (۲)

(۱) فیروز اللغات مولوی فیروز الدین ص ۱۲۶ طبع فیروز اینڈ سنز لاہور پنڈی کراچی
(۲) کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۹۰ ج ۴ طبع ملتان
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ص ۱۲۹ ج ۲ طبع دیوبند انڈیا
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۱۰ طبع لاہور

سونے اور چاندی کے مصنوعی اعضاء پر زکوٰۃ

سونے اور چاندی کے مصنوعی اعضاء کے سلسلہ میں صاحب امداد الفتاوی کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ اعضاء اس قسم کے ہیں کہ انکو جب چاہیں بآسانی جدا کر سکتے ہے اور اس میں کوئی دشواری اور تکلیف نہ ہو نیز یہ اعضاء کسی ضرورت کے پیش نظر نہیں لگائے گئے ہیں بلکہ خوبصورتی اور تزئین کیلئے لگائے گئے ہیں تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ باقیماندہ سے ملا کر نصاب ہو جائے:

اور اگر ایسے اعضاء ہیں کہ جدا نہیں ہو سکتے مستقل لگ گئے ہیں اور ان کی بنیادی ضروریات میں سے ہو گئے ہیں تو ایسے اعضاء میں زکوٰۃ واجب نہیں (1)

(1) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۴۹ ج ۲ طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص 118 ج 1 طبع لاھور

صنعتی اوزاروں مشینوں و دیگر اشیاء میں زکوٰۃ

صنعتی اوزار و مشنریاں و دیگر سامان اگر تجارت کیلئے نہ ہوں بلکہ صرف مرمت اور سامان تجارت کی تیاری کیلئے ہوں تو علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ واجب نہیں اسکے علاوہ جو پرزہ جات وغیرہ اگر تجارت کیلئے ہوں توانکی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی غرض یہ ہے کہ اصل چیز ہے نیت التجارۃ اگر نیتہ التجارۃ ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں

لہذا مشینیں، گھڑی ساز بڑھئی، لوہار موٹر سائیکل درست کرنے والوں اور کاشت کاروں کے صنعتی اوزاروں میں زکوٰۃ واجب نہیں

البتہ گھڑی ریڈیو اور موٹر سائیکل وغیرہ کے قابل فروخت اجزاء ہوں توان میں زکوٰۃ واجب ہے چونکہ قسم اول کو فقہاء کرام بنیادی ضرورت اور حاجت اصلیہ قرار دیتے ہیں برخلاف قسم ثانی چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ عالمگیری نقل کیا ہے۔

وکذا کتب العلم ان کان من اهله والات المحترفین هذا فی الآت اللتی ینتفع بنفسها ولا یبقی اثرها فی المعمول واما اذا کان یبقی اثرها فی المعمول کما لو اشتری الصباغ عصفرا وزعفرانا لیصبغ ثیاب الناس باجر وحال علیه الحول کان علیه الزکوٰۃ اذا بلغ نصاباً وکذا کل من ابتاع عینًا لیعمل به ویبقی اثره فی المعمول کالعفص والدهن لیدبغ الجلد فحال علیه الحول کان علیه الزکوٰۃ وان لم یبقی لذلك العین اثر فی المعمول کالصابون والحرض لا زکوٰۃ فیه ①

① فتاوی ہندیہ ص ۸۸ ج ۱ بحوالہ جدید فقہی مسائل =

اسی طرح ان اشیاء میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں جیسے اہل علم کی کتب ہیں اور صنعت کاروں کے آلات صنعت وحرفت ہیں مگر یہ حکم ان آلات کے متعلق ہے کہ جن سے اس صنعت میں فائدہ تو اٹھایا جاتا ہے لیکن مصنوعات میں اسکا اثر باقی نہیں رہتا۔ اسکے برخلاف وہ اشیاء جنکا اثر مصنوعات میں باقی رہتا ہے جیسے رنگریز زعفران یا کوئی اور رنگ خریدتا ہے تاکہ لوگوں کے کپڑوں کو رنگ دیکر اس پر اُجرت وصول کرے تو ایسی اشیاء پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ انکی مالیت نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہو یہ حکم ان تمام اشیاء کیلئے ہے جنکو کام کیلئے خریدا گیا ہو اور ان کا اثر مصنوعات میں باقی رہتا ہو مثلاً تیل چمڑے کی دباغت کیلئے اگر اس پر ایک سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اسکا اثر مصنوعات میں باقی نہ رہے جیسے صابن اور حرض نامی شئی جس سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں تو اس میں زکوۃ نہ ہوگی خلاصہ اینکہ اوزار سامان و پرزہ جات اگر اس قسم کے ہیں کہ مصنوعات میں انکا اثر باقی رہتا اور تجارت کیلئے ہیں تو ان میں زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں (۱)

(۱) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۴۲ ج ۲ طبع کراچی
فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۵۲ ج ۳ طبع کراچی
فتاوی دار العلوم دیو بند ص ۱۴۳ ج ۶ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۲۰ ج ۱ طبع لاہور

کارخانوں میں شریک حضرات کے حصص پر زکوٰۃ

ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اسکے علاوہ دیگر مال ملاکر مالک نصاب بن جاتا ہو۔
اسکے علاوہ کمپنیاں اور کارخانے مختلف صورت کے ہیں اسلئے انکے احکام میں بھی تبدیلی ہوگی۔ اگر ایسے کارخانہ میں شرکت کی ہے جسکا کام خرید وفروخت اور تجارت نہیں جیسے چاول کوٹنا اور آٹا پیسنا اس میں اُجرت لیکر کام کیا جاتا ہے اس میں صرف آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر ایسا کارخانہ ہو کر اس میں تجارت بھی کیجاتی ہو چیزیں خرید کر تیار کیجاتی ہوں اور فروخت بھی کیجاتی ہوں تو اس میں اخراجات نکالکر سال بھر کی آمدنی کے علاوہ تیار شدہ مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی جیسے روئی خرید کر کپڑا بننے اور گنا خرید کر شکر بنانے والے کارخانے جو پھر اسے فروخت کر دیتے ہیں اس مال کی حیثیت تجارت کی ہے اس لئے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی البتہ کارخانہ کی عمارت و فرنیچر و دیگر آلات اوزار و مشینوں پر زکوٰۃ نہیں پھر زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلہ میں تمام حصہ داروں کی طرف سے یکجا نیت کرکے ادا کیجائے یہ بھی جائز ہے یا ہر ایک حصہ دار اپنے حصہ کو الگ کرکے ادا کریں تب بھی جائز ہے ①

① جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۳۸۵/۱ طبع کراچی
فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۱۴ ج ۲ ادارہ دعوت اسلام کراچی
امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۱۹ ج ۲
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۴۳ ج ۱ طبع ملتان
فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۱۴۲ ج ۶
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۲۱ طبع لاہور

بیوی کا مہر وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں

اگر کوئی شخص صاحب نصب ہے لیکن اگر لوگوں کا قرضہ وغیرہ جو اس پر ہے شمار کیئے جائیں تو نصب یا وہ نصاب مکمل نہیں ہوتا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں لیکن اگر نصاب اسکے پاس مکمل ہے مگر حقوق اللہ جیسے کفارہ وغیرہ اور صدقہ فطر اس پر ہے انکو اگر شمار کیا جاتا ہے تو نصب نامکمل ہو جاتا ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حقوق اللہ وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہیں مذکورہ قاعدہ کے پیش نظر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ بیوی کا مہر موجل چونکہ حقوق العباد میں سے ہے اسلیئے اسکو مانع زکوٰۃ ہونا چاہیئے تھا لیکن علماء کرام نے اسکو مستثنیٰ کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ بیوی کا مہر مانع زکوٰۃ نہیں چونکہ عرف عام بن گیا ہے کہ لوگ بیوی کے مہر سے غافل ہوتے ہیں اور بیویاں بھی اپنے مہروں کو معاف کرتی ہیں اسلیئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس نصب زکوٰۃ مکمل ہے لیکن بیوی کا مہر اگر اس سے منہا کیا جائے تو وہ نامکمل ہو جاتا ہے تب بھی اسکو زکوٰۃ اداء کرنی پڑیگی (۱)

مگر صاحب احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب نے لکھا ہے اگر بیوی کے مہر موجل میں شوہر کا ارادہ اداٸیگی کا ہے اور اس نے پکا عزم کیا ہے تو پھر بیوی کا مہر مانع ہوگا ورنہ نہیں (۲)

(۱) فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۴۶ ج ۶ طبع ملتان
عزیز الفتاوی مفتی عزیز الرحمان ص ۳۶۳ ج ۱، طبع کراچی

(۲) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۲۵۱ ج ۴ طبع کراچی

زکوٰۃ کو ٹیکس میں لگا دینا

زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہیں مثلاً نیت کا پایا جانا اور حولان حول۔ اسی طرح اسکے مصارف بھی مخصوص اور متعین ہیں اسی طرح اسکا مقصود ایک دینی فریضہ کی ادائیگی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کرنا ثواب حاصل کرنا اور مال وجان کا تزکیہ جبکہ ٹیکس میں یہ شرائط مفقود ہیں اور نام اور عنوان کے اعتبار سے بھی زکوۃ اور ٹیکس میں فرق ہے زکوٰۃ کا لفظ پاکی کا مفہوم ادا کرتا ہے جبکہ ٹیکس کے لفظ میں جبر وظلم کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ نیز ٹیکس ایک مخصوص تمدنی پابندی ہے اور زکوۃ عبادت ہے نصاب اور مقدار کی تحدید میں بھی فرق ہے اسلئے ٹیکس ادا کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی متصور نہیں ہوگی (۱)

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۱۴۷ ج ۶ طبع ملتان
امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۶۱ ج ۲ طبع کراچی

مساجد اور پلوں کی تعمیر میں مال زکوۃ کو خرچ کرنا

مصارف زکوۃ کو خود قرآن مجید نے متعین کیا ہے (التوبہ ۶۰)
جیسے مساکین و فقراء وغیرہ اور اصولی بات شریعت نے اس سلسلہ میں جو متعین کی ہے وہ یہ ہے کہ جنکو زکوٰۃ دی جائے ان میں مالک بننے کی صلاحیت موجود ہو اور جس صورت میں ملک نہ پایا جائے وہاں زکوۃ ادا نہ ہوگی اب ظاہر ہے کہ مساجد یا پلوں کی تعمیر میں جو رقم خرچ کیجائیگی کوئی خاص شخص اسکا مالک نہیں بنتا اسلئے زکوۃ شرعاً ادا نہ ہوگی۔
ہاں اگر مصرف زکوۃ کو یہ رقم دی جائے اور وہ اپنی مرضی سے پھر اس پیسہ کو ان چیزوں پر خرچ کرے تو جائز ہے (۱)

(۱) امداد المفتین مفتی محمد شفیع ص ۳۰۲ ج ۱ / مکتبہ دارالاشاعت کراچی
احسن الفتاوی کامل مفتی رشید احمد ص ۳۱۱ طبع کراچی
فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۲۳۸ ج ۶

نوٹوں سے زکوۃ اداکرنا

نوٹ کی اس وقت وہ حیثیت ہے جو کہ روپیہ کی کسی وقت تھی یعنی عام کاروبار لین دین وغیرہ ان نوٹوں سے ہوتا ہے نیز ہزارہا لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس نوٹ ہوتے ہیں اور سونا چاندی بالکل نہیں ہوتا لیکن چونکہ اتنے نوٹ ہیں کہ ان سے نصاب پورا ہو جاتا ہے اسلیئے ان پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے جب نوٹوں کے ہونیکی وجہ سے زکوۃ فرض ہے تو ان سے زکوٰۃ ادا کرنے میں بھی کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہیئے۔ نیز زکوٰۃ ادا کرنے سے مقصود مال کا تزکیہ اور پاکی ہے اور غرباء و مساکین کی امداد ہے اور یہ چیز نوٹوں سے بھی حاصل ہے اور غرباء اور مساکین کیلئے اس میں کسی قسم کا حرج بھی نہیں۔

نیز عرف عام میں یہ مال اور ثمن شمار ہوتا ہے اور سونا اور چاندی شاذ و نادر ہے اسلیئے نوٹوں سے زکوٰۃ درست ہے اگرچہ بعض کتب فتاوی میں یہ بھی ہے کہ جب تک ان نوٹوں سے کوئی چیز خریدی نہیں جائیگی اس وقت تک زکوۃ ادا نہیں ہوگی پھر بھی بعض فتاوی نے وضاحت کی ہے کہ یہ صورت بہت کم ہے اور مروج نہیں ہے اسلیئے نوٹ سے زکوٰۃ ادا ہوگی اور اس وقت عرف بھی اس پر ہے اور یہی راجح ہے (۱)

(۱) کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۴۲ ج ۴ طبع ملتان
فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۸۳ ج ۶ طبع ملتان
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۲۵۷ ج ۴ طبع کراچی
فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۵۹ ج ۳ طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۲۳ طبع لاہور

دینی مدارس کو زکوٰۃ دینا

دینی مدارس کو زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کا پیسہ دینا جائز بلکہ افضل اور بہتر ہے اسلیئے کہ زکوٰۃ کا جہاں یہ مقصد ہے وہاں یہ بھی ہے کہ اسلام کو قوت ملے اور یہ دونوں چیزیں دینی مدارس میں دینے سے ادا ہونگی نیز یہ کہ دین کی اشاعت کا ثواب بھی ملے گا اور مصرف بھی پاک اور صاف ہے زکوٰۃ کا پیسہ صحیح اسلامی طریقے کے مطابق خرچ ہوگا۔ البتہ ہاشمی سید طلباء کو زکوٰۃ کا پیسہ نہ دیا جائے دینی مدارس میں دیا ہوا نہ تعمیرات میں خرچ کرنا جائز ہے نہ تنخواہوں میں بلکہ طلباء کرام کے خورد و نوش میں خرچ ہوگا
سربراہ ادارہ وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ لکھا ہے کہ اگر مدرسہ کے بند ہونے کا خطرہ ہو تو ایسے وقت میں زکوٰۃ کا روپیہ حیلہ شرعیہ کے ساتھ خرچ کیا جا سکتا ہے (۱)

(۱) کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ رح ص ۲۲۸ ج ۴ طبع ملتان
فتاوی محمودیہ مفتی حسن گنگوہی ص ۵۳ ج ۳ طبع کراچی

زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو کمیشن دینا

آج کل دینی مدارس میں یہ عام معمول ہے کہ سفراء کے ساتھ یہ طے کیا جاتا ہے کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں نصف یا ثلث یا ربع تم کو ملے گا علماء کرام نے لکھا ہے کہ شرعاً یہ اجارہ فاسد ہے اسمیں وجہ یہ ہے کہ اجرت مجہول ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اجرت ایسی ہے جو عمل اجیر سے حاصل ہے یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسد اجارہ ہیں (۱)

الا یہ کہ تعامل کی وجہ سے اور دونوں حضرات کی اس پر رضامندی کی وجہ سے اسکو جائز قرار دیا جائے تو یہ دوسری وجہ ہے اور شرعاً اسمیں گنجائش بھی ہے صاحب جدید فقہی مسائل نے اسکو راجح کہا ہے (۲)

(۱) فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۲۲۴ ج ۱ طبع کراچی
(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۲۸ طبع لاہور

صدقہ فطر کی مقدار

صدقہ فطر گندم سے نصف صاع اور شعیر کشمش سے ایک صاع دیا جائے گا یا انکی قیمت دیجائیگی پھر یہ کہ احناف مختلف صاعوں میں سے صاع عراقی کا اعتبار کرتے ہیں، پھر اس صاع کا جب حساب لگایا گیا تو اس میں اختلاف واقع ہوا مولینا عبدالحئی لکھنوی کے بقول اس صاع کا وزن ایک سیر پندرہ چھٹانک ہے اسوقت علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ مروجہ حساب سے پونے دو کلو گندم دیجائے یہ زیادہ ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے (۱)

(۱) جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص۲۳۲ طبع کراچی
فتاویٰ دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص۳۰۱ ج۶ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص۱۲۹ طبع لاہور

زکوۃ وصدقات میں حیلہ تملیک

حیلہ کا مقصد اگر کسی شخص کو اس کے حق سے محروم کرنا ہو یا کوئی اور خود غرضی ہو تو ایسا حیلہ شریعت میں ناجائز ہے اور اگر ضرورت ہو اور دین کی ترویج ہو اور دیگر اسلامی مصلحتیں ہوں مثلاً مدرسہ کے اساتذہ کیلئے دیگر تنخواہ کی رقم نہ ہو یا مسجد کی ضروریات پر خرچ کرنا پڑے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہو جس سے ضرورت کی تکمیل ہو سکے تو پھر ایسی مجبوری کے وقت حیلہ جائز ہے وہ اس طرح کر زکوۃ کی رقم کسی مستحق شخص کو دیدی جائے پھر وہ شخص اُس رقم میں سے کچھ لیکر یا پوری رقم لیکر مسجد و مدرسہ کی انتظامیہ کو بطور عطیہ دیدے اسیطرح رقم مذکورہ میں خرچ کیجائے چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ عالمگیری نقل کیا ہے اذا اراد ان یکفن میتا عن زکوۃ ماله لایجوز والحیلة ان یتصدق بها علی فقیر من اهل المیت ثم هو یکفن به المیت فیکون له ثواب الصدقة ولاهل المیت ثواب التکفین و کذلك فی جمیع ابواب الخیر التی لا یقع بها التملیك کعمارة المسجد وبناء القناطر والرباطات (۱)

زکوۃ کے مال میں سے میت کی تکفین جائز نہیں ہے اسکے جواز کا حیلہ یہ ہے میت کے اہل وعیال میں سے کسی محتاج پر صدقہ کر دیا جائے پھر وہ شخص اس میں سے مردہ کو کفنا دے لہذا اس صدقہ کرنے والے کو صدقہ کا ثواب اور مردہ کے اس محتاج رشتہ دار کو تکفین کا اجر ملے گا یہی حکم کار خیر کی تمام مدات میں ہے جن میں تملیک نہیں ہو پاتی۔
مثلاً مسجدوں۔ پلوں اور مسافر خانوں کی تعمیر۔

(۱) فتاوی ہندیہ ص ۳۷۴ ج ۴ بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۱۲۹

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ بعض حیلے درست ہیں جن میں کسی کے حق کو دبایا نہ جاتا ہو اور کوئی دیگر خود غرضی نہ ہو باقی ایسا حیلہ جس سے کسی کا حق متعلق ہے اور اسکو دبایا جاتا ہے یا کوئی شخص صاحب نصاب ہے اور زکوٰۃ کو ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرتا ہے تو یہ ناجائز ہے چنانچہ صاحب فقہ الزکوٰۃ نے لکھا ہے ایسا حیلہ جس سے زکوٰۃ کو ساقط کر دیا جائے مجھے احناف کی کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملا ہے (1)

(1) فقہ الزکوٰۃ یوسف القرضاوی ص ۳۸۵ ج ۳ طبع لاہور
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۸۵ ج ۴ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۲۹ طبع لاہور

سادات اور بنو ہاشم کو زکوٰۃ

سادات سے مراد بنو ہاشم یعنی حضرت علیؓ حضرت عباسؓ حضرت جعفر حضرت عقیل اور حضرت حارث کی اولاد مراد ہیں انکو زکوٰۃ دینا درست نہیں کیونکہ زکوٰۃ کو احادیث میں مال کا میل کہا گیا ہے اور اسکے لینے کی ممانعت آئی ہے البتہ کتابوں سے یہ بات بھی ملتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے یہ قول ہے کہ اب چونکہ خمس نہیں ہے اس لیئے اب انکو زکوٰۃ دیجائے اور بعض دیگر ائمہ بھی اسکے قائل ہیں اور صاحب فقہ الزکوٰۃ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (۱)

مولینا احمد رضا بجنوری نے علامہ انور شاہ کشمیری کا قول نقل کیا ہے کہ سادات کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے اس لیئے کہ اگر انکو زکوٰۃ اگر نہ دیجائے تو پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے اور یہ تو اشد البلیتین ہے (۲)

لیکن کتب احناف میں ظاہر الروایۃ اسی کو قرار دیا گیا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ نہ دیئے جائیں کیونکہ انکو دینے میں نصوص کی مخالفت لازم ائیگی اور ظاہر مذہب یہی قرار دیا گیا ہے (۳)

البتہ اگر بنو ہاشم فقیر اور محتاج ہوں تو انکو حیلہ کرکے دیا جائے تو بہتر ہے نیز سب سے بہتر یہ ہے کہ انکو عطیات دیئے جائیں

(۱) فقہ الزکوٰۃ یوسف القرضاوی ص ۳۴۴ ج ۳ طبع لاہور
(۲) تفصیل ملاحظہ فرمائیں نادر ملفوظات انور شاہ ص ۲۶۶ اشرف اکیڈمی لاہور
(۳) کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۵۷ ج ۴ طبع ملتان

پانچواں باب

حج کے جدید مسائل

اھل ہند و پاک کیلئے میقات

اسمیں تو سب کا اتفاق ہے کہ اہل ہند و پاک کیلئے میقات یلملم ہے
اب مسئلہ یہ ہے کہ سفر ہوائی ہوگا یا بحری ہوگا اگر سفر بحری ہے تو جب جہاز یلملم تک پہنچ جائے تو وہاں سے احرام باندھ لیا جائے اگرچہ بعض حضرات نے جیسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رح نے فرمایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بحری جہاز ایسے راستے جاتے ہیں کہ جدہ تک میقات سے تجاوز نہیں ہوتا وہاں تک احرام نہ باندھنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ اسمیں اختلاف ہے اور باقی اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ جدہ سے قبل احرام باندھا جائے ورنہ دم لازم آئے گا تو گویا کہ یہاں پر تعارض محرم اور محلل میں واقع ہوا اور یہ قاعدہ ہے کہ بوقت تعارض محرم اور محلل ترجیح محرم کو ہوتی ہے یہاں بھی ترجیح محرم کو ہوگی کہ احرام پہلے ہی باندھ لیا جائے اسکے علاوہ یہ بھی ہے کہ اختلاف کے وقت ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے کہ جس میں تمام اقوال پر عمل ہو تیسری بات یہ کہ اس پر بھی تمام کا اتفاق ہے کہ میقات سے پہلے احرام باندھ سکتے ہیں بلکہ افضل ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ یلملم اور اسکے قریب سے احرام باندھا جائے اور اگر جدہ تک نہ باندھا تو احتیاطاً دم کا حکم دیا جائے گا (۱)

(۱) فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۱۹۰ ج ۳ طبع کراچی
جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع رح ص ۴۸۸ ج ۱ طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۳۴ طبع لاہور
قاموس الفقہ خالد سیف اللہ ص ۸۵ طبع ندوہ ایجنسی حیدرآباد یوپی
احکام الحج مفتی محمد شفیع ص ۴۲ طبع دارالاشاعت کراچی

ہوائی جہاز میں احرام

بحری جہاز کے متعلق ابھی گذرا ہے حضرت مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ جدہ تک احرام باندھنے کی گنجائش ہے لیکن ہوائی جہاز کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ دو میقات سے گذرتا ہے اس لیئے اگر کسی نے ہوائی جہاز میں سفر کیا اور ان میقات سے قبل احرام نہ باندھا تو اُس پر دم لازم آئے گا اور چونکہ ہوائی جہاز کا وہاں سے گذرتے وقت ممکن ہے معلوم نہ ہو اور ان پر دم لازم آئے گا اسلیئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیا جائے (۱)

(۱) فتوی حبیبیہ ص ۲۱۰ ج ۱ ، طبع کراچی
احکام الحج ص ۴۴ مفتی محمد شفیع طبع دارالاشاعت کراچی

عورت کا ہوائی جہاز سے بغیر محرم کے سفر

مسئلہ علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ اتنی مسافت جسکا قصد کرنے سے شرعی مسافر ہوجائے عورت بغیر محرم کے سفر نہیں کر سکتی چاہے وہ جتنی جلدی طے ہوجائے لہذا وہ عورت جسکے ساتھ محرم نہیں ہے اس پر حج واجب نہیں ہے وجوب ادا اس وقت ہوگا جب محرم ساتھ ہو اگر کوئی عورت بغیر محرم کے جاکر حج کرتی ہے تو فرض اس سے ساقط ہوجائے گا لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگی اسلیئے جب تک محرم ساتھ نہ ہو حج پر نہ جائے آخر عمر تک اگر کوئی محرم نہ ملے تو وصیت کر دے کہ میری طرف سے حج کر دیا جائے اسلیئے چاہے بحری جہاز ہو چاہے ہوائی ہو اور سفر شرعی کی مقدار مسافت طے کرنی ہے تو محرم کا ہونا ضروری ہے ①

---

① فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۲۰۱ ، ج ۳ طبع کراچی
فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۲۶۰ ج ۲ طبع کراچی
امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۱۵۶ ج ۲
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۲۰ ج ۴ طبع ملتان
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۵۲۲ ج ۴ طبع کراچی

حجاج کرام کیلئے خرید و فروخت

آج کل جو حجاج حج کو جاتے ہیں وہ عموماً خرید و فروخت بھی کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً اسکی اجازت ہے۔ یا نہیں تو اس سلسلہ میں علماء کرام نے حدیث:
إنما الأعمال بالنیات ① کا سہارا لیکر واضح کر دیا ہے کہ ان کی جیسی نیت ہوگی اجر اسکے مطابق ملے گا اسی طرح حج کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کرتا ہے اور مقصد صرف تجارت ہے باقی حج کو صرف درمیان میں واسطہ اور اس تجارت کیلئے ایک ذریعہ بناتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو ظاہراً حاجی کہا جائیگا مگر خدا کے ہاں مدار نیت پر ہوگا اور یقیناً اس قسم کی نیت شرعاً ناپسندیدہ اور ناجائز ہے لیکن اگر کسی کا مقصود اصلی حج ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پیش نظر ہے تجارت صرف ضمناً کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ غیر شرعی اور ناجائز اشیاء کی خرید و فروخت نہ ہو جیسے۔ وی۔ سی۔ آر۔ وغیرہ کیونکہ تجارت کی جو اجازت ہے وہ مباح اشیاء کی۔ لیکن اگر کوئی شخص حج کرکے آرہا ہے اور وی۔ سی۔ آر۔ بھی ساتھ لا رہا ہے تو گویا کہ وہ گناہوں کا ایک انبار ساتھ لا رہا ہے اس لئے فقہاء کرام جو کہ اس امت کے روحانی اطباء ہیں، فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ ان اس دوران خرید و فروخت کی نیت نہ کرے تاکہ نیت خالصتاً بھی ہو اور اس میں کوئی شبہ نہ ہو ساتھ ساتھ اگر تجارت کرلی تو ثواب میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ ①

---

① مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳

① فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۱۸۱ ج ۳ طبع کراچی
فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۶۰ ج ۲ طبع ادارہ دعوت اسلامی کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۳۶ طبع لاہور

حرام مال سے حج کرنا

حرام مال جس میں بینک کا سود۔ انشورنس کا سود سب داخل ہیں
اگر کسی شخص کے پاس صرف مال حرام ہے تو اسے حج کرنا درست نہیں کیونکہ مال حرام کے بارے میں شریعت کا حکم یہی ہے کہ اسے بلا نیت ثواب صدقہ کیا جائے ہاں اگر مال سب مخلوط ہے تو پھر دیکھا جائیگا کہ اگر وہ غصب شدہ ہے تو گویا وہ دین ہوا اسلیئے اسکے علاوہ اتنا مال ہو کہ جس سے سفر حج کے اخراجات پورے ہوسکیں تو حج کرلے اور اگر مال حلال و حرام دونوں مخلوط ہیں تو حلال مال کو خرچ کرنے کی کوشش کریں کیونکہ حرام مال سے اگر حج کیا تو ثواب نہیں ملے گا اگرچہ فرضیت ساقط ہوجائے گی (۱)

---

(۱) فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی ص ۱۹۲ ج ۳
فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۶۹ ج ۲ طبع کراچی
امداد الفتاوی ص ۱۶۰ ج ۲ طبع کراچی
فتاوی عبدالحئی ص ۲۷۲ ج طبع کراچی
احکام حج مفتی محمد شفیع ص ۲۷ طبع کراچی

چھٹا باب

ذبح و قربانی کے جدید مسائل

مشین سے جانور کو ذبح کرنا

آج کل جانوروں کو تکلیف سے بچانے کی غرض سے مشینی طریقہ پر ذبح کرنا بھی عمل میں لایا گیا ہے جس میں یہ ہوتا ہے کہ جانور کو ذبح سے قبل کسی طرح بیہوش کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد ذبح کیا جاتا ہے کوئی شخص جانوروں کو چھروں کے سامنے کر دیتا ہے پھر اس کے بعد وہ چھرے خود بخود چلنے لگتے ہیں

سوال یہ ہے کہ ایسے طریقہ پر ذبح کرنے سے یہ ذبیحہ حلال ہو جائیگا یا نہیں اس مسئلہ میں علماء کرام نے کچھ شروط کا ذکر کیا ہے جن کی رعایت کرتے ہوئے ایسے ذبیحہ کو حلال کہا جا سکتا ہے

① مسلمان یا اہل کتاب میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ پڑھکر ذبح کیا جائے یعنی مشین کا بٹن دبانے والا شخص مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہو

② دوم مخصوص رگوں کا کاٹا جانا ضروری ہے یہ شرائط ضروری ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ مشین کے ان چھروں کے سامنے جو شخص جانور کی گردن کو لاتا ہے وہ بھی ذبح کرنے والے شخص کا معاون اور مددگار ہے اس لئے کہ اگر وہ مدد نہ کرتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ چھرے اس جانور کے گردن پر نہ گرتے اس لئے احتیاطاً یہ شخص بھی ذبح کرنے والا شمار کیا جائیگا اور اس کا بھی مسلمان اور اہل کتاب میں سے ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ یہ بھی علماء کرام نے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ مشین ایسی نہ ہو کہ جھٹکے سے جانور کے گردن کو الگ کر دے اگر ایسی مشین ہوگی تو اس کا ذبیحہ مکروہ قرار پائیگا نیز یہ کہ جانور کے ٹھنڈے ہونے سے پہلے اس کی کھال نہ اتاری جائے کہ یہ مکروہ ہے ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر اگر جانور کو مشین سے ذبح کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں پھر اس کے علاوہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مشین سے ذبح کرنے کی مختلف

صورتیں ہو سکتی ہیں اس اختلاف کے پیش نظر احکام بھی مختلف ہونگے جب تک یہ ساری تفصیلات سامنے نہیں آتیں اُس وقت تک ان کا فیصلہ کرنا مشکل ہے پھر اس کے علاوہ جیسا کہ مشہور ہے کہ ذبح سے قبل جانور کو بیہوش کیا جاتا ہے پھر اس کو ذبح کیا جاتا ہے اگر اس بیہوشی کی حالت میں ذبح سے پہلے جانور کی روح نکل گئی ہے اُس کے بعد اس کو ذبح کیا جائے تو اس ذبح کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ اس ذبح سے جانور پر حلّت کا حکم لگایا جائیگا اور اگر اس بیہوشی کی حالت میں روح جانور کی اب تک نہیں نکلی ہے اس کو ذبح کیا ہے تو اس کی حلّت میں کوئی شبہ نہیں بہر صورت اس جواز اور گنجائش کے باوجود مسنون طریقہ پر اگر جانور کو انسان خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرلے تو اس کی افضلیت میں بھی کوئی شک نہیں اور جو شخص مشینی ذبیحہ کو اس پر افضل ثابت کرنے کی کوشش کرے اور شریعت کو ناقص سمجھے اس کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں ہے[1]

---

[1] اسلامی ذبیحہ مفتی محمد شفیع ص ۲۴۲ طبع کراچی۔ آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع ص ۹۶ طبع کراچی
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۸۱ ج ۸ طبع ملتان ۔ فتاوی حبیبیہ مفتی حبیب اللہ ص ۲۲۹ ج ۱
طبع کراچی ۱۹ موسیٰ کالونی

اہل کتاب کے ذبائح اور یورپی بند ڈبوں کے گوشت کا حکم

علماء کرام ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ ذبح کرنے والا مسلمان اور اہل کتاب میں سے ہو خدا کا منکر اور دہریہ نہ ہو اسی طرح ذبح کرتے وقت صرف اللہ کا نام لے پھر تو ذبیحہ حلال ہوگا اب مسئلہ یہ ہے کہ اہل یورپ کے اہل کتاب کے احوال معلوم ہونے سے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ دھریئے یا مشرکانہ عقائد والے تو نہیں ہیں چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع رحؒ نے لکھا ہے کہ آج کل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دھریئے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے وجود کے قائل ہی نہیں ہیں یہ لوگ مردم شماری کے اعتبار سے اگرچہ اہل کتاب ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے شرعاً یہ اہل کتاب نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتا اگرچہ بسم اللہ پڑھکر ذبح کریں اور اگر واقعی اہل کتاب یہود نصاریٰ ہیں مگر وہ جانور ذبح کرتے وقت حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتے ہیں تب بھی وہ ذبیحہ حرام ہے [1] جہاں تک بند ڈبوں کے گوشت کا حکم ہے اگر ڈبے پر یہ لکھا ہوا ہے کہ شریعت کے مطابق ذبح ہوا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے اس لئے کہ حلال ہونے پر قرینہ قائم ہے جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل شرعی نہ ہو اس کی حلت کا حکم برقرار رہے گا اور نصاریٰ چونکہ عموماً دھریئے ہو چکے ہیں

---

[1] اسلامی ذبیحہ مفتی محمد شفیع ص ۱۲ طبع کراچی - جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۴۰۰ ج ۱ طبع کراچی
امداد المفتیین مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۹۳۱ طبع کراچی

اور جو لوگ اُن میں سے مذہبی ہیں وہ بھی اللہ کے نام کیساتھ مسیح ابن اللہ کا نام لیتے ہیں اور یہ طریقہ ان کا معمول اور متعارف ہوچکا ہے اس لئے جب تک کہ اس پر دلیل شرعی قائم نہ ہوجائے کہ انہوں نے اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کیا ہے اس وقت تک ذبیحہ کی حلّت کا حکم نہیں لگایا جائے گا خلاصہ اینکہ اس کی تحقیق کیجائے اور حتّی الوسع مشکوک کھانوں سے اجتناب کیا جائے [1]

[1] نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ص ۳۱۲ ج ۲ طبع دیوبند ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۴۲ طبع اردو بازار لاہور

بندوق کا شکار کیا ہوا حلال ہے یا حرام

آج سے کئی سو سال قبل تیروں سے شکار کیا جاتا تھا اور اس کی حلت کا ذکر نصوص سے صراحتاً ثابت ہے آج کل کلاشنکوف اور بندوقوں کا زمانہ ہے سوال یہ ہے کہ بندوق سے شکار کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام اس سلسلہ میں واضح بات یہ ہے کہ ذبح کی دو صورتیں ہیں ایک ذبح اختیاری یہ ان جانوروں کا ہوتا ہے جو انسان کے قابو میں ہو اور اس میں ضروری ہے کہ مخصوص رگوں کو کاٹا جائے تو جانور حلال ہو جائیگا

دوسری صورت ذبح اضطراری کی ہے کہ جانور انسان کے قابو میں نہ ہو اس میں حلق کی خاص رگوں کا کاٹنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو شکار کیلئے استعمال کیا جائے وہ جانور کو زخمی کردے اب زخمی کرنے کے بعد اگر جانور زندہ مل جاتا ہے تو پھر حلق میں ذبح کرکے مخصوص رگوں کا کاٹنا ضروری ہوگا اور اگر زندہ نہ ملے تو پھر یہی زخم اس کی حلت کیلئے کافی ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ ایسے آلہ سے مارا جائے کہ زخم کی وجہ سے خون نکل جائے یعنی وہ چیز زور اور ثقل کی وجہ سے روند کر اندر زخم نہ کرے بلکہ تیز اور دھار دار ہو اب بندوق کی گولیاں جس قدر آرہی ہیں انکے بارے میں یہی تحقیق ہے کہ یہ جانور کے جسم کو زخم کرکے تیز دھار کی وجہ سے اندر داخل نہیں ہوتی ہے بلکہ ثقل کی وجہ سے اور جسم کوٹ کر کے اندر داخل ہوتی ہے اس لئے بندوق کا شکار کیا ہوا اگر زندہ مل جاتا ہے تو ذبح کیا جائے اور اگر مرگیا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے نیز اگر کوئی اس قسم کی گولیاں نوک دار اور تیز تیر کی طرح ہو اور شکار کو زخم کرکے اندر داخل ہو جائے تو ایسی گولی سے شکار کئے ہوئے جانور کی حلت کے بارے میں علماء کی تحقیق کی طرف رجوع کیجائے لیکن اب تک اکثریت اسی پر ہیں کہ بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں اور احتیاط بھی بوقت نزاع فریقین اسی میں ہے۔[1]

[1] جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۳۷۵ ج ۱ طبع کراچی۔ امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۶۱۹ ج ۳ طبع کراچی امداد المفتین مفتی محمد شفیع ص ۹۵۵ طبع کراچی۔ ملفوظات انور شاہ سید احمد رضا بجنوری ص ۱۳۴ ۳۲۲ نیلا گنبد لاہور جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۴۲ طبع لاہور

گائے کی قربانی کا مسئلہ

ہندوستان میں جہاں گاؤ کشی قانوناً ممنوع ہے اور برادران وطن کیلئے گائے کی قربانی یا ذبح گاؤ ایک انتہائی حساس اور جذباتی مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے مسلمانوں کو اس کا تسلیم کرنا اور اس سے رک جانا شرعاً درست ہے یا اس کی مخالفت ضروری ہے مسئلہ یہ ہے کہ گائے کا احترام اور اس کی پوجا بنی اسرائیل سے چلی آرہی ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے گائے کی بچھڑے کی طرح صورت بنا کر لوگوں کو گمراہ کیا (سورۃ طہٰ) میں واقعہ تفصیل سے مذکور ہے اور سورۃ بقرہ کے اندر بھی گائے ذبح کرنے کا ذکر ہے اور حکم موجود ہے گائے ذبح کرنے کے جہاں اور وجوہات ہیں ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے گائے کی پرستش اور الوہیت کا جو عقیدہ ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا اس عقیدہ فاسدہ کو ختم کرنے کیلئے یہ حکم دیا گیا اسی طرح قرآن مجید میں ہے

وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ ﴿الانعام/۱۴۷﴾

جو چیز تم پر حرام کی گئی ہیں وہ تفصیل سے بیان کردی ہیں اور گائے کا حلال ہونا تو متفق علیہ مسئلہ ہے قرآن وسنّت سے گائے کا ذبح کرنا اور قربانی کرنا ثابت ہے اور جو چیزیں حلال ہوں ان کو حرام کہہ دینا اس قسم کے عمل پر وعید آئی ہے مثلاً شہد حلال تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حرام کردیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ یا ایھا النبی لِمَ تُحَرِّمُ ما احل اللہ لک / التحریم /۱)

جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو اسی طرح قرآن میں بار بار یہ حکم ہے کہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھایا کرو

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الخ الآیۃ الاعراف ۳۲/۷

اس آیت کے اندر اُن لوگوں پر زجر و سرزنش کی گئی ہے کہ جو لوگ پاکیزہ اور عمدہ غذائیں جو اللہ نے حلال کی ہیں ان سے پرہیز اور اپنے اوپر حرام قرار دینے کو عبادت

وطاعت سمجھتے ہیں اسی طرح کفار و مشرکین نے خاص جانور حرام کئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ

قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ الآیۃ (انعام ۱۴۴) ۱۷

فرمایا کہ کیا اللہ نے مذکر حرام کئے یا مؤنث یعنی یہ جو تم نے اپنی طرف سے حرام قرار دیئے ہیں یہ غلط ہے یہ اللہ پر بہتان اور جھوٹ کی مانند ہے اسی طرح فرمایا

ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الآیۃ (انعام ۱۴۶) ۱۸

فرمایا کہ یہود پر ہم نے گائے اور بکری کی خاص مقام کی چربی حرام کی تھی وہ بھی ان کو ان کی شرارت کی سزا تھی خلاصہ یہ ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں ان کو حرام قرار دینا اس کی سخت وعید آئی ہے اب اگر مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح گائے کی قربانی نہیں کرینگے تو ظاہر ہے اس کے ساتھ موافقت آئیگی اور جو عقیدہ و نظریہ ان کا گائے کے متعلق ہے وہ مزید پختہ ہو جائے گا نتیجہ یہ نکلے گا آئندہ زمانہ میں کوئی شخص گائے کو ذبح نہیں کرے گا یہی محسوس ہوگا کہ گائے کی قربانی ناجائز ہے جبکہ یہ عقیدہ قرآن و سنت کے سراسر خلاف ہے احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گائے کی قربانی میں شریک ہوئے [1] اس کے علاوہ فقہ کی تقریباً تمام کتب میں ہے کہ گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیجائے صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواج کی طرف سے گائے ذبح کی صحابہؓ اور ازدواج رسولؐ نے گوشت کھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا حاصل یہ ہے کہ گاؤ پرستی یہود کا عقیدہ ہے اس کی مخالفت مسلمانوں پر لازم ہے البتہ وقتی طور پر اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو مصلحتاً اس سے رک جانا جائز ہے جیسے کسی آبادی میں کسی خاص موقعہ پر اسکی وجہ سے سخت پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے تو اس سے وقتی طور پر رک جائے مگر اس کی حیثیت جزوی انفرادی ہے [1]

---

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۴۹ طبع لاہور

آلائش نکالنے سے قبل مرغی کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنا

آج کل یہ بھی رواج ہوگیا ہے کہ مرغیوں کی کھال بآسانی اتارنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ مرغیوں کو ذبح کرنے کے بعد کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں

(۱) کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنا اس قسم کی مرغی کا گوشت ناپاک ہوجاتا ہے حتیٰ کہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق اب کسی صورت میں پاک نہ ہوگا

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ پانی معمولی گرم ہو جوش اور کھولتا ہوا نہ ہو اس صورت میں اگرچہ ناپاک نہ ہوگا لیکن تاہم آلائش نکالنے سے قبل اس طرح مرغی کو پانی میں ڈالنا کراہت سے خالی نہیں ہے اور اگر اس صورت میں معمولی گرم پانی میں مرغی کو اتنا چھوڑا جاتا ہے جس سے گوشت کے اندر نجاستوں کا اثر منتقل ہوجاتا ہے تو اس صورت میں حرمت کا حکم لگایا جائیگا کیونکہ اثر قبول کرنے والی علت موجود ہے بہرصورت ایسے طریقہ پر کھال اتارنے سے اجتناب کیا جائے [1]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۹۶ ج ۲ طبع کراچی - جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۰ طبع اردو بازار لاہور

ٹھنڈا ہونے سے قبل ذبیحہ کا چمڑا اتارنا

فقہاء کرام نے بڑی تاکید سے یہ لکھا ہے کہ جانور کو اس انداز سے ذبح کیا جائے تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو اس کے پیش نظر علماء کرام یہ فرماتے ہے کہ جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے اس وقت تک جانور کی کھال اتارنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی سرد ہونے سے قبل جانور کا گردن الگ کرنا اور کھال اتارنا دونوں مکروہ ہیں اگرچہ اس کا گوشت کھانا حلال جیسے ذبح کے شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے آداب کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔[1]

---

[1] فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۹۱ ج ۳ طبع کراچی - جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۱ طبع لاہور

ساتواں باب

ازدواجی زندگی کے جدید مسائل

ازدواجی زندگی

اہل کتاب سے نکاح

یہ تو واضح بات ہے کہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی ہے مگر اس کے لئے چند شرائط ہیں

① مسلمان عورت سے عیسائی اور یہودی مرد کا نکاح کسی صورت میں بھی درست نہیں

② مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے نکاح کرسکتا ہے اہل کتاب سے مراد اللہ اور رسول اور آخرت اور آسمانی کسی کتاب پر ایمان ہو چاہے یہودی ہو یا نصرانی

③ یہ کہ اگر وہ نام کا اہل کتاب ہے حقیقت میں دہریہ اور مشرک ہے اور خدا اور کسی رسول اور آسمانی کتاب پر ایمان نہیں ہے تو ایسے اہل کتاب اگرچہ سرکاری مردم شماری میں اہل کتاب شمار ہوگا مگر یہ شرعاً اہل کتاب نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح درست نہیں اور موجودہ دور میں یورپ اور مغربی ممالک میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے لہذا بغیر تحقیق کے ان سے نکاح نہ کیا جائے

⑤ اگر فی الحقیقت بھی وہ اہل کتاب ہیں تو موجودہ زمانے کو دیکھتے ہوئے فساد اور فتنے کا قوی خطرہ ہے اس لئے ان سے نکاح نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ حربیہ کتابیہ کے ساتھ نکاح مکروہ تحریمی ہے پھر یہ کہ اہل کتاب کے ساتھ شدید ضرورت کے وقت نکاح کیا جائے جب کہ مسلمانوں میں رشتہ نہ ہو حالانکہ آج کل الحمدللہ مسلمانوں میں رشتوں کی کمی نہیں ہے اہل کتاب میں سے موجودہ دور میں جو نکاح ہو رہا ہے وہ صرف دنیاوی مفادات کیلئے

اور اکثر و بیشتر شوہر بھی اہل کتاب ہو جاتے ہیں اس لئے اہل کتاب کے ساتھ نکاح سے اجتناب کیا جائے [1]

---

[1] احسن الفتاویٰ مفتی رشید احمد ص ۹۰ ج ۵ طبع کراچی - کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۰ ج ۵ طبع امدادیہ ملتان - امداد الفتاویٰ اشرف علی تھانوی ص ۲۱۴ ج ۲ طبع کراچی
فتاویٰ دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۱۷۶ ج ۷ طبع ملتان - جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۱۳۳ ج ۲ طبع کراچی - فتاویٰ رحیمیہ مفتی عبد الرحیم ص ۱۰۲ ج ۲ طبع کراچی

کمیونسٹوں سے نکاح

موجودہ دور کے کمیونسٹوں دھریوں کے عقائد اور نظریات یہ ہیں انکار خدا۔ سوشلزم کے بانی کارل مارکس اور سوشلزم کے شارح لینین کا پختہ عقیدہ اور ان کے فلسفہ کا لب لباب یہ ہے کہ اس کائنات کا نہ کوئی خالق اور موجد ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر ہے بلکہ یہ کائنات خود سے خود بے مادّہ اور اس کی حرکت کے نتیجے میں موجود ہو گئی ہے

دہریوں اور کمیونسٹوں نے خدا کے خدائی اور الوہیّت کے خلاف ایک انجمن قائم کی ہیں جس کا مقصد ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے ہم نے جس طرح زمین کے بادشاہوں کو تخت سے گرادیا ہیں اسی طرح ہم نے آسمان کے بادشاہ کو بھی عرش سے گرادیا ہیں حاشیہ اشتراکیت اور اسلام بحوالہ جہاد افغانستان اسی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں ایسی گستاخیاں ہیں جو کہ موجب کفر ہیں اس لئے ایسے عقائد رکھنے والے کافر اور بے دین ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان سے نکاح کسی طرح بھی درست نہیں ان کا جب اللہ کی ذات پر یا کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں تو یہ اہل کتاب کیسے شمار ہو سکتے ہیں اور ان سے نکاح کی گنجائش شرعاً کس طرح ہو سکتی ہے اس لئے ان سے ازدواجی انسانی تعلقات شرعاً بالکل ناجائز ہیں۔[1]

---

[1] جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۱۳۲ ج ۲ طبع کراچی ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۴ طبع لاہور

قادیانیوں سے نکاح

قادیانی چونکہ متفقہ طور پر کافر ہیں اور بعض علماء کرام نے تو ان کو مرتد شمار کیا ہے اور بعض حضرات نے عام کافر قرار دیا ہیں بہر صورت نہ ان کو لڑکی دینا جائز ہے اور نہ ان کی کسی لڑکی سے نکاح جائز ہے اس لئے قادیانیوں کیساتھ نکاح ناجائز ہے اور اسی کو علماء کرام نے راجح قرار دیا ہیں نیز یہ کہ ان کو اہل کتاب شمار کرنا بھی درست نہیں اس لئے کہ جب نبی آخر الزمان کی نبوّت کا وہ لوگ انکار کرتے ہیں اور مرزا صاحب کی ظلّی اور بروزی نبوّت کے قائل ہیں تو ان کو اہل کتاب شمار کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے اس کے علاوہ ان کی لڑکی سے نکاح کرنا اسلام اور مسلمانوں کیلئے انتہائی خطرناک اور نقصان دہ بھی ہے [1]

---

[1] فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۴۵۵ ج ۷ طبع ملتان ۔ امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۲۱۴ ج ۲ طبع کراچی ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۵ طبع اردو بازار لاہور

تحریری نکاح کا انعقاد

تحریری نکاح کی کچھ ایسی صورتیں ہیں کہ جن میں نکاح نہیں ہوتا اور کچھ ایسی صورتیں ہیں کہ نکاح ہو جاتا ہے

(۱) اگر دونوں جانب سے ایجاب قبول تحریری طور پر ہوئے ہیں اور زبانی طور پر کسی جانب سے بھی ایجاب و قبول نہیں ہوا ہے تو یہ نکاح درست نہیں

(۲) ایک جانب سے تحریر اور دوسری جانب سے زبانی قبول ہے اگر یہ صورت بغیر گواہوں کے ہے تو یہ بھی نکاح درست نہیں

(۳) اگر ایجاب زبانی طور پر گواہوں کی موجودگی میں ہوا لیکن قبول کرتے وقت گواہ نہ تھے اس صورت میں بھی نکاح درست نہیں ہوا

(۴) ایجاب تحریری ہوا قبول گواہوں کی موجودگی میں ہوا لیکن ایجاب کا ذکر گواہوں کے سامنے نہ ہوا پھر بھی نکاح نہ ہوگا

(۵) اگر ایجاب تحریری ہوا چاہے مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے ہو قبول کرتے وقت دو گواہ موجود ہیں اور ان کو ایجاب کی تحریر سنائی جاتی ہے کہ فلاں نے میری طرف یہ لکھا ہے میں قبول کرتا ہوں تو اس صورت میں نکاح درست ہوگا[۱]

---

[۱] فتاوی رشیدیہ مولانا رشید احمد گنگوہی ص ۱۵۲ ج ۱ سعید ایچ ایم کراچی۔ فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۵۳ ج ۷ طبع ملتان۔ امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۲۳۵ ج ۲ طبع کراچی جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۷ طبع لاہور

ٹیلیفون سے نکاح کا انعقاد

مسائل جدیدہ میں سے مسئلہ ٹیلیفون سے نکاح کا انعقاد اور عدم انعقاد بھی ہے اس سلسلہ میں علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ نکاح کے اندر بنیادی چیزیں دو گواہوں کا ہونا اور متعاقدین کے قول کو سننا ضروری ہے متعاقدین میں سے اگر ایک غائب ہے اور ایک حاضر ہے تو اس صورت میں غائب کی تحریر ہو تو دوسری صورت ہے لیکن اگر تحریر نہیں ہے اور وہ اپنا وکیل بنائے اور وکیل اور وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ گواہوں کو اس عورت کا نام وغیرہ بتایا جائے مثلاً ہندہ زید کو ٹیلیفون کر دے کہ میں تم کو اس بات کا وکیل بناتی ہوں کہ تم اپنے آپ سے میرا نکاح کرواب زید یہ کرے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں یہ کہے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے ہندہ کا اپنے آپ سے نکاح کر لیا تو نکاح ہو جائیگا البتہ یہ ضروری ہے کہ گواہ اس عورت سے واقف اور متعارف ہوں اور اگر گواہوں کو ہندہ کا علم نہیں ہے تو پھر نکاح نہ ہوگا اس لئے کہ ٹیلیفون میں چونکہ بیک وقت دونوں کا قول دونوں گواہ ایک ساتھ نہیں سن سکتے اس لئے اس صورت میں نکاح نہ ہوگا باقی اگر طرفین میں سے کوئی ایک دوسرے کو وکیل بنائے تو پھر نکاح دو گواہوں کی موجوگی میں ہو جاتا ہے لیکن یہاں پر نکاح کا انعقاد گویا کہ ٹیلیفون سے نہیں ہو رہا ویسے ہی ہو رہا ہے اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک ٹیلیفون کے کنکشن تین چار ہوں اب جبکہ ٹیلیفون پر عورت یا مرد ایجاب کرے اور جن سے قبول کرانا ہو وہاں پر تین افراد موجود ہوں دو گواہ ٹیلیفون اٹھالیں اور ایک قبول کرنے والا اٹھالے اور آواز تینوں میں

بیک وقت سنائی دے اس صورت میں جب ایجاب وقبول دو گواہ بیک وقت سن لینگے اس صورت میں بھی نکاح ہوجائیگا جبکہ ایجاب کرنے والے مرد یا عورت کو یہ گواہ جانتے ہوں کہ واقعی فلاں مرد یا عورت ایجاب کررہی ہے اسی صورت میں نکاح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اسی طرح اب ایک مشین ایجاد ہوئی ہے کہ ٹیلیفون کرنے والا جب ٹیلیفون کرتا ہے تو تمام محفل بیک وقت گفتگو سن سکتی ہے اس صورت میں بھی نکاح ہوجائیگا۔[1]

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۵۷ طبع اردو بازار لاہور

غیر عربی لفظوں سے نکاح کا انعقاد

ذکر و اذکار میں الفاظ و معانی دونوں مقصود ہوتے ہیں لیکن نکاح و طلاق میں الفاظ مقصود نہیں ہوتے بلکہ مفہوم اور معنیٰ مقصود رہوتا ہے جس زبان میں بھی ہو انعقاد نکاح کیلئے ایجاب وقبول میں ایسے الفاظ کہنا شرط ہے کہ جن سے متعاقدین اور گواہ انعقاد نکاح کا علم رکھتے ہوں بعض الفاظ بعض قوموں میں نکاح و طلاق کیلئے خاص ہوتے ہیں اور بعض الفاظ مشتبہ ہوتے ہیں ایسی صورت میں جب متکلم نکاح کی نیت کرے یا قرائن موجود ہوں مثلاً مہر اور وجود گواہان وغیرہ تو نکاح ہو جائیگا اسی طرح طلاق بھی غیر عربی لفظ سے واقع ہوتی ہے اگر صریح الفاظ میں ایک دفعہ کہا ہو تو ایک طلاق رجعی اگر مشتبہ الفاظ میں جن میں نیت کی طرف رجوع کرنا پڑے تو پھر طلاق بائن واقع ہوگی [1]

---

[1] احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ص ۱۰۲ ج ۵ طبع ایچ ایم سعید کراچی ۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ۵۸ ج ۷ طبع ملتان ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۸ طبع لاہور

خون سے حرمت نسب کا ثبوت

مسئلہ یہ ہے کہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے لیکن اس کے لئے بھی شروط ہیں مثلاً دودھ ہو اس میں اکثریت کسی اور چیز کی نہ ہو
اسی طرح ایک خاص عمر کے اندر حرمت ثابت ہوتی ہے ہی وجہ ہے کہ مدت رضاعت دو یا ڈھائی سال کے بعد اگر کسی نے کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔
جب دودھ کیلئے اتنی شروط اور قیودات ہیں تو خون کو دودھ پر قیاس نہیں کیا جائیگا دوسری بات یہ ہے کہ دودھ سے نشوونما ہوتی ہے اور خون سے نہیں ہوتی بلکہ وقتی طور پر فائدہ حاصل ہوتا ہے بہرحال خون سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔[1]

---

[1] کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۱۴۵ ج ۹ طبع ملتان ۔ آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع ص ۱۸۲ طبع کراچی ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۵۹ طبع لاہور

ٹسٹ ٹیوب سے تولید کے احکام

ٹسٹ ٹیوب کے مسائل مختلف قسم کے ہیں اور اس سے مختلف قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں

(۱) کیا نسل انسانی کے افزائش کیلئے یہ طریقہ اختیار کرنا درست ہے

(۲) کیا اس کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا پرورش اور نفقہ اور وراثت وغیرہ میں حقیقی اولاد کی حیثیت ہوگی

(۳) کیا اس کی وجہ سے حرمت نکاح اور پردہ وغیرہ کے احکام ثابت ہونگے یا نہیں

(۴) اگر کسی اجنبی مرد کے مادہ منویہ کا استعمال کیا گیا تو اس کا شمار زنا میں ہوگا یا نہیں

ٹسٹ ٹیوب سے نسل انسانی کی افزائش کے طریقے مختلف ہیں جن میں سے بعض تو ناجائز اور حرام ہیں اور مثل زنا کے ہیں اور بعض طریقے اگرچہ اس سے کم درجہ میں قبیح ہیں لیکن پھر بھی یہ تمام غیر فطری اور ناپسندیدہ ہیں مثلاً جب کسی اجنبی مرد کا مادہ منویہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں داخل کیا جائے تو یہ ناجائز و حرام ہے اور مثل زنا کے ہے

۲۔ اپنی بیوی کے رحم میں شوہر کا مادہ منویہ داخل کیا جائے اگر اس میں کوئی ڈاکٹر وغیرہ معاون ہوتا ہے تو یہ صورت بھی قباحت سے خالی نہیں اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ ڈاکٹر سے علاج کسی شدید ضرورت شرعیہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور اولاد کا حصول کوئی ضرورت شرعیہ نہیں ہے

۳۔ مرد اور بیوی کا مادہ ہو غیر فطری طریقہ پر نکال کر کے عورت کے رحم میں غیر فطری پر داخل کیا جائے جبکہ اس میں کوئی تیسرا شخص نہ ہو یہ صورت اگرچہ اشد ضرورت کے وقت جائز ہے لیکن یہ طریقہ بھی شرعاً غیر پسندیدہ ہے کیونکہ شریعت نے حصول اولاد کیلئے جو طریقہ بتایا ہے وہی پسندیدہ ہے

۴۔ باقی جہاں تک یہ سوال ہے کہ آیا ٹسٹ ٹیوب کے ذریعہ سے جو بچہ پیدا کیا جاتا ہے اس کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں اس سلسلہ میں علماء کرام نے واضح کیا ہے کہ اگر اس ٹسٹ ٹیوب کے ذریعے عمل مکمل کر لیا گیا تو پھر دیکھا جائے گا کہ کونسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اگر شوہر کا نطفہ بیوی کے رحم میں ڈالا گیا اگرچہ غیر فطری طریقہ پر ہو لیکن پھر بھی ایسی صورت میں اسی شوہر سے بچہ

کا نسب ثابت ہوگا اور پرورش اور نفقہ واخراجات کے ذمہ دار شوہر ہوگا اور یہ بچہ اسی سے وراثت کا حقدار بھی ہوگا کیونکہ نسب کے ثبوت کیلئے یہ ضروری نہیں کہ فطری طریقہ پر بلکہ یہ ضروری ہے کہ اپنا پانی اپنی کھیتی میں استعمال کیا جائے اگر غیر کی کھیتی میں استعمال کیا تو نسب ثابت نہ ہوگا اور حدیث شریف ﷺ الولد للفراش وللعاھر الحجر اس پر دال اور شاہد ہے

۳۔ اسی طرح حرمت نکاح اور پردہ وغیرہ کے وہ تمام احکام ہونگے جو حقیقی اولاد کے ہوتے ہیں لیکن اگر اجنبی مرد کا مادہ منویہ اجنبیہ عورت کے رحم میں ڈالا گیا تو اس صورت میں اس سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کا حکم مختلف ہے اس صورت میں یہ بچہ اس عورت کے شوہر سے ہوگا جس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے نہ کہ اس مرد سے نسب ثابت ہوگا کہ جس کا مادہ ڈالا گیا ہے کیونکہ حدیث مذکورہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے اگر وہ عورت جس کے بطن سے بچہ ہوا ہے شوہر والی نہیں ہے تو بچہ کی نسبت عورت کی طرف ہوگی اور یہ بچہ ولد الزنا شمار ہوگا اور اس کا نان ونفقہ بھی اس عورت کے ذمہ واجب ہوگا اور رشتہ وغیرہ بھی اس عورت کی نسبت حرام ہوگا اس کی نسبت آدمی کی طرف نہ ہوگی اور نہ ہی شرعاً اس کے ذمہ کچھ واجب ہوگا

۴۔ چوتھی صورت یعنی اگر کسی اجنبی مرد کا مادہ استعمال کیا گیا تو یہ صورت قریب الزنا ہے یعنی شرعی حد اگرچہ نہیں لگ سکتی لیکن شرعاً تعزیر کی مستحق ہے کیونکہ اجنبی مرد کا مادہ اجنبیہ عورت کے رحم کو استعمال کرنا بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہے اور یہ طریقہ ناجائز وحرام بھی ہے لہ

لہ ماہنامہ بینات ۱۴۰۹ھ طبع علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن ۔ عصر حاضر کے فقہی مسائل اکتوبر ۱۹۸۶ء
مولانا بدرالحسن مطبوعہ دعوت تحقیق حیدرآباد

شادی میں گانا بجانا

نکاح کی محفل ایک خوشی کا موقعہ ہے اور شرعاً خوشی کرنا کوئی منع نہیں لیکن خوشی منانا بھی بشرطیکہ شریعت کے دائرہ میں ہو بیشک احادیث سے ثابت ہے کہ بچیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور صحابہؓ کی موجودگی میں اشعار پڑھتی تھیں مگر وہ اشعار بھی احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں کونسی ناجائز بات ہے اور کونسی بے حیائی کی بات ہے بلکہ وہ سب جائز باتیں تھیں نیز ان بچیوں کا دین کے جذبہ سے یہ اشعار پڑھنا اور آج کل کے خرافات گانے باجے اور اجنبیہ عورتوں کا اجنبی مردوں کے سامنے بے حیائی کے اشعار ان میں کتنا بڑا فرق ہے ثانی کو اول پر قیاس کرنا کتنا بڑا ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے اس لئے نکاح کے موقعہ پر اس قسم کے گانوں کے شرعاً کوئی اجازت نہیں [1]

---

[1] کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۱۸۰ ج ۵ طبع ملتان - امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ص ۲۸۶ ج ۲ طبع کراچی - فتاوی رشیدیہ رشید احمد گنگوہی ص ۵۵۶ طبع کراچی
اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی ص ۹۵ پروگریسو بکس لاہور

مہر فاطمی کی مقدار

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو مہر مقرر کیا گیا تھا بہت سے لوگ اس کو اتباع سنت سمجھ کر مقرر کرتے ہیں کمی بیشی کو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مہر مقرر کرنا سنت تو ضرور ہے مگر سنت کا انحصار اس پر سمجھ لینا درست نہیں اس لئے کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نکاح ہزار درہم دو ہزار درہم مہر پر کیا ہے اور حضرت فاطمہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سو (۵۰۰) درہم مہر مقرر فرمایا تھا حضرت فاطمہ رض کے مہر کے بارے میں حضرت مفتی رشید احمد نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ پانچ سو (۵۰۰) درہم تھا ایک اور روایت تاریخ الخمیس کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے لیکن پانچ سو درہم والی روایت کو ترجیح دی ہے موجودہ انگریزی حساب سے ایک سو اکتیس (۱۳۱) تولے تین ماشے بنتی ہے چاندی کی قیمت ہر زمانے میں مختلف ہوتی ہے مذکورہ مقدار کے جس زمانہ میں جو قیمت بھی ہوگی وہی مہر فاطمی کہلائیگی حضرت مفتی نظام الدین نے مہر فاطمی کے بارے میں دو (۲) قول نقل کئے ہیں ایک قول ایک سو چالیس (۱۴۰) درہم دوسرا قول ایک سو بتیس (۱۳۲) درہم کا اور دوسرے قول کو ترجیح دی ہے جبکہ حضرت مفتی عبدالرحیم نے ایک سو پچاس (۱۵۰) درہم کو راجح قرار دیا ہے پانچ سو درہم کی قیمت سنہ ۱۹۸۷ء میں پانچ ہزار روپیہ لگائی گئی تھی بہر صورت روایات مختلف کی صورت میں کثیر پر عمل کیا جائے تو احتیاط ہے اور قلت میں سہولت اور آسانی ہے[1]

---

[1] احسن الفتاویٰ مفتی رشید احمد ص ۳۲ ج ۵ طبع ایچ ایم سعید کراچی ۔ جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع ص ۲۴۱ ج ۱ کراچی عزیز الفتاویٰ مفتی عزیز الرحمان ص ۵۵۲ ج ۲ طبع کراچی ۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمان ج ۸ نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین ص ۳۹۵ ج ۱ طبع دیوبند (ہند)
فتاویٰ رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۲۴۶ ج ۲ طبع کراچی ۔ اسلامی فقہ مجیب اللہ ندوی ص ۵۹ ج ۲ پروگریسو لاہور ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۶۳ ج ۱ طبع لاہور

جہیز کی حیثیت

جہیز کے طور پر جو سامان دیا جاتا ہے وہ کس کا ملک شمار ہوگا اس کا مدار علماء کرام نے عُرف کو مقرر کیا ہے جو چیزیں خالصتاً مردوں کی استعمال کی ہیں مثلاً گھڑی وغیرہ تو وہ مردوں ہی کی ہونگی اور جو چیزیں خالصتاً عورتوں کے استعمال کی ہیں تو وہ عورتوں کی ہونگی جیسے زیورات وغیرہ۔ اب رہ گئیں وہ چیزیں جو دونوں کے مابین مشترک ہیں تو ان کا کیا حکم ہوگا تو اس سلسلہ میں علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہیں اگر لڑکی کے والدین نے داماد کو ہبہ کر کے دیئے ہیں تو یہ چیزیں اس کی ہوں گی اور تفریق طلاق وغیرہ کے بعد ان سے واپس نہیں کی جائیں گی۔ مگر آج کل ہمارے عرف میں عمومی طور پر جو سامان لڑکی کے والدین دیتے ہیں وہ اپنی لڑکی کیلئے دیتے ہیں اس لئے جب تک ان کی طرف سے تصریح نہ ہو کہ ہم نے یہ سامان داماد کو ہبہ کر دیئے ہیں اس وقت تک یہ لڑکی کی ملکیت سمجھی جائیگی بہرصورت ایسے سامان کے بارے میں عند العقد اگر تصریح کیجائے تو بہتر ہے ورنہ عرف عام پر فیصلہ کیا جائیگا [1]

---

[1] فتاوٰی دار العلوم دیوبند ص ۳۱۴ ج ۸ طبع ملتان۔ امداد الفتاوٰی ص ۲۹۲ ج ۲ طبع کراچی کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۱۳۱ ج ۵ طبع ملتان۔ جدید فقہی مسائل ص ۱۶۴ ج ۱ طبع لاہور۔

جنسی خواہش کو پورا کرنے کا ایک ناجائز اور غیر شرعی طریقہ

اس وقت جنسی خواہشات کی تکمیل کرنے کا جو طریقے غیر مسلموں نے ایجاد کیئے ہیں اسکو عقل سلیم تسلیم کرے تو یہ دور کی بات ہے لیکن حیوانات بھی اس سے دلالت حالی کے طور پر بیزار نظر آتے ہیں حیوان بھی ایسا فعل نہیں کرتا کہ جو طریقے اہل یورپ نے ایجاد کئے ہیں وہ یہ کہ مرد عضو مخصوص عورت کے منہ میں داخل کرتا ہے اسی طرح مرد اپنی زبان سے عورت کی شرمگاہ کو چوستا ہے یقیناً اس کی قباحت میں کوئی شبہ اور تردد نہیں زبان ایک مبارک چیز ہے اللہ پاک نے کھانے پینے اور ذکر واذکار تلاوت کیلئے عطا فرمائی ہے اس کو اگر کوئی شخص اس طرح ذلیل کر کے استعمال کرتا ہے تو اس سے بڑھکر کونسا ظالم ہوگا ظلم بھی اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کی وضع کو چھوڑ کر اس کو غلط طریقہ پر استعمال کیا جائے اور اس کے غیر محل میں اس کو استعمال کیا جائے اس کے علاوہ ایسے بے حیا اور حیوانیت کے طریقے کفار نے ایجاد کئے ہیں اگر کوئی اسلام کا نام لیوا بھی یہ طریقہ اپناتا ہے تو اس سے کفار کی ناجائز مشن کی تکمیل اور اشاعت ہوگی یقیناً شریعت نے جو طریقہ بتایا ہے اس سے کوئی اور اچھا طریقہ کس کا ہو سکتا ہے بہر صورت ایسے طریقے بالکل غیر فطری اور قریب حرام ہیں جو انسان شرعی طریقے اور فطری طریقہ کو چھوڑے گا وہ حرام میں مبتلا ہو جائیگا اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ جنسی خواہش کو پورا کرنے کا ایک ہی مقام اور وہ ہے قبل عورت کا باقی ہئیت پر بھی اختیار کیجائے درست ہے۔[1]

---

[1] فتاوی رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۲۷۶ ج ۶ طبع کراچی ۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۶۵ طبع لاہور

مصنوعی اعضاء سے جنسی خواہشات کی تکمیل

مصنوعی اعضاء سے استمتاع اور اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں اس سلسلہ میں شریعت نے اصول اور قواعد مقرر کیے ہیں نیز قرآن مجید نے جہاں جنسی خواہشات کو پورا کرنے کا طریقہ بتایا ہے وہاں یہ بھی ہے واتبغوا ما کتب اللہ لکم (البقرۃ) جس میں اشارہ ہے کہ یہ سب کچھ نسل انسانی کے اضافہ کیلئے ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے جو زیادہ بچے جنم دینے والی ہوں تزوجوا الودود الولود[1] حدیث اس بات پر دال ہے اس طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے کہ میں باقی اُمتوں پر تمھاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا معلوم ہوا کہ نکاح سے مقصود شرعاً ولادت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تمام چیزیں جس سے انسان کا مادہ ضائع ہوتا ہو ان سے ممانعت فرمائی ہے مثلاً شرعاً بیوی مرد کیلئے حلال ہے مگر اس میں بھی حکم ہے کہ قبل وطی کیجائے نہ کہ دبر سے اُس میں جہاں تک اور خرابیاں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس صورت میں نسل انسانی میں اضافہ نہیں ہوتا

۲۔ اسی طرح لڑکوں سے جماع کرنا اور لواطت کرنا ناجائز و حرام ہے

۳۔ منی کا کسی اور طریقہ سے مثلاً استکفاف بالید ہاتھ کے ذریعہ سے منی نکالنے سے بھی منع کیا گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اور اس پر جنسی خواہشات غالب آرہی ہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے اس کا جواب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے کہ روزہ رکھا کرو ایک تو جنسی خواہش کا غلبہ سے نجات مل جائیگی دوئم رضائے خدا اور ثواب بھی حاصل ہوگا معلوم ہوا کہ منی کا اخراج کسی اور طریقہ سے جائز نہیں

① مشکوٰۃ ج ۲ ص ۔ کتاب النکاح ۔

اگر اس کی گنجائش ہوتی تو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرماتے اور یہ
نہ بتا دیتے کہ اس کو اندر ہی اندر دبا دو کیونکہ اخراج منی ناجائز طریقہ پر نہ ہو اس میں جو
نقصانات ہیں وہ اندر باقی رکھنے میں نہیں ہیں لہذا قرآن و حدیث کے ان تصریحات
کے ہوتے ہوئے مصنوعی اعضاء کے ذریعہ سے منی نکالنا بالکل جائز نہیں
الاّ یہ کہ بالکل مجبور ہے اور روزہ سے بھی خاص فائدہ نہیں اور زنا میں پڑنے کا قوی
اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں جائز ہے [1]

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۶۵ طبع اردو بازار لاہور

لوپ اور نرودھ کا استعمال

موجودہ دور میں جہاں ولادت سے بچنے کے کئی اور طریقے ایجاد ہوئے ہیں ان میں یہ دو چیزیں بھی ہیں نرودھ وہ جھلی دار ربڑ کی تھیلی جس کو مرد اپنے آلہ مخصوصہ پر پہنا لیتا ہے تاکہ منی عورت کے رحم میں نہ جائے اور لوپ اس جھلی دار ربڑ کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے رحم کے منہ پر ڈال دیتی ہے تاکہ منی کا کوئی قطرہ اندر نہ آنے پائے یہ چیزیں ایجاد کے اعتبار سے نئی ہیں ان کا بعینہٖ حکم متقدمین کی کتابوں میں ملنا تو مشکل ہے مگر انکے نظائر موجود ہیں اور اس کی نظیر عزل ہے عزل اس کو کہتے ہیں کہ مرد اپنے آلہ مخصوصہ کو عورت کے فرج میں داخل کرے اور بوقت خروج منی اسکو باہر نکال کر منی باہر گرادے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کنا نعزل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والقرآن ینزل [1]

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا مقصد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ہے کہ عزل اگر ممنوع ہوتا تو نزول قرآن کا سلسلہ بند نہیں تھا تو اس سلسلہ میں یقیناً کوئی حکم نازل ہو جاتا اور ہمیں اس سے منع کیا جاتا مگر قرآن میں اس قسم کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عزل کرنا جائز ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور شخص کے جواب میں فرماتے ہے

اعزل عنها ان شئت فانه سیأتی ما قدر لها [2]

اگر آپ چاہتے ہے تو عزل کرو مگر تقدیر میں جس اولاد کا ہونا مقرر ہو چکا ہے وہ پیدا ہوگی دوسری وہ روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو ناپسند فرمایا ہے جیسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہے کہ غزوہ بنی مصطلق میں لونڈیاں

---

[1] المنتقی ص ۵۶۱ ج ۲ بحوالہ اسلامی فقہ ص ۲۲۳ ج ۲

[2] اسلامی فقہ ص ۲۲۳/۲۴

ہاتھ آئیں اور عورتوں سے جدا رہتے ہوئے کچھ مدت زیادہ گذر گئی اور لوگوں کو قضائے شہوت کی خواہش ہوئی تو انہوں نے ان لونڈیوں کے بارے میں حضور سے عزل کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ

لا علیکم ان تفعلوا ما کتب اللہ خلق نسمۃ ھی کائنۃ الی یوم القیامۃ الا ھی کائنۃ" ۱

نہیں تمہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیئے اللہ نے جس جان کے پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گا اور اللہ اس کو ضرور پیدا کریگا خلاصہ انیکہ تم یہ ساری تدبیریں کرو ہو سکتا ہے کہ ایک قطرہ رحم میں چلا جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی کسی جان کو پیدا کر سکتا ہے بعض روایتوں میں ہے اوَ انکم تفعلون ①

کیا تم لوگ بھی ایسا کرتے ہو بہر حال اس قسم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے ایک روایت میں ہے حضرت ابو سعید خدری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَانت تخلقہ و ترزقہ ① کیا تو اس کو پیدا کرتا ہے اور اسکو کھلاتا ہے مقصد یہ تھا کہ آپ بچے کی رزق سے ڈرتے ہے حالانکہ روزی رسان آپ کو اور اُنکو تو خدا ہے آپ نہیں ہے بعض روایتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وأد الخفی سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے حضرت جزامہ بنت وھب اُخت عکاشہ سے مروی ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے روایت کی ہے

قالت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اُناس فسئلوہ عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذٰلک الواد الخفی وھی قولہ تعالیٰ واذا الموؤدۃ سُئلت ②

---

۱ رواہ مسلم ج ۲ کتاب النکاح بحوالہ اسلامی فقہ مجیب اللہ ندوی ص ۲۲۲ ج ۲

① اسلامی فقہ ج ۲ ص ۲۲۲ ② بحوالہ اسلامی فقہ ③ اسلامی فقہ ج ۲ ص ۲۲۴

میں چند آدمیوں کیساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خفیہ زندہ درگور کرنا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جب زندہ درگور بچی سے سوال کیا جائیگا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی بہر صورت عزل کے جواز اور عدم جواز دونوں طرف احادیث ہیں امام نوویؒ نے دونوں طرف کے احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہے

العزل ھو ان یجامع فاذا قارب الأنزال نزع وانزل خارج الفرج وھو مکروہ عندنا فی کل حال لانہ طریق الی قطع النسل ولھذا جاء فی الحدیث الآخر تسمیۃ الوأد الخفی لانہ قطع طریق الولادۃ کما یقتل المولود بالوأد [1]

عزل یہ ہے کہ مرد عورت سے مجامعت کرے اور جب انزال کا وقت ہو تو عضو تناسل باہر نکال کر فرج سے باہر منی خارج کرے یہ ہمارے نزدیک مکروہ تحریمی ہے ہر حال میں اس لئے کہ یہ قطع نسل کا ایک طریقہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو دوسری حدیث میں وأد خفی خفیہ زندہ درگور کرنے سے تعبیر کی گئی ہے اس لئے کہ یہ ولادت کے طریق کو قطع کرتا ہے جیسا کہ زندہ درگور کرنے کی وجہ سے بچہ کو قتل کیا جاتا ہے

امام ابن القیمؒ تمام روایات اور فقہاء کرام کی رائیوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

فمن اباحہ مطلقاً احتج بما ذکرنا من الاحادیث الثلاثۃ وبان حق المرأۃ فی ذوق العسیلۃ لافی الأنزال ومن حرم مطلقاً احتج بما رواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث عائشۃ عن جزامہ بنت وھب اخت عکاشۃ قالوا ھذا ناسخ لاخبار الاباحۃ [2]

بعض لوگوں نے عزل کو مباح کہا ہیں اور انہوں نے ان تین احادیث سے استدلال کیا ہیں

---

[1] مسلم شریف مع نووی ص ۴۶۳ ج ۱ بحوالہ اسلامی فقہ ص ۲۲۵ ج ۲
[2] زاد المعاد ص ۱۶ تا ۱۷ ج ۲ بحوالہ اسلامی فقہ مجیب اللہ ندوی ص ۲۲۶ ج ۲

جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور نیز اس بات سے کہ عورت کا حق مرد کیسا تھ وہ لذت یاب ہونے میں نہ کہ انزال میں اور بعض لوگوں نے اس کو مطلقاً حرام کہا ہے انہوں نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو انہوں نے جزامہ بنت وھب عکاشہ کی بہن سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حرمت والی حدیث اباحت والی حدیثوں کو منسوخ کرتی ہے بہر صورت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزل ناجائز اور ناپسندیدہ فعل ہے پھر حضرت جابرؓ کا یہ کہنا کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا اور ہم کو اس سے منع نہیں کیا گیا تو ٹھیک ہے قرآن میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا مگر حدیث قرآن کی تشریح ہے اور قرآن تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور انہوں نے خود اس کو وأدِ خفی سے تعبیر فرمایا ہے بہر صورت خلاصہ اینکہ عزل ناجائز اور مکروہ ہے الّا یہ کہ اس وقت جائز اور مباح ہوگا کہ جب کوئی مجبوری ہو مثلاً اولاد کی کثرت ہے اور انکو سنبھالنا مشکل ہے یا عورت بیمار ہو تو یہ صورت مباح کی بن سکتی ہے لیکن اگر اس نیت سے ہو کہ لڑکی پیدا نہ ہو یا لڑکا ہوگا تو اس کے لئے رزق کہاں سے لائینگے یا بار بار بچہ جنم دینے سے عورت کے حسن وجمال میں فرق آئیگا تو یقیناً یہ نظریات کفار مکہ کے تھے جنکی تردید۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق اور واذا بشر احدھم بالانثی الخ سے کی گئی اب ان نظریات کو لیکر کوئی مسلمان اس پر عمل کرتا ہے تو کہاں جائز ہوسکتا ہے [1]

---

[1] اسلامی فقہ مجیب اللہ ندوی ص ۲۲۶ ج ۲ پروگریسو اردو بازار لاہور
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ص ۲۸۹ ج ۵ طبع ملتان۔ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۶۷ جز و طبع لاہور

نس بندی

ضبط ولادت کی صورتوں میں سے ایک صورت نس بندی کی بھی ہے کہ جس میں آپریشن کے ذریعہ مرد یا عورت کی قوت تولید کو ختم کیا جاتا ہے مگر قوت جماع باقی رہتی ہے جس سے وہ اپنی شہوت تو پوری کر لیتے ہیں صرف بچہ کی پیدائش کی صلاحیت ختم کر دی جاتی ہے یہ صورت بھی خصی کرنے کے مرادف ہے جس کی ممانعت بہت سی احادیث میں وارد ہے خصی ہونا اور عورت سے جدا رہنا شرعاً ناجائز ہے اب ظاہر ہے کہ ہر وہ کام جس کے ذریعہ عورت سے جدائی ہو یا انسان عورت کے حقوق ادا کرنے سے معذور ہو جائے شرعاً ایسے کام کرنا اور کرانا ناجائز ہے اس طرح جیسے انسان خصی ہونے کی صورت میں عورت کا حق ادا نہیں کر سکتا نس بندی کی صورت میں بھی حق ادا نہیں ہو سکتا اس لئے شرعاً نس بندی بھی ناجائز و حرام ہوگی اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عضو کو صحیح سالم بنایا پھر خدا کی نعمت کی ناقدری کر کے اس کو برباد کرنا یقیناً کوئی معقول بات نہیں نس بندی یا خصی کرنے کی اجازت ہوتی تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہوتا جبکہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ میں شادی نہیں کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اعرض عن سنتی فلیس منی۔ معلوم ہوا کہ شادی سنت ہے پھر شادی سے مقصد حصول اولاد ہے جس پر بہت سی احادیث شاہد ہیں مقصد اور غایت کو اس طرح برباد کیا جائے تو پھر شادی کا کیا فائدہ بلکہ اس میں مزید خرابیاں اور فساد کا اندیشہ ہے اس لئے نس بندی ناجائز اور حرام ہے کچھ علماء کرام فرماتے ہیں کہ نس بندی اور خصی کرنے میں فرق ہے اول الذکر میں قوت جماع باقی رہتی ہے صرف قوت تولید کو ختم کیا جاتا ہے برخلاف ثانی کے کہ اس میں دونوں قوتیں ختم کر دی جاتی ہیں مگر صاحب جدید فقہی مسائل اور صاحب اسلامی فقہ اس سے متفق نظر نہیں آتے چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل

فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض غلط ہے اس لئے کہ قوت جماع کا ختم کرنا اور قوت تولید کا ختم کرنا یہ دونوں بجائے خود دو مستقل جرم ہیں فقہاء نے اس سلسلے میں جو اصول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی منفعت کو ختم کر دینا حرام اور موجب دیت ہے چاہے اس کا تعلق جماع سے ہو یا تولید سے علامہ علاؤالدین کاسانیؒ فرماتے ہیں وہ صورتیں جن میں مکمل دیت واجب ہوتی ہے ان میں دو باتوں پر غور کرنا ہے ایک سبب۔ اور دوسرا شرائط۔
دیت کے واجب ہونے کا سبب اس نفع سے مکمل محرومی ہے جو کسی عضو کا مقصود ہوتا ہے نفع کا فقدان اور محروم ہونا دو صورتوں میں ہوگا ایک تو یہ کہ عضو کو جسم سے علیحدہ کیا جائے دوسرے یہ کہ عضو تو باقی رہے لیکن اس سے جو کام لیا جانا مقصود ہو اس کام کے لائق نہ رہے آگے علامہ کاسانیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی زمرے میں: یہ صورت بھی آتی ہے کہ کسی کا آلہ تناسل تو باقی رہے مگر توالد و تناسل کی قوت برباد کر دی جائے یہ جزئیہ مروجہ نس بندی پر پوری طرح صادق آتا ہے غرض یہ ہے کہ نس بندی کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔[1]

---

[1] جدید فقہی مسائل ص ۱۷۳ طبع اردو بازار لاہور۔ اسلامی فقہ مجیب اللہ ندوی ص ۲۲۱ تا ۲۲۲ طبع پروگریسو بکس لاہور نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین ص ۳۷۷ ج ۱ طبع دیوبند۔ فتاویٰ رحیمیہ مفتی عبدالرحیم ص ۲۳۵ ج ۲ طبع کراچی

فطری ضبط تولید

موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حیض کے بند ہونے کے بعد کچھ ایام ایسے ہیں جن میں عورتوں کو حمل نہیں ٹھہرتا کسی مصنوعی ذریعہ کی کوئی ضرورت نہیں اب ان دنوں میں کوئی شخص اپنی بیوی سے اپنی خواہشات کو پورا کرتا ہے اور جن ایام میں حمل ٹھہرنے کا امکان ہے اس میں وہ بیوی کے قریب نہیں جاتا

آیا یہ طریقہ بھی ضبط تولید شمار ہو گا یا نہیں بظاہر شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں کہ کوئی شخص کچھ ایام میں اپنی بیوی کے قریب جائے اور کچھ دن نہ جائے لیکن اگر اس طریقہ کار سے اس کا مقصد یہ ہے کہ ان ایام کو اختیار کر کے اولاد کی کثرت سے حفاظت ہوگی ورنہ تو اولاد کثرت سے پیدا ہوں گی تو ان کی روزی کا مسئلہ ہے تو پھر یہ ناجائز ہو گا گو کہ یہ جرم مصنوعی ضبط تولید سے کم درجہ کا ہے مگر پھر بھی شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں۔[1]

---

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۷۳ تا ۱۷۴ طبع لاہور

نشہ آور دواؤں کے بعد طلاق

نشہ آور دوائیں اگر بغیر علم کھالیں تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر علم تھا لیکن بطور دواء استعمال کی اور اس کے علاوہ علاج کیلئے کوئی اور دواء وغیرہ مفید اور کار آمد نہیں پھر نشہ آگیا اگر ایسی حالت میں طلاق دی تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر نشہ آور دواء کا علم تھا بطور علاج کے نہیں بلکہ لہو ولعب اور نشہ وغیرہ کیلئے استعمال کی تو اس سے بطور زجر و توبیخ کے طلاق پڑ جائیگی اس لئے کہ نشہ آور شئی کا استعمال شرعاً اس کے لئے جائز نہیں تھا لہذا اگر طلاق دی ہے تو طلاق پڑ جائیگی چنانچہ شیخ عبد الرشید بخاری لکھتے ہے

ذکر عبد العزیز الترمذی قال سئلتُ اباحنیفہ وسفیان عن رجلٍ شرب البنج فارتفع الی رأسہ فطلق امرأتہ قال ان کان حین یشرب یعلم انہ ما ھی فھی طالق وان لم یعلم لم تطلق ولو ذھب عقلہ من دواء لا تطلق [1]

عبد العزیز ترمذی نے ذکر کیا کہ میں نے امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری سے بھنگ کے بارے میں پوچھا کہ کوئی شخص پی لیتا ہے اور اس کا اثر اس کے دماغ تک پہنچ جاتا ہے وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا طلاق پڑ جائیگی ان حضرات نے جواب دیا کہ اگر اسکو علم ہے کہ یہ کیا ہے پھر بھی پیا ہے تو طلاق پڑ جائیگی اور اگر اس سے واقف نہ تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر کسی دواء کی وجہ سے عقل چلی گئی تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی = اس سے ان دواؤں کے بارے میں بھی معلوم ہوگیا کہ جن میں الکحل ملا ہوا ہوتا ہے اور نشہ آور ہوتی ہیں [2]

---

[1] خلاصۃ الفتاوی ص ۵۷ ج ۲ بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۱۷۴ طبع لاہور
[2] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۷۴ طبع لاہور

طلاق بذریعہ ٹیلیفون یا ٹیلیگرام

اس عنوان کے تحت دو چیزیں ہیں ۱۔ وقوع طلاق ۲۔ ثبوت طلاق

① وقوع طلاق کیلئے یہ حکم ہے کہ طلاق چاہے تقریری ہو یا تحریری ہو یا ٹیلیفون پر ہو یا ٹیلیگرام سے ہو اگر شوہر اس کا اقرار کرتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ وقوع طلاق کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی بیوی کا حاضر ہونا ضروری ہے

② دوسری چیز ثبوت طلاق ہے اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی اور اس کے بعد وہ طلاق کا انکار کرتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس شخص نے طلاق دی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات پر یعنی اسکے طلاق دینے پر دو گواہ پیش کرے تب تو اس کی بات مانی جائیگی اگر یہ صرف اپنے دعویٰ میں ٹیلیگرام یا ٹیلیفون کی شہادت پیش کرے تو شرعاً اس کا یہ دعویٰ ثابت نہ ہوگا اور قاضی اس پر فیصلہ کبھی نہیں دے سکتا اگرچہ فی الواقع اس شخص نے بیوی کو طلاق دی بھی ہو وہ عند اللہ مجرم ہوگا اور بیوی سے جتنی ہمبستری کرے گا وہ سب زنا شمار ہونگے لیکن بیوی کیلئے پھر بھی جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے حوالہ کرے ۔[1]

---

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۷۵ طبع اردو بازار لاہور

زیبائش و آرائش

آٹھواں باب

زیبائش وآرائش کے جدید مسائل

خضابی کنگھی اور پینٹ کا استعمال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کے لئے خضاب کے استعمال کو پسند فرمایا ہے لیکن احادیث اور فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص سیاہ خضاب استعمال کرنا درست نہیں

البتہ دوسری قسم کے جیسے زرد، سرخ، سبز، وغیرہ انکا خضاب لگانا درست ہے وہ بھی سر کے بالوں اور داڑھی کے بالوں پر لگانا درست ہے جبکہ عورتیں ہاتھ اور پاوں پر لگا سکتی ہیں اور مرد کے لئے کسی قسم کا رنگ اور سرخی کریم وغیرہ جو رنگ دار ہو ہاتھ پاؤں منہ وغیرہ کے لئے درست نہیں کیونکہ رنگ دار زینت عورت کے لئے ہے اگر مرد استعمال کریگا تو عورت کے ساتھ مشابہت ہوگی یہی وجہ ہے کہ بچّہ کے ہاتھ پاوں پر بھی مہندی لگانا مکروہ ہے البتہ اگر ضرورت کے تحت استعمال کیجائے تو گنجائش ہے

جہاں تک مسئلہ کنگھی کا ہے اگر کنگھی کرنے سے بالوں پر خضابی رنگ لگتا ہے تو پھر درست نہیں اگر رنگ اترتا نہیں ہے مضبوط لگا ہوا ہے

تو اس صورت میں کنگھی چاہے جس رنگ کا ہو استعمال کرنا درست ہے (۱)

(۱) فتاوی رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی ص ۵۵ طبع کراچی
امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۴ ص ۲۱۵ طبع دار العلوم کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۶۷ طبع لاہور

مصنوعی بالوں کا استعمال

اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے کسی انسان کے بالوں کو جوڑنا چاہے سردی وغیرہ سے بچاؤ کے لئے ہو یا محض زینت کے لئے بہر گونہ ناجائز ہے اس لئے کہ انسان محترم اور قابل تکریم ہے جیسے انسان کے اعضاء کو فروخت اور استعمال کرنا درست نہیں اسی طرح انسان کے بالوں کا حکم ہے

البتہ انسان کے علاوہ اور چیزوں کے بال یا دھاگہ وغیرہ عورت کے لئے استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ خنزیر کے بال نہ ہوں باقی یہ بھی اس صورت میں جبکہ سر گنجا ہو یا سردی وغیرہ سے بچاؤ کے لئے محض عوام کو دھوکہ دینا مقصود نہ ہو

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے وصل الشعر بشعر الآدمی حرام" سواء کان شعرھا او شعر غیرھا کذا فی الاختیار شرح المختار ولا بأس للمرءۃ ان تجعل فی قرونہا وذوائبہا شیئاً من الوبر کذا فی فتاویٰ قاضی خان[1]

بالوں کے ساتھ آدمی کا بال جوڑنا حرام ہے چاہے خود اس کے علیحدہ شدہ بال ہوں، یا دوسری خاتون کے ہوں۔ ہاں عورتوں کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے جوڑوں میں جانوروں کے بال کا کچھ حصہ رکھ لیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ آخری مرتبہ مدینہ تشریف لائے اور خطاب فرمایا اسی درمیان میں بالوں کا گچھا نکلا اور فرمایا میں سمجھتا ہوں یہودیوں کے سوا کوئی اور ایسی حرکت نہیں کر سکتا

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۸ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بالوں کے
فیشن کو فریب اور دھوکہ قرار دیا ہے یہاں تک
کہ بعض ایسی نوجوان لڑکیوں کے بارے میں آپ سے اجازت
چاہی گئی جنکی نئی شادی ہونیوالی تھی اور بیماری کی وجہ سے
ان کے سر کے بال گرگئے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی
سختی سے منع فرمایا
ہاں اگر دھاگہ یا کپڑوں کا استعمال اس کے لئے
کیا جائے تو جائز ہے (۱)

بنا عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدر الحسن القاسمی ص ۱۱۸
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۱۴ طبع دیوبند۔
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۹۶ طبع لاہور پاکستان

بھویں باریک کرنا

بھویں نوچ کر کے نکالنا یا ان کو باریک کرنا فیشن کی غرض سے
جائز نہیں بلکہ حرام ہے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الواشمات والمستوشمات والمتنمصات ع۱
گودنے اور گدوانے والی عورتوں پر اور بالوں کو اکھاڑنے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہے
ابن عابدین شامیؒ ولعلہ محمول علی ما اذا فعلتہ لتتزین للاجانب والا فلو کان فی وجہہا شعر
ینفر زوجہا بسببہ ففی تحریم ازالتہ بعد لان الزینۃ للنساء مطلوبۃ الا ان یحمل علی مالا ضرورۃ الیہ ع۲ اھ
یعنی یہ نہی محمول ہے اس صورت پر جبکہ عورت اپنے بال نوچتی ہے
اجانب کے سامنے فیشن کو ظاہر کرنے کے لئے اس صورت میں جائز نہیں باقی اگر عورت کے چہرے پر
بال نکل گئے ہیں اور ان کی وجہ سے شوہر اس سے نفرت کرتا ہے تو ان کے دور کرنے کو ناجائز
سمجھنا یہ بعید ہے اس لئے کہ عورتوں کے لئے تو زیب و زینت اختیار کرنا پسندیدہ ہے
ہاں جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو تو صحیح نہیں بہر صورت بغل اور زیر ناف کے علاوہ باقی بالوں کو
اکھاڑنا عورت کے لئے جائز نہیں البتہ چہرے کے بال اس سے مستثنیٰ ہے
بسا اوقات عورت کی داڑھی بھی نکلتی ہے تو اسکو صاف کرنا عورت کے لئے جائز ہے
باقی بھویں باریک کرنا یا انکو اکھاڑنا
جبکہ ان کی وجہ سے شوہر کو نفرت بھی نہیں آتی اسلئے یہ ناجائز ہے

ع۱ نسائی شریف ج ۲ ص ۲۸۰ مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۳۸۲
ع۲ فتاوی شامی ج ۵ ص ۲۳۹
ع۳ جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۶۹ طبع لاہور

اضافہ حسن کے لئے سرجری

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ جسم اللہ تعالیٰ کا ملک ہے انسان کو اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کی گنجائش نہیں اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی بال لگانے اور دانتوں کے اندر فصل پیدا کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے محض فیشن اور زینت کے لئے انسان کو اپنے جسم میں سرجری اور آپریشن کرانے کی قطعاً اجازت نہ ہوگی

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ (۱)

اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اپنا جسم گودتی ہیں اور وہ عورتیں جو گدواتی ہیں اور وہ عورتیں جو بال اکھاڑتی ہیں اور وہ عورتیں جو اپنے دانتوں میں فصل پیدا کرتی ہیں اضافہ حسن کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی خلقت اور بناوٹ میں تبدیلی کرتی ہیں

حدیث مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ اضافہ حسن کے لئے اپنے جسم کو پھاڑنا اور چیرنا شرعاً اسکی اجازت نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سوئی وغیرہ سے زخم کرکے اسمیں رنگ بھر دیا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی

اس سے معلوم ہوا کہ اضافہ حسن کے لئے جسم میں قطع و برید کی قطعاً اجازت نہیں دوسری بات یہ کہ موجودہ دور میں پستانوں کا بھی عورتیں آپریشن کراتی ہیں ظاہر ہے کہ جب پستانوں کا آپریشن ہوگا تو ڈاکٹرز حضرات جو کہ اجانب ہیں انکی نظر غیر محرم عورتوں پر پڑیگی جو کہ نہ ڈاکٹر کے لئے نہ ان عورتوں کے لئے جائز ہیں

(۱) مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۳۸۱

نسائی شریف ج ۲ ص ۲۸۰

اس لئے کہ اجنبی اور غیر محرم ڈاکٹر سے علاج کرانا ضرورت کے تحت جائز ہے
اور یہاں پر کونسی ضرورت ہے البتہ فقہاء کرام نے لکھا ہیں کہ انسان کے جسم میں کوئی
ایسا عضو زائد ہو کہ عام انسانوں میں وہ نہیں ہے اور اسکو آپریشن کرانے سے
نقصان اور ہلاکت کا اندیشہ بھی نہیں ہے تو پھر ایسے شخص کو اجازت ہے
کہ وہ آپریشن کرائے

مثلاً کسی کی چھ انگلیاں ہیں

اذا اراد الرجل ان یقطع اصبعاً زائدۃ او شیئاً آخر ان کان الغالب علی من قطع مثل ذلک الھلاک فانہ لایفعل ذلک وان کان الغالب ھو النجاۃ فھو فی سعۃ من ذلک (۱)

جو کوئی شخص زائد انگلی یا کوئی اور چیز کاٹنا چاہے
اگر غالب امکان یہ ہے کہ اسکے کاٹنے سے ہلاکت ہوگی
تو ایسا نہ کرے اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ صحت ہوگی تو پھر اسکو گنجائش ہے

بہر صورت اضافہ حسن کے لئے سرجری کرانا اسکی کیا ضرورت ہے اسلئے
اسکی اجازت شرعاً نہیں ہے (۲)

(۱) عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۰ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۷۹ طبع لاہور

بالوں کی صفائی کے لئے کریم کا استعمال

شریعت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ مطلق ہے کہ انسان کو اپنے جسم
کے زائد بال جیسے بغلوں کے بال اور زیر ناف انکو صاف کرنا ہے اس کے لئے یہ تعیین شرعًا نہیں ہے
کہ کسی چیز سے انکو صاف کیا جائے بلکہ مقصود صفائی ہے وہ جس چیز سے بھی حاصل ہو جائے
جائز ہے لہٰذا چاہے صابن ہو یا پاؤڈر وغیرہ
انکا استعمال شرعًا درست ہے
لیکن صاحب فتح الرحمانی نے لکھا ہے فَاِنْ اَزَالَ شعرہ بغیر الحدید لایکون علیٰ وجہ السنۃ ؏۱
اگر لوہے کے بغیر کسی اور چیز سے بالوں کو صاف کیا
تو یہ طریقہ سنت شمار نہ ہوگا
بہر صورت اصل مقصد شرعًا وہ صفائی ہے
چاہے استرہ سے ہو یا کسی اور چیز سے
اسکو استعمال کرنا درست ہے ؏۲

؏۱ فتح الرحمانی ج ۲ ص ۲۰۴

؏۲ امداد الفتاوٰی اشرف علی تھانوی ج ۴ ص ۲۱۰ طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۴۰ طبع لاہور

ائیر رنگ نتھ وغیرہ کا شرعی حکم

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ائیر رنگ نتھ وغیرہ کا استعمال عورتوں کے لئے جائز نہ ہو
اسلئے کہ جسم کو پھاڑا جاتا ہے اور سوراخ کیا جاتا ہے لیکن فقہاء کرام اسکی اجازت دیتے ہیں
اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو نہیں تھی
اسلئے قرآن وسنت میں صراحتًا اسکا حکم نہیں ہے جبکہ صاحب فتح الرحمانی کی
رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی عورتیں اس طرح اپنے کانوں کو سوراخ کرکے
بالیاں ڈالتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بھی ہوا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مباح ہے بہر صورت فقہاء کرام نے اسکی اجازت دی ہیں کہ بچیوں کے کان
اور ناک میں ائیر رنگ اور نتھ وغیرہ کے لئے سوراخ کیا جائے

خلاصۃ الفتاوی میں ہے، ولا بأس بثقب اذن الطفل من البنات (۱)
بچیوں کے کانوں میں سوراخ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، عالمگیری میں ہے ولا بأس بتعلیق الخرز
من شعورهن من صفرٍ أو نحاسٍ او حديدٍ ونحوها للزينة (۲)
عورتوں کے لئے از راہ زینت اپنے بال پر پیتل تانبے لوہے وغیرہ کے چھلے لگانے میں کوئی حرج نہیں
عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ائیر رنگ نتھ وغیرہ کا پہننا درست ہے فتاوی رشیدیہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ
علماء کرام نے اس میں کلام کیا ہیں مگر پھر بھی جائز ہے اور صاحب امداد الفتاوی نے لکھا ہے کہ
احتیاط کیا جائے اگر پہن لیا ہے تو اس میں گنجائش ہے (۳)

(۱) خلاصۃ الفتاوی امام طاہر بخاری ج ۴ ص ۳۷۷
(۲) عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۹ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ
(۳) فتاوی رشیدیہ رشید احمد گنگوہی ص ۸۷۹ ؛ امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۲۵

گھڑی کونسے ہاتھ پر باندھی جائے

احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے گھڑی چونکہ نئی ایجاد ہے
اسلئے اسکی صراحت کہیں بھی نہیں ہے اسلئے گھڑی کے سلسلے میں کوئی ہاتھ باندھنے کے لئے متعین نہیں
کیا جائے گا بلکہ جس میں آسانی ہو اور جس ہاتھ میں اسکے محفوظ رہنے کا زیادہ تر امکان ہو اسی میں پہن سکتا ہے
اس لئے کہ احادیث میں انگوٹھی کا ثبوت دونوں ہاتھوں میں ہے کما ذکر فی حاشیۃ البخاری (۱)
پھر افضل اور غیر افضل کی بات ہے جبکہ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے
کہ گھڑی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کی انگوٹھی پر نقش تھا۔ اللہ۔ رسول۔ محمد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے
یحب التیامن فی طھورہ
ہر پاکیزہ چیز کے لئے دائیں ہاتھ کو پسند اور استعمال فرماتے تھے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر اللہ کا نام تھا اسکا تقاضا یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہنی جائے
یہی وجہ ہے کہ لکھا ہے اکثر دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے
جبکہ گھڑی پر اللہ کا نام بالکل نہیں ہے اسلئے اسکو دونوں ہاتھوں پر باندھنا جائز ہوگا
البتہ گھڑی قابل انتفاع اور طاہر چیز ہے
تو بہتر اور افضل یہی ہے کہ اسکو دائیں ہاتھ پر باندھا جائے (۲)

(۱) بخاری شریف ج ۲ ص ۸۷۳ طبع کراچی

(۲) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۸۱ طبع لاہور

سونے کی قلعی شدہ گھڑی اور بٹن وغیرہ کے احکام

سونے اور چاندی سے قلعی شدہ گھڑی وغیرہ کا استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز ہے
اس لئے کہ اس پانی کا اعتبار نہیں ہے وہ ایک عرض ہے
انکی حیثیت تابع کی ہے اور انکا کوئی وجود نہیں۔ بخلاف اس کے کہ اگر
سونے اور چاندی کی پتلی پتلی پتریاں ہوں اور وہ چڑھی ہوئی ہوں تو اسکا استعمال کرنا جائز نہیں ہے
ولا بأس بتموية السلاح بالذهب والفضة كذا في السراجية ع (1)
ہتیاروں پر سونا اور چاندی کا پانی
چڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں
بہرحال صرف سونے اور چاندی کے پانی
سے قلعی کی ہوئی چیز استعمال کرنا جائز ہے
چاہے گھڑی ہو یا بٹن وغیرہ
واللہ اعلم بالصواب۔ ع (2)

ع (1) عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۵ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

ع (2) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۸۲ طبع لاہور

سونے اور چاندی کے بٹن

سونے اور چاندی کے سلسلہ میں احادیث اور کتب فقہ کی عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سونا مرد کے لئے ناجائز وحرام ہے
چاندی کی انگوٹھی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے سونا عورت کے لئے اگرچہ جائز ہے مگر وہ بھی زیور کی استعمال کی حد تک۔ اسکے برتن وغیرہ کا استعمال مرد اور عورت دونوں کے لئے ناجائز اور حرام ہیں
اسی طرح سونے اور چاندی کے دانت بھی بوجہ شدید مجبوری کی صورت میں علماء نے اجازت لکھی ہیں چنانچہ بذل المجہود میں ہے وکذا حکم الانسان فانہ یثبت ھذا الحکم فیھا بالمقایسۃ سواء ربطھا بخیط الذھب او صنعھا بالذھب (1)
دانتوں کا یہی حکم ہے چاہے انکو سونے کے تار سے باندھا ہے یا مستقل سونے کا بنوایا ہے
معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت سونے کا دانت بنواسکتے ہیں اور یہ جائز ہے باقی سونے اور چاندی کے برتن مرد اور عورت دونوں کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہے
سونے کی انگوٹھی مرد کے لئے ناجائز اور حرام ہے تو سونے کی گھڑی اور بٹن بھی ناجائز ہونگے جبکہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بعض فقہاء کرام کی رائے نقل فرمائی ہے کہ وہ

سونے کے بٹن وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ عالمگیری کے حوالے سے نقل فرمایا ہے ولا بأس بازار الدیباج والذھب (2) ریشم اور سونے کی گھنڈیوں میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن پھر مصنف نے اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے کہ میں سونے کے بٹن کو ناجائز سمجھتا ہوں

(1) بذل المجہود خلیل احمد سہارنپوری ج ۵ ص ۸۷ طبع قاسمیہ ملتان
(2) عالمگیری ج ۴ ص ۱۰۰ کتاب الکراہیۃ ، بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۱۸۲

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ فقہاء کرام جن بٹنوں کو جائز قرار دیتے ہیں وہ وہی بٹن ہیں جو کہ قمیص سے جدا نہ ہو سکیں اور آج کل مروّجہ بٹنوں کی حیثیت بالکل الگ ہیں اور یہ بٹن قمیص سے بآسانی جدا ہو سکتے ہیں اسلئے یہ ناجائز ہے (۱)

اور سونے کی گھڑی کا ناجائز ہونا تو اس میں کوئی تردّد ہی نہیں جبکہ صاحب فتاویٰ رشیدیہ نے بٹن کو جائز لکھا ہے (۲)

فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حکم سونے کا ہے وہی حکم چاندی کا ہے لہٰذا چاندی وغیرہ کے بٹن استعمال کرنا بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا جب کہ حضرت مفتی کفایت اللہ نے لکھا ہے کہ میں اسکو مباح سمجھتا ہوں (۳)

نیز صاحب جدید فقہی مسائل کی یہ بھی رائے ہے کہ اگر گھڑی کے اندر مشین اور دیگر کوئی پرزہ سونے کا بنا ہوا ہو اور اوپر کا کیس لوہے کا ہو تو جائز ہے چنانچہ انہوں نے اسکو سونے اور چاندی کے میخوں پر قیاس کیا ہے جبکہ سابقہ عبارات فتاویٰ کی جو گزری ہیں

اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ عام علماء کرام اس سے متفق نظر نہیں آتے۔

(۱) امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۲۹ طبع کراچی
کفایت المفتی ج ۹ ص ۱۵۰ طبع ملتان
فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۲۶۷ طبع کراچی

(۲) فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷۳ طبع کراچی

(۳) کفایت المفتی ج ۹ ص ۱۵۶ طبع ملتان

سونے اور چاندی کے قلم

آج کل

آج کل تعیشات کا زمانہ ہے اس قسم کے قلم بھی بنائے گئے ہیں
جو کہ مکمل سونا یا چاندی ہیں اس قسم کے قلم سے لکھنے کو علماء کرام
مکروہ تحریمی شمار کرتے ہیں چاہے پورا
قلم سونے اور چاندی سے بنا ہوا ہو یا صرف اسکا نب
لیکن سونا اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتیں غالب ہیں
اور سونا اور چاندی تابع کی حیثیت میں ہیں تو جائز ہے
عالمگیری میں ہے ویکرہ للذکر والانثیٰ الکتابۃ بالقلم المتخذ
من الذھب او الفضۃ او من دواۃ کذلک (1)
سونا اور چاندی سے بنا ہوا قلم سے لکھنا مکروہ ہے مرد اور عورت دونوں کے لئے
بہر حال ایسی تعیشات کو علماء پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے (2)

(1) فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۴ طبع کوئٹہ
(2) امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۳۶ طبع کراچی
امداد المفتین ص ۹۸۲ طبع کراچی

اسٹیل وغیرہ کے برتن

سونے اور چاندی کے علاوہ جو برتن ہیں انکو استعمال کرنا جائز ہے
بعض اوقات کوئی خارجی عارض آجانے کی وجہ سے اس برتن کا استعمال
ممنوع ہو جاتا ہے جیسے کہ ابتداء زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا جن میں لوگ شراب پیتے تھے تاکہ
ان برتنوں کے استعمال کے وقت ان کا ذہن شراب کی طرف نہ جائے
مقصد اس سے انکے دلوں میں شراب کی نفرت کو زیادہ سے زیادہ طریقہ
پر بٹھانا مقصود تھا جب یہ مقصد پورا ہو گیا پھر اجازت دے دی گئی
لہذا سونا اور چاندی کے علاوہ کے جو برتن ہیں انکا استعمال جائز ہے
فتاوی شامی میں ہے واما الآنية من غير الفضة والذهب فلا بأس بالأكل
والشرب فيها والانتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين (۱)
سونے اور چاندی کے علاوہ دوسرے برتنوں میں کھانے پینے اور اس سے نفع اٹھانے میں کوئی
مضائقہ نہیں جیسے لوہا، پیتل، تانبا، سیسہ، لکڑی، اور مٹی
یہاں تک کہ سونا اور چاندی کا پانی بھی اگر برتن پر چڑھایا ہوا ہے تب بھی اس کا استعمال درست ہے
بشرطیکہ اسکے منہ لگانے کی نوبت نہ آئے (۲)۔ ولا بأس بالأكل والشرب من اناء مذهب مفضض اذا لم
يضع فاه على الذهب والفضة۔ ایسے برتن میں کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں جس پر سونا اور چاندی کی قلعی ہو بشرطیکہ اسکے منہ لگانے کی نوبت نہ آئے۔

(۱) رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۸ طبع بیروت

(۲) امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۲۱ طبع کراچی ۔ کفایت المفتی ج ۹ ص ۱۶۹ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل ص ۲۴۲ طبع لاہور

اسماء الٰہی اور قرآنی آیات کے تمغے

اللہ تعالیٰ کا نام پاک چیزوں پر لکھنا فی نفسہٖ جائز ہے لیکن بشرطیکہ نیت درست ہو اگر یہ نیت ہے کہ باری تعالیٰ کے اسماء اور صفات کو لکھ کر اس طرح پھینک دیا جائے تاکہ انکی اہانت اور توہین ہو جائے تو یقیناً ایسی صورت میں اسکی گنجائش نہ ہو گی

اور اگر نیت اچھی ہے کہ بجائے غلط کلمات کے اچھے کلمات لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے اور یہ کہ اللہ کے نام کی عظمت مقصود ہو تو بیشک یہ جائز بلکہ افضل ہے

موجودہ دور میں تقریباً تمغے وغیرہ اعزاز کے طور پر دیئے جاتے ہیں اور اکثر انکی حفاظت ہوتی ہے اور انکو محفوظ رکھا جاتا ہے روندا نہیں جاتا اسلئے جائز ہیں البتہ اکثر بے وضو کی حالت میں ہاتھ لگ جاتا ہے اس سے اجتناب کیا جائے خصوصاً قرآنی آیات سے اجتناب کیا جائے

چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے اتخذ خاتم فضۃ وجل فضۃ من عقیق وفیروز او یاقوت ونقش علیہ اسمہ او اسما من اسماء اللہ تعالیٰ لا بأس بہ۔ ع(۱)

چاندی کی انگوٹھی بنائے اور اسکا نگینہ عقیق فیروزہ یا یاقوت کا ہو اور اس پر خود اسکا یا اللہ تعالیٰ کا نام نقش ہو تو کوئی حرج نہیں

لیکن بعض علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ قرآنی آیات تمغوں پر مناسب نہیں اگر لکھ دیئے جائیں تو آیات تامہ نہ لکھے جائیں بلکہ آدھی آیت۔ ع(۲)

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ طاہر بخاری ج ۴ ص ۳۷۰ بحوالہ جدید فقہی مسائل،
(۲) جدید فقہی مسائل ص ۱۸۵ طبع لاہور

خوراک و پوشاک

نواں باب

خوراک و پوشاک کے جدید مسائل

وہیل مچھلی کا حکم

اس مسئلہ میں اتنی بات تو قدر مشترک ہے کہ جو جانور مچھلی ہے اسکو بغیر ذبح کئے کھانا حلال ہے اور جو جانور مچھلی نہیں ہے بلکہ صرف مچھلی کی مانند ہے تو وہ اگر حلال جانوروں کی اقسام میں سے ہے تو اسکو ذبح کئے بغیر استعمال میں لانا جائز نہیں مثلاً جیسے ریگ ماہی کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ وہ ہوام ارض میں سے ہے اسکو صرف مچھلی کے ساتھ معمولی تشبہ ہے اس تشبہ کی بناء پر اسکو مچھلی تعبیر کرتے ہیں حقیقت میں وہ مچھلی نہیں ہے اسلئے اسکا کھانا جائز نہیں
ریگ ماہی کو سقنقور بھی کہتے ہیں

اختلاف وہیل مچھلی کے بارے میں ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں صاحب فیروز اللغات نے لکھا ہے کہ یہ ایک بحری جانور ہے مچھلی کی مانند ہے اور دودھ دیتا ہے (1) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مچھلی نہیں ہے لہٰذا اسکو حلال نہیں ہونا چاہیئے
جبکہ دوسری قوی اور مضبوط رائے یہ ہے کہ یہ مچھلی ہے اسکو حوت البال اور جبل البحر بھی کہتے ہیں

انگریزی قدیم میں اسکو وہال کہتے تھے اور جرمنی زبان میں اس کا نام وال ہے اس جرمنی لفظ وال کو معرب بناکر اس سے عربوں نے اسکا نام بال رکھدیا علامہ دمیری نے لکھا ہے۔ البال سمكة فی البحر یبلغ طولها خمسین ذراعا یقال لها العنبر (2)

(1) فیروز اللغات مولوی فیروز الدین فیروز سنز لاہور ص ۱۴۱۷

(2) حیوۃ الحیوان للدمیری ج ۱ ص ۹۸ بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۱۸۶

بال (وہیل) مچھلی ہے سمندر میں پائی جاتی ہے جسکی لمبائی پچاس ۵۰ ہاتھ ہے اسکو عنبر بھی کہا جاتا ہے پس جبکہ یہ مچھلی ہے تو حنفی مذہب میں اسکی حلت میں کوئی شبہ بھی نہیں حنفیہ کے مذہب میں جو جانور مچھلی ہو وہ حلال ہے چاہے جس بھی شکل کا ہو

اس عظیم الجثہ مچھلی کے بارے میں احادیث میں صراحت موجود ہے کہ یہ مچھلی ہے اور حلال ہے چنانچہ احادیث میں واقعہ ہے کہ حضرت ابوعبیدۃ بن جراح کی سرکردگی میں تین ۳ سو کی ایک جماعت صحابہ کی تھی ایک ایسے مقام پر یہ لوگ پہنچے کہ وہاں پر خورد و نوش کا کوئی انتظام نہیں تھا جو زادِ راہ صحابہ کرام لیکر گئے تھے

وہ قریب الختم تھا امیر العسکر تھا حضرت ابوعبیدہ نے حکم دیا جسکے کے پاس جو کچھ ہو وہ لاکر جمع کردے سب سے لیکر جو توشہ جمع کیا گیا

وہ صرف دو تھیلے کھجوروں کا تھا اس میں سے فی کس روزانہ ایک کھجور امیر العسکر تقسیم فرماتے تھے یہ توشہ بھی ختم ہوگیا

تو درختوں کے پتے کھاکر گزارہ کرنا پڑتا تھا ایک روز دیکھا کہ سمندر کے کنارہ ایک بہت بڑا جانور مرا پڑا ہے دور سے تو وہ ایک چھوٹا سا پہاڑ معلوم ہوتا تھا قریب جاکر دیکھا تو معلوم ہوگیا کہ وہ ایک مچھلی ہے جسے عنبر کہا جاتا ہے لہذا ہم نے اس سے اٹھارہ ۱۸ دن خوب کھایا جب واپس مدینہ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا آپ نے فرمایا کہ یہ ایک رزق تھا اللہ پاک نے اپنی طرف سے تمہارے لئے نکالا تھا کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ تو صحابہ نے گوشت میں سے تھوڑا سا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے تناول فرمایا یہ مچھلی اتنی بڑی تھی حضرت ابوعبیدہ فرماتے ہے کہ اسکے دو ہڈیاں پسلی کے لیکر قینچی بنائی گئی اور کھڑی کردی گئی (۱)

سب سے طویل القامت شخص کو لیکر اونٹ پر سوار کرکے اسکے نیچے سے گزارا تو سوار کا سر قینچی سے نہیں لگا

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۸۶، ۱۸۷ طبع لاہور، کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۲۱/۱۲۲

میز و کرسی پر کھانا

اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تواضع اختیار کرتے تھے حتیٰ کہ کھانا بھی جب کھاتے تھے اس وقت بھی تواضع کی صورت اختیار کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے بیٹھنے کی کوشش نہ کرتے تھے کہ جسمیں کھانا زیادہ کھایا جائے یا جسمیں تکبر کا شبہ ہو.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعینہ میز و کرسی تو نہیں تھے کہ حدیث میں اس کا ذکر ہو لیکن اس کی مانند ایک صورت کا بیان بخاری اور اسکی شرح سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ کھانا کھاتے وقت کھانے کو کسی اونچی چیز پر نہ رکھتے تھے کہ جس سے جھکنا نہ پڑے اسلئے کہ یہ متکبرین کی نشانی ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے بیٹھ کر دستر خوان بچھا کر کھاتے تھے اسلئے یہی طریقہ سب سے افضل اور سنت طریقہ ہے.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے. ما اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خوان ولا فی سکرجۃ قیل لقتادۃ علی ما یأکلون قال علی السفر الخ (1)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکی (چھوٹے تخت) پر نہ کھایا نہ کبھی طشتری میں قتادہ سے پوچھا گیا کہ لوگ کس چیز پر کھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ دستر خوان پر

بہر حال اس زمانے میں میز و کرسی پر کھانا چونکہ عام ہو گیا ہے کفار کا خاص شعار نہیں رہا اسلئے اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو گنجائش ہے لیکن اگر تکبر کی نیت ہے تو اس میں کراہت آجائیگی بلکہ حرام ہوگا جبکہ صاحب فتاوی رحیمیہ اور صاحب امداد الفتاوی نے کفار کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ممنوع لکھا ہے.

لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت اس میں ابتلاء عام ہے اس لئے اس میں ایسی سختی سے کام نہ لیا جائے تو بہتر ہے (2)

(1) بخاری شریف ج ۲ ص ۸۱۱ طبع کراچی

(2) امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۴ ص ۲۷۵ طبع کراچی = فتاوی رحیمیہ مفتی عبد الرحیم ج ۶ ص ۴۳۰/۴۴ طبع کراچی = فتاوی حبیبیہ مفتی حبیب اللہ صاحب ج ۲ ص ۳۰۲ طبع کراچی ، جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۸۷ طبع لاہور

چمچوں اور کانٹوں سے کھانا

احادیث مبارکہ سے جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا ثبوت اور کیفیت کا علم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگلیوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے اسی طرح روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھاتے تھے علامہ نووی رح نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو کہ تین انگلیوں سے وہ قابو میں نہ آجائے تو چوتھی اور پانچویں بھی استعمال کر سکتے ہیں

اور پھر کھانے کے بعد برتن اور انگلیوں کو چاٹنا بھی سنت ہے ظاہر بات ہے کہ یہ دونوں سنتیں اسی وقت ادا ہو سکتی ہیں جبکہ انگلیوں سے کھانا وغیرہ کھایا جائے

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ چمچوں سے اور کانٹوں سے کھانا جائز ہے یا نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو میز و کرسی کا مذکور ہوا اگر تکبر کی نیت سے چمچ وغیرہ سے کھاتا ہے تو ناجائز بلکہ حرام ہے جبکہ اس صورت میں ہاتھوں سے کھانے کو حقیر اور کمتر سمجھتا ہو لیکن اگر ہاتھوں سے کھانے کو افضل اور بہتر اور سنت سمجھتا ہو لیکن چمچ اس لئے استعمال کرتا ہے کہ اس چیز کو ہاتھ سے اٹھانے میں کچھ دشوار ہے یا عام استعمال کی وجہ سے چمچ استعمال کرتا ہے تو پھر گنجائش ہے لیکن پھر بھی غیر اولیٰ ہوگا چنانچہ صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ ترمذی وابن ماجہ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنع الاعاجم وانہسوہ فانہ اھنأ وامرأ۔ گوشت کو چھری سے نہ کاٹو اسلئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے اسے کھینچ کر کھایا کرو یہ زیادہ لذت اندوز ہو اور خوش ذائقہ ہوگا

بہرحال ضرورت کے وقت چمچ اور کانٹوں سے کھانے میں حرج نہیں

اور اس میں علماء کو مناسب ہے کہ زیادہ شدت سے کام نہ لیں۔ (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۸۹ طبع لاہور

بفے سسٹم

بفے سسٹم اسکو کہتے ہیں کہ ٹیبلوں وغیرہ پر کھانا رکھ دیا جاتا ہے
لوگ کھڑے ہو کر حسب ضرورت اپنے برتنوں میں اشیاء لیکر کھاتے ہیں اب یہ طریقہ
شرعاً کہاں تک جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے
کی ساری کیفیت احادیث سے معلوم ہے اس میں کہیں بھی ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کھڑے ہو کر کھایا ہو یا پانی پیا ہو سوائے دو مقامات کے ایک تو یہ ہے کہ زمزم کا پانی
دوئم وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیا کرتے تھے اسی طرح مسافر کے لئے بھی
جائز ہے کہ وہ کھڑے ہو کر پانی پی لے باقی کھانے کے سلسلے میں کہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر کھایا ہو

ہاں مجبوری ایک الگ چیز ہے بغیر مجبوری کے کھڑے ہو کر کھانا پانی پینے کی بنسبت
زیادہ گناہ ہے اسکے علاوہ بفے سسٹم میں چلنا بھی پڑتا ہے چلنے سے مزید کراہت آجاتی ہے
اسکے علاوہ یہ بے دین لوگوں کا شعار ہے
اگر کھڑے ہو کر کھایا جائے تو اُن کے ساتھ مشابہت آجائیگی
نیز یہ حیوانوں کا طریقہ بھی ہے اسلئے کھڑے ہو کر کھانا مکروہ ہے انسانی تہذیب کے سراسر
خلاف ہے ہاں اگر یہ ہو کر ڈالنے کے لئے خود چلے اور کھانا ڈالکر پھر بیٹھ کر کھائے
تو جائز ہے

اس میں کوئی کراہت نہیں جیسے کہ بعض مقامات میں
دیکھنے میں آیا ہے (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۴۹ طبع لاہور

جدید کپڑوں کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر بہت سی نعمتیں ہیں جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں اس طرح ان نعمتوں میں سے جدید کپڑے بھی ہیں کپڑے بہت سے رنگوں اور بہت سے قسموں کے ہوتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کپڑے خود استعمال فرمایا ہے اور بہت سے کپڑوں کے احکام بیان فرمائے ہیں اسلئے جدید کپڑوں کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سے علماء کرام نے چند اصول اخذ کئے ہیں جن سے ہر قسم کے جدید کپڑوں کا حکم جواز اور عدم جواز بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے قرآن مجید کی آیت قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف)

اس آیت کو امام بخاری نے کتاب اللباس کی ابتدا میں ذکر کرکے ثابت کیا ہے کہ جو زینت کی چیز ہو اور شریعت کے مطابق ہو پاک ہو وہ جائز ہے ہر نئی چیز کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کلوا واشربوا والبسوا وتصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلۃ ۔ کھاؤ پیو اور لباس پہنا کرو اور صدقہ کیا کرو لیکن اسراف اور تکبر سے ہٹ کر

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں لباس وغیرہ کے سلسلے میں کافی وسعت ہے مگر لباسِ شرعی کے لئے چند شرائط ہیں

(۱) ایک یہ ہے کہ اس سے ستر عورت حاصل ہو اگر ایسا لباس اختیار کیا گیا ہے کہ جس میں ستر عورت نہیں

تو یہ لباس شرعاً ناجائز ہے

(۲) دوئم مرد کے لئے ریشم وغیرہ کا استعمال درست نہیں

۳۔ سوئم ایسا لباس اختیار نہ کیا جائے جو غیر مسلموں کا شعار ہو
ورنہ غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہوگا
البتہ اگر وہ مسلمانوں میں عام ہے اور کفّار کی خصوصیت نہیں رہی ہے تو پھر جائز ہے
کہ ایسا لباس اختیار کیا جائے۔

۴۔ چہارم یہ کہ اچھے سے اچھے کپڑے پہننا جائز ہے بطور تحدیث نعمت کے نہ کہ فخر
اور تکبّر کی نیت سے۔

خلاصہ آنکہ لباس کے لئے شریعت نے کوئی وضع اور ہیئت مقرر نہیں کی ہے البتہ یہ ضروری ہے

۱۔ لباس سادہ ہو پُر تکلف نہ ہو

۲۔ ریشم وغیرہ مردوں پر حرام ہے وہ نہ ہو

۳۔ وضع ایسی ہو کہ جو مسلمانوں کی امتیاز قومی کو باقی رکھے

(۱) امداد المفتین مفتی محمد شفیع ص ۹۹۹ طبع کراچی
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۵۳ طبع ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۹۰ طبع لاہور پاکستان

کون کون سے رنگوں کا استعمال مردوں کے لئے ممنوع

عصفر اور زعفران سرخ رنگ مردوں کے لئے مکروہ ہیں
باقی سب رنگ مردوں کے لئے جائز ہیں جہاں تک سرخ رنگ کا تعلق ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں راجح یہی ہے کہ اگر نجاست والی چیز سے بنایا گیا ہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر غیر نجس شئے سے تیار کیا گیا ہے تو مکروہ تنزیہی ہے جبکہ صاحب کفایت المفتی نے لکھا ہے کہ سرخ رنگ مباح ہے لیکن ضروری ہے کہ سرخ رنگ کسم اور زعفران کا نہ ہو

ہاں اگر کوئی خاص رنگ غیر مسلم کی نشانی اور علامت ہو تو اس خارجی وجہ سے پھر اس رنگ میں کراہت آجائیگی۔ زعفران اور عصفر میں رنگا ہوا کپڑا مردوں کیلئے مکروہ تحریمی ہے نفس عصفر اور زعفران کے علاوہ باقی تمام رنگ بشرطیکہ نجاست کی آمیزش ان میں نہ ہو جائز ہیں۔ البتہ احمر قانی (خالص سرخ) میں اختلاف ہے اور راجح مکروہ تنزیہی ہے۔
اسی طرح زرد رنگ زعفران والا مکروہ ہے زعفران کے علاوہ زرد رنگ میں راجح جواز کا قول ہے صاحب جدید فقہی مسائل نے بحوالہ مالا بد منہ نقل کیا ہے کہ عصفر اور زعفران کا رنگ مردوں کیلئے حرام ہیں نہ کہ عورتوں کے لئے ایک روایت کے مطابق مرد کو مطلقاً سرخ رنگ مکروہ ہے

سوائے اس دھاری دار کپڑے کے جو سوسی تاجی کپڑے کے مانند ہو [1]

---

[1] امداد المفتین ج ۱ ص ۹۴۴ طبع کراچی
احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ج ۱ ص ۲۱۴ طبع کراچی
فتاوی رشیدیہ مولانا رشید احمد گنگوہی ص ۵۸۱ طبع کراچی
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۵۴ طبع ملتان۔ جدید فقہی مسائل ص ۱۹۱ طبع لاہور

دسواں باب

تفریحی امور

نغمہ و موسیقی

لیضل عن سبیل اللہ

قرآن مجید میں ہے "ومن الناس من یشتری لہو الحدیث بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولٰئک لھم عذاب مھین (لقمان)

اور بعض آدمی ایسے بھی ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرلے اور اسکی ہنسی اڑا دے ایسے لوگوں کیلئے ذلت کا عذاب ہے (1)

اس آیت کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ نضر بن حارث مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور تجارت کیلئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا وہ ملک فارس سے شاہان عجم کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مکہ کے مشرکین سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قوم عاد اور ثمود کے واقعات سناتے ہیں اور میں تمہیں ان سے بہتر رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں۔

در منثور میں یہ بھی ہے کہ اس شخص نے باہر سے ایک گانے والی لونڈی خرید کر لایا تھا اسکے ذریعہ اس نے لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کی صورت نکالی۔ لہو الحدیث کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں حضرت ابن مسعود رض اور ابن عباس رض وجابر رض کی روایت میں اسکی تفسیر گانے بجانے سے کیگئی ہے جبکہ جمہور مفسرین وصحابہ وتابعین اسکی عام تفسیر کرتے ہیں کہ لھو الحدیث سے ہر وہ چیز مراد ہے جو انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔

اس میں غنا اور مزامیر سب داخل ہیں امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں لہو الحدیث کی یہی تفسیر اختیار کی ہے لہو الحدیث ھو الغناء واشباھہ یعنی لہو الحدیث سے غنا (گانا) اور اسکے مشابہ چیزیں مراد ہیں

قرآن مجید کی دوسری آیت ہے۔ والذین لا یشھدون الزور (الآیۃ)
اس آیت کی تفسیر میں زور سے امام ابوحنیفہ اور مجاھد اور
محمد بن الحنفیہ وغیرہ نے غنا (گانے، بجانے) سے کی ہیں ان دونوں
آیتوں میں گانے بجانے اور ان چیزوں سے بھی ممانعت ہے جو ان میں استعمال
ہوتے ہیں (۲)
نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گانے سے انتہائی
نفرت تھی نیز آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میری اُمّت کے
ایک طبقہ پر صورتوں کے مسخ ہوجانے دھنسا دیئے جانے اور طوفان کا
عذاب آئے گا یہ وہ لوگ ہونگے جو شراب پیتے ہونگے ریشم پہنتے ہونگے
اور دف بجاتے ہونگے
ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے لیشربن ناسٌ من امتی الخمر یسمونھا
بغیر اسمھا یعزف علی رؤسھم بالمعازف والمغنیات
یخسف اللہ بھم الارض ویجعل اللہ منھم القردۃ والخنازیر (۳)
میری امت کے کچھ لوگ شراب پیتے ہونگے اور تاویل کر کے اسکا دوسرا نام
رکھتے ہونگے۔ انکے سامنے گانے اور باجے بجائے جائینگے اللہ تعالے
زمین میں انکو دھنسا دے گا اور انکی شکلیں بندر اور خنزیر میں تبدیل
کرینگے۔

(۱) ترجمہ اشرف علی تھانوی ص ۶۵۶ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی لاہور
(۲) تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۷، ص ۲۳ تا ص ۲۵ طبع کراچی
(۳) معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۷، ص ۲۶ طبع کراچی

معازف وہ باجے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں اور مزامیر جو منہ سے بجائے جاتے ہیں جیسے بانسری وغیرہ ۔ ①

خلاصہ یہ کہ کتب فقہ میں طبلہ اور سارنگی جتنے بھی آلات موسیقی ہیں انکا استعمال کرنا بجانا ناجائز وحرام ہے موجودہ نغمہ اور موسیقی جو چل رہی ہیں سب ناجائز وحرام ہیں اسلئے کہ یہ چیزیں تمام برائیوں کا مجموعہ ہیں

اگر کسی حدیث میں غناء کا ثبوت ہے تو اس سے مراد خوش آوازی اور خوش الحانی سے جائز اشعار پڑھنا مراد ہے جبکہ پڑھنے والا بے ریش لڑکا یا عورت نہ ہو ②

① موسیقی و مسلمان ص ۸۳

② معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۷ ص ۲۷ طبع کراچی

امداد الفتاویٰ اشرف علی تھانوی ج ۳ ص ۱۱۰ طبع کراچی

امداد المفتین مفتی محمد شفیع ص ۱۰۰۲ طبع کراچی

جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ص ۱۹۳ ، طبع لاہور

ریڈیو اور ٹی وی کے احکام

ٹیلیویژن اور فلم

اس سے قبل والے مسئلہ میں موسیقی اور نغمہ وغیرہ کے احکام بیان کئے گئے تھے۔
اسی طرح یہ بات بھی آگئی کہ علم موسیقی کا حکم یہ ہے کہ وہ حرام ہے اور پھر جتنے آلات ہیں انکا استعمال ناجائز وحرام ہے۔ اب ٹی وی اور فلم کیلئے آج کل موسیقی اور نغمہ تو جزء لاینفک کی طرح ہیں یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ٹی وی اور فلم چل رہی ہوں اور موسیقی وغیرہ نہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن ان لوگوں کو ہوگا جو تصویر بنانے والے ہوں۔
اسکے علاوہ تصویر کی سختی سے ممانعت آئی ہے جبکہ ٹی وی اور فلم میں تصویر ضرور ہوتی ہے یہ دوسری خرابی اور گناہ کی چیز ہے۔ جس طرح غیر محرم عورتوں کو دیکھنا ناجائز وحرام ہے اسی طرح انکی تصویر دیکھنا بھی ناجائز وحرام ہے۔ جبکہ ٹی وی اور فلم پر مطلق تصویر نہیں بلکہ ننگی تصویریں آتی ہیں۔
اسکے علاوہ ٹی وی پر عورت کی آواز آتی ہے حالانکہ شریعت مطہرہ جسطرح عورت کو غیر محرم سے پردے کا حکم دیتی ہے اسی طرح شریعت کا حکم اسکی آواز کے بارے میں ہے کہ غیر محرم شخص اسکی آواز نہ سن لیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت عورت کو اذان دینے سے منع کرتی ہے اور جہری قرأۃ بھی نہیں کر سکتی اسکے علاوہ اور بہت سارے احکام ہیں جو مردوں کیلئے جائز ہیں عورت کیلئے نہیں۔
اب عورت کی آواز گانے وغیرہ کی صورت میں غیر محرم کو سننے کی اجازت کیسے ہوگی۔
اس لیئے ٹی وی اور فلم دونوں ناجائز اور حرام ہیں ان میں صرف ایک گناہ نہیں بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے باقی ٹی وی دیکھنے کے جواز کیلئے یہ کہنا کہ عکس ہوتا ہے اصلی تصویر نہیں ہے یہ ایک مغالطہ ہے اسلئے کہ وقت کے گذرنے سے تصویر کے جدید طریقے آگئے ہیں نیز بالفرض اگر مان لیا جائے کہ یہ عکس ہے تو اس سے انکار نہیں کہ جسطرح

تصویر سے مفاسد اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں وہ سب اس عکس کی صورت میں موجود ہیں تو اسکے جواز کا کونسا طریقہ شرعاً نکل سکتا ہے۔

ہاں اگر ذی روحوں کی تصویریں نہ ہوں بلکہ درخت وغیرہ یا اسلحہ کی تصویریں ہوں یا دیگر کوئی پروگرام جس میں نغمہ اور موسیقی بھی نہ ہو تو پھر جواز میں کوئی کلام نہیں لیکن ایسا پروگرام آج تک ٹی وی اور فلم میں نشر نہیں ہوا ہے۔

حج کی فلم کو بھی علماء کرام نے قبیح اور شنیع قرار دیا ہے

صاحب نظام الفتاویٰ فلم کی حرمت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس طرح تصویر بنانا اور اس سے تلذذ حاصل کرنا حرام ہے۔

اسی طرح سینما دیکھنا اور اس سے تلذذ حاصل کرنا حرام ہے

اسکے علاوہ اور کئی مفاسد اور خرابیاں ہیں جو ہر عقلمند شخص سے مخفی نہیں اسلیئے ٹیلیویژن اور فلم ناجائز و حرام قرار دیئے گئے ہیں (۱)

(۱) آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع ص ۱۴۷
امداد المفتیین مفتی محمد شفیع ص ۱۰۰۳
امداد الفتاویٰ اشرف علی تھانوی ج ۴ ص ۳۸۲
نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۳۰۷
فتاویٰ رحیمیہ مفتی عبد الرحیم ج ۶ ص ۲۹۵
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۱۹۴

کبوتر و پتنگ بازی

کبوتر اور پتنگ بازی کو بھی علماء کرام پسندیدگی نظر سے نہیں دیکھتے چنانچہ حدیث میں ہے
عن ابی ھریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یتبع حمامۃ فقال شیطان یتبع شیطانۃ ①
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے دیکھا فرمایا کہ شیطان شیطانی کا پیچھا کر رہا ہے۔
اس حدیث میں کبوتر کیساتھ کھیلنے والے کو بطور وعید کے شیطان قرار دیا گیا ہے اس لئے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کے ہوتے ہوئے اس فعل کو کسی طرح پسندیدہ کہا جاسکتا ہے آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو ناپسندیدگی کی نظر سے اس لئے دیکھا ہے کہ یہ عمل ذکر اللہ سے انسان کو غافل کرنے والا ہے اور ہے بھی فضول جسکا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں کبوتر پالنا اور اس سے محبت کرنا جائز ہے البتہ اسکو اڑا کر اس سے کھیلنا اور اپنے وقت کو ضائع کرنا یہ عمل کراہت سے خالی نہیں۔

① ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۹ "

اور اگر اس عمل میں شرط اور جوا کھیلا جائے تو اسکے حرام ہونے میں کوئی مشتبہ نہیں۔

اور یہی حکم بعینہ پتنگ بازی کا ہے کہ اس میں بھی وقت کا ضیاع ہے اسلیئے وہ بھی مکروہ ہے اور اگر پتنگ بازی کیساتھ بھی جوا اور شرط کا عمل شامل ہے تو یہ بھی حرام ہے

صاحب امداد المفتیین نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ کبوتر بازی اور بٹیر بازی اس قسم کے کھیل چونکہ بے فائدہ ہیں اور ان میں اشتغال شدید ہوتا ہے اسلیئے یہ اعمال ناجائز ہیں:

صاحب کفایۃ المفتی نے بہت سی قباحتیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ آج کل کی کبوتر بازی بالکل ناجائز ہے ①

① امداد المفتیین مفتی محمد شفیع ص ۱۰۰۲ ۔
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۸۱ طبع امدادیہ ملتان پاکستان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۹۴ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

ریس گھوڑ دوڑ

احادیث سے گھوڑ دوڑ ثابت ہے اور جائز ہے بشرطیکہ اس میں جوا نہ ہو اسی طرح انسانوں کی دوڑ اور ریس بھی جائز ہے

چنانچہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سابق بین الخیل یرسلها من الحفیاء وکان امدها ثنیة الوداع وسابق بین الخیل اللتی لم تضمر وکان امدها من الثنیة الی مسجد بنی زریق ①

آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی دوڑ کروائی (حفیاء) نامی جگہ سے بھیجتے تھے دوڑنے کیلئے انتہائی جگہ ثنیۃ الوداع تھی۔

ایک اور گھوڑ دوڑ کروائی اس گھوڑے کے درمیان جسکو تضمیر نہیں کیا گیا تھا اس ریس کیلئے ثنیۃ نامی جگہ سے مسجد بنی زریق تک انتہا تھی

تضمیر ریس کیلئے گھوڑے کو پالنا اور خاص طور پر تیار کرنا۔

اس طرح حدیث میں ہے کہ آپ نے صلے اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ لگائی ہے۔

یہ دوڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے اسلیئے لگائی تاکہ اُنس اور محبت میں اضافہ ہو جائے اسلیئے اسکو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

① نسائی شریف ج ۲ ص ۱۲۴

اسیطرح انسان ورزش اور اپنے جسم کی حفاظت کیلئے دوڑ لگائے تاکہ میری صحت ٹھیک رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں یا اس غرض سے دوڑ لگاتا ہے کہ جسم میں چستی پیدا ہو جائے تاکہ بوقت جہاد کفار سے مقابلہ کر سکوں اور انکو پسپا کروں تب بھی جائز ہے۔ بلکہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

کوئی بھی کھیل ہو اور اس میں دینی اور دنیاوی کوئی فائدہ ہو تو جائز بلکہ باعث اجر ہے اگر صرف جسمانی فائدہ ہو تو وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ شرعی ممنوعات سے محفوظ ہو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ گھوڑ دوڑ فی نفسہ جائز ہے اور اگر جہاد کی نیت سے گھوڑے دوڑائے جائیں تو اس پر انشاء اللہ ثواب ملے گا اسلیئے کہ حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات اعمال کا مدار نیت پر ہے نیت اچھی تو چھوٹے سے عمل پر خدا کی طرف سے ثواب اگر نیت میں فتور ہے تو بڑا عمل بھی رائیگاں اور اگر گھوڑ دوڑ اور ریس میں جوا اور قمار کھیلتے ہیں تو یہ ناجائز و حرام ہے اسی طرح اگر گھوڑے دوڑانے والے تو جوا نہیں کھیلتے مگر دیکھنے والے اسپر شرط رکھتے ہیں اور گھوڑے دوڑانے والے اسی نیت سے دوڑاتے ہیں لوگ اس پر جوا اور شرط لگائیں تو یہ گھوڑ دوڑ چونکہ ایک ناجائز فعل اور حرام [illegible] کا ذریعہ ہے اس لیئے ناجائز ہے اور موجودہ دور میں گھوڑ دوڑوں میں جوا اور قمار عام ہے اسلیئے ان سے اجتناب کیا جائے نیز نمائشی گھوڑ دوڑ سے بھی اجتناب کیا جائے واللہ الموفق ①

نیز جسمانی ریس اور گھوڑ دوڑ میں یک طرفہ شرط کا جواز ہے۔

① کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۸۵ طبع امدادیہ ملتان
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۹۵ ۔ حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

شطرنج اور چوسر

شطرنج ایک کھیل ہے جسکے متعلق صاحب فیروز اللغات نے لکھا ہے کہ ۳۲ مہروں یعنی گوٹیاں ہوتی ہیں اور ۶۴ خانوں سے کھیلا جاتا ہے:
چوسر جسے نرد کہتے ہیں اسکے متعلق لکھا ہے کہ ایک بازی جسے تختۂ نرد بھی کہتے ہیں ①
نرد کو اردشیر بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا۔ شطرنج اور چوسر کا احادیث میں صراحتاً ممانعت ہے اسکے علاوہ جو بھی کھیل جس میں جوا اور قمار ہو تو۔ حرام ہے اگر صرف تلہی ہے اور وقت کا ضیاع ہے تو مکروہ ہے ②

① فیروز اللغات ص ۱۳۵۶/۸۴۲، فیروز سنز پرائیویٹ لمٹیڈ پنڈی
② امداد الفتاوی اشرف علی تھانوی ج ۴ ص ۲۴۱ =
کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹، ص ۱۷۸، طبع ملتان

فٹ بال ہاکی وغیرہ کے احکام

شریعت مطہرہ میں جن کھیلوں کی ممانعت ہے، مثلاً شطرنج اور چوسر وغیرہ انکے علاوہ باقی کھیلوں میں اگر کوئی دینی یا دنیاوی کوئی فائدہ ہے تو جائز ہیں جیسے کہ ہاکی فٹ بال والی بال وغیرہ میں جسمانی فائدہ ہے اگر صحت مند رہے اور دشمنوں کے خلاف اپنے آپکو صحت مند رہنے کیلئے کھیلتا ہے تو جائز ہے بلکہ باعث اجر ہے مگر شرط یہ ہے کہ اسمیں کھیل کے علاوہ خارج میں شرعی موانع نہ ہوں جیسے کہ ننگا نہ ہو شرمگاہ کی حفاظت ہو۔ عورتیں جمع نہ ہوں۔ اسکے علاوہ کھیل میں مشغولی کیوجہ سے نماز روزہ شرعی فرائض سے کوتاہی اور غفلت نہ ہو۔
پھر تو جائز ہیں اگر غیر شرعی کام ہونگے یا فرائض سے کھیل کی وجہ سے غفلت ہو گی تو پھر ایسا کھیل جائز نہیں (1)

(1) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد، ص ۲۱۸، طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۹۷۔ طبع لاہور

فوٹو اور تصویر

احادیث مبارکہ کے اندر تصاویر کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔
کہیں فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوگی اسمیں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہونگے
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الملائکۃ لاتدخل بیتا فیہ صورۃ ولا کلب ①
ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔ انّ من اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون ②
سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن تصویر بنانے والے لوگوں کو دیا جائے گا۔
ایک حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں آپکے گھر میں کس طرح داخل ہو جاؤں جبکہ آپکے گھر میں پردہ پر تصاویر ہیں یا تو آپ اسکا سر کاٹ دیں ختم کر دیں یا اسکو بچھونا بنا دیں۔ تاکہ وہ روندا جائے۔
اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ صرف مجسمے ہی ناجائز ہیں بلکہ اور کسی چیز سے بھی جاندار چیز کی شکل وصورت بنائی گئی ہو تو وہ بھی درست نہیں۔
ہاں اگر بن گئی ہے تو اب اسکو ایسا رکھا جائے کہ اس تصویر کا اکرام اور ادب نہ ہو بلکہ اسکو پاؤں میں روندا جائے تقریباً تمام کتب احادیث میں تصاویر کی ممانعت آئی ہے جہاں تک مسئلہ ہے فوٹو کا تو وہ فوٹو بھی ناجائز ہے اسلیئے کہ وقت گذرنے سے ہر چیز میں تبدیلی آئی ہے۔

① مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۹ طبع کراچی
② نسائی شریف ج ۲ ص ۱۹۳ طبع کراچی
③ نسائی شریف ج ۲ ص ۳۰۰ طبع کراچی

جو خباثت اور خرابی اس مجسمے میں تھی وہی خرابی بلکہ اس سے بھی بڑھکر اس فوٹو میں بھی ہے اسلئے کہ فرشتوں کا داخل نہ ہونا۔ بُت پرستی کا ذریعہ اور کفار سے تشبہ وغیرہ یہ تمام چیزیں فوٹو میں ہیں نام بدلنے سے حکم نہیں بدلتا جیسے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا تم لوگ شراب کا نام بدل کر اسکو بر سر عام پیئیں گے۔

یہی صورت فوٹو کی ہے کہ صرف نام بدلنے سے لوگوں نے اسکو بغیر کسی ضرورت کے شوقیہ طور پر کھنچوایا جارہا ہے اور عورتیں بھی کھنچواتی ہیں۔

نتیجتاً اس وقت معاشرے میں بے حیائی کا سب سے بڑا ذریعہ تصاویر ہیں۔ اور فقہا نے کہا ہے کہ پانی میں جو عکس ہوتا ہے وہ اگر عورت کا ہے تو پھر بھی اسکا دیکھنا ناجائز ہے اس کے پیش نظر اگر انصاف سے دیکھا جائے تو عورتوں کی تصویریں بنانا اور اپنے پاس رکھنا بطریقہ اولی ناجائز ہوگا

مفتی محمد شفیع رہ نے ان تمام شبہات کا بڑی تفصیل سے جواب دیا ہے جو شبہات تصویر کے عدم جواز پر کئے جاتے ہیں اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ فوٹو عکس نہیں ہے عکس ایک عرض ہے لیکن جب اس پر مصالحہ وغیرہ لگایا جاتا ہے تو اب اسکا حکم استقلال کا ہو جاتا ہے لہذا یہ مجسمے کے حکم میں ہوگا

ہاں ضرورت شدیدہ کے وقت اجازت ہوگی۔ جیسے کہ حج وغیرہ کیلئے کاغذات تیار کرنے پڑتے ہیں۔

اسی طرح غیر ذی روح چیزوں کی تصاویر جائز ہیں
ایضاً اتنی چھوٹی تصویر کہ جسکی شناخت نہ ہو سکے
ایضاً بغیر چہرہ کے صرف جسم کا حصہ ہو تو یہ بھی جائز ہے
کیونکہ یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے ①

① امداد المفتین مفتی محمد شفیع ص ۹۹۱ طبع کراچی
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۲، طبع لاہور

گیارہواں باب

طب و علاج

ایکسرے

ایکسرے جو جسم کے اندورنی حصہ کی تصویر ہوتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں شریعت مطہرہ میں جن تصاویر کی ممانعت آئی ہے اس سے وہ تصویر مراد ہے جس میں صاحب تصویر کی شناخت ہو سکے ایکسرے والی تصویر کو ہر ایک شخص شناخت نہیں کر سکتا۔

اسلیئے اسکے اندر کوئی شرعی ممانعت نظر نہیں آتی۔

اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ تصویر کے مشابہ ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسکا استعمال علاج کی غرض سے ہے اسلیئے جائز ہے (۱)

---

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۲۰۳ طبع لاہور

خون چڑھانا

بیمار کیلئے خون پیشاب اور مردار کھانا بطور دوائی کے جائز ہے بشرطیکہ تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر نے کہا ہو کہ اسکے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے۔
اور اگر ڈاکٹر نے یہ کہا ہو کہ مذکورہ چیزوں کے استعمال کرنے سے شفاء جلدی حاصل ہوگی تو اس صورت میں کچھ علماء کی رائے ہے کہ مذکورہ چیزوں کا استعمال جائز ہے جبکہ کچھ علماء کی رائے عدم جواز کی ہے۔

وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء اٰخر (۱)

حرام چیزیں جب شفاء یقینی ہو اور کوئی دواء نہ ہو تو جائز ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب اور کوئی دوا مفید نہ ہو اور تجربہ کار ڈاکٹر کہہ دے کہ اب اسی خون سے جان بچے گی تو پھر خون چڑھانا جائز ہے بہر صورت ضرورتِ شدیدہ کے وقت خون ہو یا دیگر حرام چیز کو بطور دواء استعمال کرسکتا ہے جب ضرورت کے لئے خون چڑھایا جائے تو اتنا ہی چڑھایا جائے کہ جس سے ضرورت پوری ہو جائے اسی سے زیادہ اجازت نہ ہوگی۔
باقی صرف جلدی ٹھیک ہونے کیلئے یا موٹاپے کیلئے یا حسن میں اضافہ کی غرض سے چڑھانا جائز نہیں۔
نیز حتی الامکان خون خریدنے سے بھی اجتناب کیا جائے لیکن اگر بغیر قیمت کے نہیں مل رہا ہے تو پھر خریدنا جائز ہے (۲)

---

(۱) فتاوی شامی ج ۱، ص ۱۴۰ طبع بیروت
(۲) کفایت المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۴۳ طبع ملتان پاکستان
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۲۱۹ طبع دیوبند انڈیا
جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۲۰۳ تا ص ۳۰۵ طبع لاہور

اعضاء انسانی کی پیوند کاری

اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ آج کا نہیں بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ پیش آیا ہے البتہ اتنی بات ہے کہ زمانہ اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اسکی صورتیں اور قسمیں زیادہ ہوتی رہیں!

اسلیئے اس وقت جو عام طور پر صورتیں پیش آرہی ہیں اور مروج ہیں انکا یہاں، مختصراً بیان کیا جاتا ہے
اور علماء کرام نے جو انکا شرعی حل پیش کیا ہے وہ ذکر کیا جائے گا۔

عن عرفجۃ رضـ ابن سعد قال أُصیبَ انفی یوم الکلاب فی الجاھلیۃ فامرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتخذ انفا من ذھب ①

عرفجہ ابن سعد رضـ فرماتے ہیں میری ناک کلاب والے دن کٹ گئی زمانہ جاھلیت میں تو میں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگالی اُس سے بدبو شروع ہوگئی آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ آپ سونے کی ناک بنوا کر لگالیں

① ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۰۶ طبع ایچ ایم سعید
ابو داؤد ج ۱ ص ۲۲۵ طبع ایچ ایم سعید کراچی
نسائی شریف ج ۲ ص ۲۸۵ قدیمی کتب خانہ کراچی

اس حدیث سے صرحتاً یہ معلوم ہوگیا کہ مصنوعی اعضاء بنا کر انکو لگانا جائز ہے نیز یہ صورت بھی صرف خوبصورتی کیلئے تھی اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر مصنوعی اعضاء ضرورت کے تحت لگا لیئے جائیں تو یہ طریقہ اولی جائز ہوگا اسکے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ مصنوعی اعضاء پاک اشیاء سے بنے ہوئے ہوں نجس وناپاک سے بنے ہوئے نہ ہوں۔

نجاست کی ملاوٹ بھی ان میں نہ ہو۔

مثلاً خنزیر کی ہر چیز ناپاک ہے مصنوعی اعضاء میں خنزیر کے اجزاء مخلوط نہ ہوں۔

اسی طرح حرام جانوروں کے ناپاک اجزاء نہ ہوں یا ناپاک اجزاء شامل نہ ہوں جیسا کہ گوشت وپوست خون چربی چکنائی وغیرہ اسی طرح دیگر اجزاء نجس شامل نہ ہوں۔

خنزیر کے علاوہ تمام حلال یا حرام جانوروں کے بال، ناخن، کھر، دانت وغیرہ جسمیں خون نہیں ہوتا۔ ہر حال میں لگانا جائز ہے۔ ضرورت کیلئے ہو یا زینت کیلئے ہو۔ یہ تو حکم اس صورت کا تھا جبکہ زینت وغیرہ کیلئے ہو اور اگر سخت مجبوری ہے حالت اضطرار ہو اس صورت میں حکم یہ ہیکہ ناپاک اور حرام جانوروں کے ناپاک اعضاء اسی طرح پاک اور حلال جانوروں کے ناپاک اعضاء کا استعمال مصنوعی اعضاء میں جائز ہے

اضطراری حالت یہ ہےکہ اگر مریض مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری نہیں کرتا، تو ہلاکتِ نفس یا ہلاکتِ عضو، یا قریب الہلاک ہو جائے گا اور ماہر اور تجربہ کار حکیم یہ کہے کہ یہ عضو وغیرہ لگانے سے درست ہو جائے گا تو اس صورت میں یہ جائز ہے کیونکہ حرام چیزوں کا استعمال عام حالات میں ناجائز ہے البتہ حالت اضطرار میں جائز ہوگا

جیسے کہ قرآن میں بارہا آیا ہے۔

إنما حرم عليكم الميتة والدم
ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله
فمن اضطر غير باغ ولا عاد (الآیۃ سورہ بقرہ)

بیشک اللہ تعالی نے مردار اور خنزیر کا گوشت اور خون اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے یا نذر کیجائے یہ سب حرام کر دیئے ہے۔ ہاں جو شخص موت کی کشمکش اضطراری حالت میں ہو اور کوئی چیز میسر نہ ہو تو ان مذکورہ حرام چیزوں میں سے کھا کر جان بچا سکتا ہے صرف بقدر ضرورت کھائے زائد کھانے کی صورت میں گنا ہگار ہوگا۔

دوسری جگہ سورہ انعام میں ارشاد ہے

وقد فصل لكم ما حرم عليكم
الا ما اضطررتم اليه (الانعام)

جو چیزیں تم پر حرام کیگئی ہیں وہ واضح اور کھول کر بیان کر دی گئی ہیں مگر یہ کہ تم انکے استعمال میں مجبور ہی ہو جاؤ

(تیسری) ایک صورت یہ بھی ہے کہ جسمیں خود اپنے جسم کے کسی حصہ کو کاٹ کر دوسرے حصے میں لگایا جاتا ہو۔ اگر وہ ضرورت شدیدہ کی وجہ سے کیا ہے اور واقعی بیماری اور تکلیف ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ تو اسکی اجازت دی جائیگی جبکہ اسکے عضو کے کاٹنے سے غالب گمان ہلاکت کا نہ ہو۔ اگر ہلاکت کا غالب گمان ہو۔ تو پھر درست نہیں۔ اسکی نظیر کتب فقہ میں ہے

اذا اراد الرجل ان يقطع اصبعاً زائدة
اوشيئاً آخر ان كان الغالب على من
قطع مثل ذلك الهلاك فانه لا يفعل
وان كان الغالب هو النجاة فهو فى سعة
من ذلك ①

اسس عبارت میں بتایا گیا ہے۔ کہ اگر زائد انگلی وغیرہ ختم کرنا چاہتا ہے تو دیکھا جائے گا۔ کہ غالب گمان قطع کی صورت میں ہلاکت کا ہے، تو پھر انگلی کاٹنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ اور اگر غالب گمان بچ جانے کا ہے پھر جائز ہے

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ زینت کے لئیے زائد انگلی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور جب بیمار ہو گا۔ اور عضو کو کاٹ کر دوسری جگہ لگا جائے۔ تو بطریقِ اولی جائز ہو گا۔ ان تین مذکورہ صورتوں میں مثلاً ۱ مصنوعی اعضاء لگانا ۲ جانوروں کے اعضاء لگانا ۳ اپنے عضو کو کاٹ کر کے دوسری جگہ لگانا بیماری اور اضطراری حالت میں تقریباً تمام علماء نے اجازت دی ہیں اسمیں تقریباً کسی کا اختلاف نہیں

وكذا تكره ان تعيد السن الساقطة
مكانها عند ابى حنيفة ؒ ومحمد
الى قوله وقال ابويوسف لاباس بسنه ②

① عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۰
② بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۳

امام ابوحنیفہ رح اور محمد رح گرے ہوئے دانت کو لگانے کو مکروہ کہتے ہیں لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اپنے دانت کو دوبارہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اور آجکل علماء کرام ابو یوسف رح کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں اسی طرح بدائع الصنائع میں دوسری جگہ علامہ کاسانی رح فرماتے ہیں

أن أستعمال جزء منفصل عن غيره من
بنی أدم إهانة بذلك الغير والآدمي
بجميع أجزائه مكرّم ولا اهانة في استعمال
جزء نفسه في الإعادة الى مكانه ①

بنی آدم میں سے کسی بھی عضو کو قطع و برید کر کے استعمال کرنا صاحب عضو کی توہین ہے جبکہ بنی آدم اپنے تمام اعضا کے اعتبار سے مکرّم ہے۔ ہاں انسان کے اپنے جسم سے کوئی عضو الگ ہوگیا یا طبّی ضرورت کی بناء پر الگ کیا گیا تو اسکو اپنی جگہ پر دوبارہ لگادینے میں کوئی توہین نہیں ہے خلاصہ یہ کہ یہ مذکورہ تین صورتیں جائز ہیں ان میں تقریباً متاخرین کا بھی اتفاق ہے کما فی انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید۔ اور عصر حاضر کے فقہی مسائل۔ ان مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور ہیں

① نمبر ۱۔ ایک یہ ہیکہ ایک انسان زندگی میں اپنے جسم کا کوئی حصہ دوسرے کو عطیہ کے طور پر ثواب کی نیت سے دے کیا یہ صورت جائز ہے

① بدائع الصنائع علامہ کاسانی رح ج ۵ ص ۱۳۳ طبع ایچ ایم سعید کراچی

(۲) دوئم یہ کہ مرتے وقت وصیت کرے کہ میری آنکھ یا کوئی اور عضو نکال کر لوگوں کی ضرورت پوری کیجائے

احادیث میں تقریباً اس قسم کا واقعہ نہیں ملتا؛
البتہ بالوں کے سلسلہ میں ملتا ہے لیکن کتب احادیث میں انسان کی تعظیم اور اکرام کا ذکر موجود ہے اسی طرح کتب فقہ میں اس قسم کی چیزوں کا حکم ملتا ہے۔
جیسے کہ بدائع الصنائع میں ہے

ان استعمال جزء منفصل عن غیرہ
من بنی ادم اهانة بذلك الغير
والآدمی بجمیع اجزائه مکرم الخ (۱)

فرمایا کہ بنی آدم کے جدا شدہ کسی عضو کو دوسرے کیلئے استعمال کرنا یہ صاحب عضو کی توہین ہے جبکہ بنی آدم اپنے تمام اعضاء کے لحاظ سے مکرم ہے
قرآن مجید میں ہے

ولقد کرمنا بنی آدم / بنی اسرائیل / ۷۰ /

تحقیق بنی آدم کو ہم نے مکرم اور معظم بنایا ہے اسی طرح

الخنزیر والآدمی یکرہ التداوی بهما (۲)

(۱) بدائع الصنائع ج ۵، ص ۱۳۳ طبع ایچ ایم سعید کراچی
(۲) عالمگیری ج ۵، ص ۳۵۴ طبع مکتبہ طوغی روڈ کوئٹہ

فرمایا کہ خنزیر اور انسان کی ہڈیوں وغیرہ سے دوا مکروہ تحریمی ہے
دوسری جگہ ہے

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز
قیل للنجاسة وقیل للکرامة (۱)

وفی قاضیخان

لانه محرم الانتفاع هو الصحیح
کذا فی جواهر الاخلاطی (۲)

یعنی اجزاء انسانیت سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں بعض نے کہا کہ نجس ہونے کی وجہ سے بعض نے کہا کہ اکرام کی وجہ سے یہی صحیح بات ہے

أن المضطر کما لا یباح له قتل انسان
لیأکل من لحمه لا یباح له قطع عضو من
أعضائه (۳)

فرمایا کہ مضطر جو کہ حالت اضطراری میں ہو جیسا کہ اسکے لیئے یہ جائز نہیں کہ کسی انسان کو قتل کر کے اسکا گوشت کھائے اسی طرح اسکے کسی عضو کو کاٹ کر کھانا بھی جائز نہیں

و ان قال له آخر اقطع یدی و کلها
لا یحل له لان لحم الانسان لا یباح فی الاضطرار لکرامته (۴)

(۱) عالمگیری ج ۳ ص ۴۰۴ مکتبہ طوغی روڈ کوئٹہ (۲) عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۴ مکتبہ طوغی
(۳) المبسوط لشمس الائمہ السرخسی ج ۲۴ ص ۴۸ طبع بیروت
(۴) شامی ج ۵ ص ۲۱۵ طبع بیروت هکذا فی فتاوی قاضیخان

اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو تو پھر بھی اجازت نہیں اسلئیے کہ انسان کا گوشت جائز نہیں اضطرار کی حالت میں بھی انسان کی عظمت اور معزز ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

ان مذکورہ تمام عبارات سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کے کسی عضو سے دوائی بنانا یا دوسرے کیلئے لگانا کسی قسم کا فائدہ اٹھانا چاہے زندگی میں عضو علیحدہ کیا جائے یا مرنے کے بعد کسی صورت میں جائز نہیں اسلئیے کہ حدیث میں ہے کہ میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسے کہ زندگی میں ہڈی توڑنے میں یہ مشکوٰۃ میں ہے

عن عائشۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا ①

انسان کا اکرام جیسا زندگی میں ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی اسکا احترام کرنا ہے انسان کی توہین اور اہانت کسی موقع پر بھی جائز نہیں اسلئیے انسان کے کسی عضو کو لیکر دوسرے میں لگانا کسی حالت میں جائز نہیں ②
یہی راجح ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے

صاحب عصر حاضر کے فقہی مسائل نے ان دو صورتوں میں گنجائش دی ہے شروط کے ساتھ اضطراری حالت ہو اور اسکے علاوہ کوئی اور علاج نہ ہو اور جو عضو دے رہا ہے اسکو نقصان نہ ہو لیکن انہوں نے بھی راجح اور احتیاط اوپر والے مسئلہ کو دیا ہے اور صاحب جدید فقہی مسائل نے بھی آخر کے اندر چند شروط ذکر کرکے یہ بات رکھی ہے کہ علماء اس میں غور کر کے مباح قرار دیں

① مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹
② ہکذا فی انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید مولانا عبد السلام چاٹگامی۔ نسائی ج ا ص ۲۳۲

اور اسکو اُنہوں نے اپنی تجویز میں قرار دی ہے
اسی طرح اکثر علماء کی رائے بھی یہی ہے کہ اگر
قرآن و حدیث کو دیکھا جائے تو بہت سی چیزیں شرعاً
حرام اور ناجائز ہیں لیکن حالت اضطرار میں انکو مباح
قرار دیا گیا ہے
اسی طرح فقہی اصول بھی ہیں کہ جن سے یہ خیال
ضرور رکھتا ہے کہ اشد ضرورت کی صورت میں جان بچانے
کیلئے اگر کوئی عضو انسانی کسی کو دے جبکہ دینے
والے کو موت کا خطرہ نہ ہو اسی طرح اس عضو
کی توہین وغیرہ بھی نہ ہو تو ممکن ہے کہ
گنجائش نکل سکے۔ بہرحال فتویٰ اور
راجح وہی بات ہے کہ انسان کے
جسم کا احترام کرتے ہوئے دوسرے
کو پیوند نہ لگایا جائے
نہ زندگی میں نہ مرنے کے
بعد

واللہ اعلم :-

الکحل میں ملی ہوئی دواؤں کا استعمال

وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیہ الفتوی (۱)
حرام چیز سے دوائی بنانا جائز ہے جبکہ تجربہ اور ظن غالب سے معلوم ہو جائے کہ اس سے شفا ہو گی بشرطیکہ کوئی دوسری دوا کارآمد نہ ہو۔ یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح (۲)
بیمار آدمی کیلئے خون اور پیشاب اور مردار بطور دواء کے کھانا جائز ہے جبکہ مسلم طبیب یہ کہدے کہ اب مباح دواؤں میں کوئی دواء مفید نہیں انہی چیزوں سے شفا ہو سکتی ہے وشرب البنج للتداوی لا بأس بہ (۳)
بوقت ضرورت دوائی کیلئے بھنگ پینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں فقہاء کی عبارات مذکورہ سے واضح ہوا کہ حرام چیز کا استعمال بطور دواء بوقت ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اسکی علاوہ کوئی اور دواء کارآمد اور مفید نہ ہو یا ڈاکٹر مسلم "حاذق" یہ کہے کہ اب آپ کیلئے کوئی دوسری مباح دواء مفید نہیں۔
اس لئے اب اس حرام کو استعمال کرو۔ الکوہل جسکے بارے میں لکھا ہے کہ جوہر شراب ہوتا ہے اور پھر انگور کی شراب بالاتفاق ناپاک اور حرام بھی ہے اور دوسری شرابیں ناپاک تو نہیں لیکن نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہیں تو انکی اتنی مقدار جو نشہ آور نہ ہو علاج کیلئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے (۴)
اسکے علاوہ صاحب احسن الفتاوی نے لکھا ہے کہ الکوہل اسپریٹ وغیرہ میں انگور کی شراب اور کھجور کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے لھذا یہ شیخین کے قول کے مطابق پاک ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ فقہاء نے فساد زمانہ کی وجہ سے فتوی امام محمد کی قول پر دیا ہے مگر آج کل تداوی کی ضرورت اور عموم بلوی کی وجہ سے فتوی شیخین کے قول پر دیا جاتا ہے (۵)
لیکن صاحب عصر حاضر کے فقہی مسائل نے کہا ہے کہ بقاعدہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا سنہ ۱۹۸۵ء کے ایڈیشن کا حوالہ دیکر جو بتایا کہ الکوہل جن چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے انمیں دوسرے نمبر انگور کا ذکر ہے

(۱) در مختار ج ۱ ص ۱۴۰ طبع بیروت
(۲) عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۵ طبع کوئٹہ
(۳) خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۲۰۴
(۴) کفایۃ المفتی مفتی کفایت اللہ ج ۹ ص ۱۴۲ طبع امدادیہ ملتان
(۵) احسن الفتاوی مفتی رشید احمد صاحب ج ۲ ص ۹۰ طبع ایچ ایم سعید کراچی

اور فرمایا کہ البتہ ابتلاء عام کی وجہ سے تسہیل کا پہلو اختیار کیا جا سکتا ہے اور بتایا کہ الکوہل کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اور دواء دوسرے اجزاء کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔
اور کیمیکل تبدیلی کی وجہ سے شراب ہونے کی وجہ اصلی ماہیت باقی نہیں رہتی البتہ مسلمان کو چاہیئے کہ ناجائز اور مشتبہ چیزوں سے بچنا ممکن ہو تو بچنے کی کوشش کرے۔ (۱)
اسپرٹ ٹنکچر الکوہل ان سب کو اسی وقت استعمال کرنے کی اجازت ہے جبکہ ضرورت متقاضی ہو۔ (۱)
خلاصہ یہ کہ موٹاپے کیلئے خوبصورتی کیلئے حرام چیزوں سے بنی ہوئی دواء استعمال کرنا جائز نہیں۔
البتہ ضرورت کے وقت جائز ہے جبکہ اور کوئی راستہ اور دواء نہ ہو حالت اضطرار میں بھی بالاتفاق جائز ہے
ھکذا فی انسانی اعضاء کا احترام حتی الامکان. بچنے کی کوشش کیجائے متأخرین نے ضرورت کے تحت تداوی بالحرام کی اجازت دی ہے (۲)

آپریشن کا شرعی حکم

لاباس بقطع الید من الآکلۃ وشق البطن لاباس بقطع العضو ان وقعت فیہ الآکلۃ لئلا (۳) ولاباس بشق المثانۃ اذا کانت فیھا حصاۃ الخ (۴)

ان عبارات میں بتایا کہ وہ بیماری جو کہ عضو کو سڑا دیتی ہے وہ اگر ہاتھ پر لگ جائے تو ہاتھ کو قطع کرنا اور پیٹ کو پھاڑنا اس بیماری کی وجہ سے درست ہے اسیطرح عضو کو کاٹنا تاکہ وہ بیماری مزید سرایت نہ کرے اسیطرح مثانہ میں پتھری ہو جائے تو اسکو چیرنا یہ سب جائز ہیں۔
عالمگیری میں ہے کہ اگر کوئی عضو زائد ہے تو اسکو علیحدہ کرنا درست ہے ولا اھانۃ فی استعمال جزء نفسہ فی الاعادۃ (۵)
فرمایا کہ انسان کا اپنا عضو اپنی جگہ پر دوبارہ لگانا اسمیں اہانت نہیں ہے
ان عبارات مذکورہ سے واضح ہوا کہ علاج کیلئے بیماری کو ختم کرنے کیلئے آپریشن کرانا جائز ہے اسیطرح عضو زائد

---

(۱) عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدر الحسن القاسمی ص ۱۰۷ طبع انڈیا
(۲) امداد الفتاوی ص ۲۵۵ ج ۴ اشرف علی تھانوی رح طبع کراچی
(۳) عالمگیری ص ۳۶۰ ج ۵
(۴) عالمگیری ج ۵
(۵) بدائع الصنائع ص ۱۳۳ ج ۵

کو ختم کرنے کیلئے بھی آپریشن جائز ہے۔

اس کے سوا صرف حسن وجمال کیلئے یعنی اسمیں اضافہ کرنے کیلئے جسم کو پھاڑنا ہر انسان کے تکریم کے خلاف ہے۔

اسکی اجازت شرعاً نہیں ہے (۱)

پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت

پوسٹ مارٹم موجودہ دور میں جن وجوہات کیوجہ سے ہوتا ہے پہلے ان کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اسکے بعد حکم لکھا جائیگا۔

۱ مشتبہ حالت میں واقع ہونیوالی موت کے بارہ میں تفتیش جرائم کا محکمہ یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ مرنے والے کی موت گلا گھونٹنے سے ہوئی ہے یا پانی میں ڈوب کر یا زہر کھانے سے یا کسی اور خفیہ سبب کے نتیجہ میں تاکہ مجرم کی شناخت اور اس کیلئے سزا کی تجویز ممکن ہوسکے اور اس سے بلاشبہ مجرمین کی سرکوبی اور معاشرہ میں امن وامان قائم کرنے میں مدد ملتی ہے اور عدل وانصاف کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے

۲ دوسرا پہلو اسکا یہ بھی ہے کہ بسا اوقات ایک بے قصور آدمی اشتباہ میں پکڑا جاتا ہے لیکن لاش کی پوسٹ مارٹم سے قطعیت کے ساتھ یہ معلوم اور ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ شخص اس جرم سے بری الذمہ ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ مرنے والا اپنی طبعی موت سے مرا ہے یا خود اس نے کوئی چیز استعمال کرکے خودکشی کرلی ہے نتیجتاً ایک بے قصور آدمی کی جان محفوظ ہوجاتی ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے۔

۳ بعض اوقات کسی وبائی مرض کے پھیلنے سے جو موتیں واقع ہوتی ہیں اس وقت پوسٹ مارٹم کرکے صحت کے محکمے یہ کوشش کرتے ہیں کہ ڈاکٹر اس بات کا پتہ لگا سکے کہ کثرت سے موت واقع ہونے کے اندرونی اسباب کیا ہیں تاکہ احتیاطی تدابیر اختیار کرسکے

۴ ڈاکٹری کے وہ طالب العلم جنکا موضوع سرجری یا تشریح الاعضاء ہو وہ اساتذہ کی نگرانی میں لاش کھول کر انسانی اعضاء کی ترکیب ہڈیوں کے جوڑ مختلف اعضاء کے درمیان تناسب وغیرہ کو اس مقصد کیلئے دیکھتے ہیں تاکہ مرض اسکے اسباب اور طریق علاج کو صحیح طور پر سمجھ سکیں ~~تاکہ~~ اور معالجہ کے میدان میں قدم رکھیں تو بصیرت کے ساتھ اور مرض کی صحیح تشخیص کرکے صحیح علاج کرسکیں۔

ممکن ہے اور بھی ~~مقاصد~~ وجوہات ہوں لیکن عموماً اکثر بیشتر یہی ہوتے ہیں ~~اب مطلب یہ ہے کہ انسان کا احترام~~

(۱) ~~تحقیق~~ اعضاء انسانی کا احترام مفتی عبدالسلام چاٹگامی۔ ~~[illegible]~~ عصر حاضر کے فقہی مسائل بدر الحسن القاسمی و تحفۃ النعیم ~~عن~~ نظام الفتاوی ج ۱ ص ۴۵۶ طبع دیوبند

[illegible] احترام [illegible] انسانی اور عورت دونوں کو دونوں میں [illegible] ہے اس لیے انسان کو بچاڑنا چیرنا بغیر کسی وجہ کے باالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت علاج کے لئے مثلاً جیسے بچہ کی جان بچانے کے لئے پھاڑنا چیرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر ایک عورت حاملہ مرگئی اور اس کا بچہ پیٹ میں زندہ حرکت کرتا ہے تو عورت کا پیٹ بائیں طرف سے چیر کر اس کے بچے کو نکال لیا جائے۔ اور اگر معاملہ برعکس ہو یعنی بچہ مرگیا اور عورت زندہ ہے اور ماں کے مرجانے کا خوف ہے تو اس بچے کو کاٹ کر نکالا جائے۔ اور اگر بچہ زندہ ہو تو کاٹ کر نہ نکالا جائے کیونکہ ماں کا مرجانا وہمی بات ہے تو زندہ بچہ کو قتل کرنا وہمی امر کے لئے جائز نہیں جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ

حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الايسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الام قطع واخرج لو ميتا والا لا[1]

اسی طرح اگر کوئی شخص پرایا مال نگل کر مرگیا تو اس کا پیٹ چیرا جائے یا نہیں اس باب میں دو قول ہیں اور بہتر یہ ہے کہ پیٹ چیرا جائے کیونکہ اس کی حرمت اس کی تعدی کے سبب جاتی رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلا تعدی اس کے پیٹ میں مال چلا گیا ہوگا تو پیٹ نہ چیرا جائے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ

"ولو بلع مال غيره ومات هل يشق قولان والاولى نعم[2]

فقہاء کی ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کی جان بچانے کے لئے اسی طرح مال کی وجہ سے بھی چیر پھاڑ جائز ہے۔ چنانچہ اگر تجربہ سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ پوسٹ مارٹم کے ذریعے حقیقی مجرموں کی شناخت ہو جاتی ہے اور بے قصور لوگ محفوظ ہو جاتے ہیں نیز تجرباتی تعلیم حاصل کرکے لوگوں کی جانیں بچائی جاسکتی ہیں . . . .

---

[1] اردو ترجمہ درالمختار الموسوم بہ غایۃ الاوطار مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج ۱، ص ۶۶۹

[2] ایضاً ص ۶۶۹۔

تو پوسٹ مارٹم جائز ہونا چاہیئے ہاں اتنی بات ضروری ہے کہ جب ایک چیز ناجائز ہو اور اسکی اجازت دیجا سکتی ہے تو یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت عام اور جیسے چاہے استعمال کرے بلکہ قرآن اور فقہ کی اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صرف بقدر ضرورت اجازت ہے ضرورت سے زائد ناجائز ہوگی مثلاً فقہ کا قاعدہ ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات بقدر ضرورت اب علماء نے فوٹو جائز کہا ہے تو صرف ضرورت کی بمقدار (۱) مذید گناہ کار ہوگا۔

اس کے علاوہ بہت سے امثلہ ہیں

اسیطرح پوسٹ مارٹم میں دیگر شرعی ممانعتوں سے بچنا ضروری ہے مثلاً مرد اور عورتیں، دونوں یا صرف عورتیں مرد کو نہ دیکھیں نہ ہاتھ لگائیں جبکہ آج یہ مرض عام ہے کہ عورت بے پردہ ہو کر مرد کی شرمگاہ کو چھوتی ہے بیشک یہ ناجائز و حرام ہے اسیطرح مرد عورت کے پوسٹ مارٹم کرتے ہیں ہاں اگرچہ مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے بطور علاج لیکن اس صورت میں جبکہ مجبوری ہو جب لیڈیز ڈاکٹرز موجود ہیں تو مرد عورتوں سے اجتناب کریں عورتیں مردوں سے اجتناب کریں دوسری بات یہ ہے کہ بغیر کسی ضرورت کے بھی پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے کسی کے اعضاء بھی نکالنے کیلئے پوسٹ مارٹم ناجائز ہے البتہ اوپر کے تین مذکورہ وجوہات میں سے کوئی وجہ ہو تو پھر جواز کی گنجائش نظر آتی ہے اس لیئے کہ اگر یہ تین چیزیں مذکورہ یقیناً پوسٹ مارٹم سے معلوم ہوں اور پھر کوئی ذریعہ اس کے علاوہ ممکن نہ ہو یا کارآمد نہ ہو تو یقیناً یہ مجبوری ہے اور پھر یہ کہ یہ بھی انسانوں کی جان بچانے کیلئے اور معصوم الدم انسان کی جان کے حفاظت کیلئے کیا جاتا ہے اس لئے درست اور جائز معلوم ہوتا ہے

احکام میت، دوسری کتب میں ہے کہ اگر کہیں شرعی ضرورت ہو تو اسمیں بھی شرعی احکام کا لحاظ ضروری ہے البتہ صاحب اعضاء انسانی احترام نے لکھا ہے کہ بطور تعلیم اور تحقیق وغیرہ کیلئے پوسٹ مارٹم جائز نہیں لیکن علماء کے ہاں راجح پہلا قول ہے کیونکہ موجودہ دور کی ضرورت ہے اور پھر یہ کہ اس سے کئی انسانی جانوں کی حفاظت ہوتی ہے یہ شریعت میں مطلوب ہے اسکے علاوہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ لو کان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فان الاشد یزال بالاخف (۲)

(۱) نظام الفتاوی مفتی نظام الدین ج ۱ ص ۲۱۹ طبع دیوبند = عصر حاضر کے فقہی مسائل مولینا بدرالحسن القاسمی
احکام میت ڈاکٹر عبد الحی صاحب
امداد الفتاوی ج ۱ ص ۵۰۸
کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۲۱۹
(۲) الاشباہ والنظائر ابن نجیم رح ص ۸۸ طبع بیروت۔

فرمایا کہ ایک ضرر بڑا ہے دوسرا چھوٹا ہے تو چھوٹے ضرر کو اختیار کر کے بڑے کو زائل کرینگے اس کے علاوہ مسئلہ یہ ہے
جب کفار مسلمان بچوں کو ڈھال بنالیں کیا اب کفار کو تیر مارے جائیں یا نہیں ظاہر ہے اس موقع پر اگر بچوں کو دیکھکر
چھوڑینگے تو کفار غالب آجائیں گے فرمایا کہ منھا جواز الرمی الی الکفار تترسوا بصبیان المسلمین فرمایا کہ اس صورت
میں بھی کفار کو تیر مارے جائینگے (۱)

ظاہر ہے کہ یہاں مسلمانوں کے بچوں کو تو ھدف ہے اور انکا احترام اور اکرام نہیں رکھا جا رہا ہے کیونکہ مجبوری کی بڑے خطرے
کا امکان ہے اسیطرح اگر فی الواقع پوسٹ مارٹم سے انسانوں کی حفاظت اور علاج کا ذریعہ ہے اور کئی انسانوں کی
جان کو جو کہ بے قصور ہوتے ہیں بچائی جاتی ہے تو اس صورت میں یہ جائز ہونا چاہیئے

موت میں مددگار دوائیں استعمال کرنے کا شرعی حکم

بیمار اور معذور افراد جنکی زندگی کی توقع نہیں جو ایک طرف خود اذیت میں گرفتار ہیں اور دوسری طرف اہل خانہ پر بوجھ
ہے انہیں ایسی دوا دینا یا ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ جلد مر سکیں کیا یہ جائز ہوگا

مسئلہ یہ ہے کہ بیماری اور شفا اور موت وغیرہ سب اللہ کی طرف سے ہے انسان صرف ظاہری اسباب کو اختیار کرتا ہے اور موت
کا وقت ہر انسان کا مقرر ہے نہ گھٹ سکتا ہے اور نہ بڑھ سکتا ہے بعض اوقات انسان سمجھتا ہے کہ فلاں شخص کا آخری
وقت ہے لیکن تقدیر میں ابھی تک اس کیلئے بہت وقت ہوتا ہے اسیطرح بعض اوقات انسان سمجھتا ہے کہ ابھی تو فلاں
شخص اس دنیا میں کافی عرصہ رھیگا جب تقدیر میں اس کیلئے کوئی گنجائش باقی نہیں ہوتی ہے ایک حدیث میں ہے
کہ تم میں سے کوئی ایک بھی اسوقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہیں کرلیتا اسیطرح قرآن کی
کئی آیت میں ہے کہ جب وقت مقررہ پورا ہوجائیگا پھر نہ آگے ہوگا نہ پیچھے ہوگا بلکہ وقت مقررہ پر موت آئیگی
دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر غیر شرعی طریقے سے تصرف کا بالکل اختیار نہیں بلکہ حتی الامکان اسکی
حفاظت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ زندگی کیلئے ظاہراً جو چیزیں ضروری ہے انکو اگر چھوڑدیگا اور مرگیا تو گناہ گار ہوگا
مثلاً فتاوی بزازیہ اور عالمگیری میں ہے کہ پانی روٹی وغیرہ اگر نہیں کھائیگا بھوک وغیرہ سے مرگیا تو گناہ گار
ہوگا معلوم ہوا کہ جان کی حفاظت ضروری ہے (۲)
باقی نفس کو قتل کرنا جیسے دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اپنے نفس کو بھی ناحق قتل اور ختم کرنے کی شرعی
اجازت نہیں۔

(۱)
(۲) عالمگیری ص ۱۵۴ ج ۵ بزازیہ حاشیہ عالمگیری ص ۶۲ ج

قرآن میں ہے کہ ولا تقتلوا النفس و لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق الآیۃ ۱۵

فرمایا کہ نفس کو قتل مت کرو جسکے اللہ تعالیٰ نے قتل کرنے کو حرام کیا ہے ہاں اگر شرعاً اسکا قتل کرنا درست ہو پھر جائز ہے اسیطرح دوسری آیت میں ہے ومن یقتل مومنا متعمدا الآیۃ ۹۳/ النساء ۶/ ۱۳/

فرمایا کہ جس نے مومن کو جان بوجھ کر بغیر شرعی مسئلہ کے قتل کیا اسکی سزا جہنم ہے

امداد الفتاویٰ ج ۵۔ ان آیتوں کو خودکشی کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے

بیشک جیسے دوسرے کو قتل کرنا ناجائز اور حرام ہے اسیطرح اپنے نفس کو قتل کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے کیونکہ قرآن میں نفس کا ذکر ہے چاہے اپنا ہو یا غیر کا ہو جہاں تک تعلق ہے مرض کے ازالہ کیلئے دوا کا استعمال کرنا ہے حدیث میں ہے

ما انزل اللہ داءً الا انزل لہ شفاء (۱)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری اتاری ہے اس کیلئے شفاء بھی نازل کی ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوا بیماری کے موافق ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے مریض اللہ کے حکم سے صحیح ہوجاتا ہے بعض اوقات موافق نہیں ہوتی (۲) اس لئے دوائی کرنی چاہیئے۔

ان احادیث اور فقہاء کرام کے عبارات وغیرہ سے معلوم ہوا کہ اپنی جان کو ھلاک کرنا آلہ سے ہو یا ایسی چیز سے کہ جس سے موت کا واقع ہونا غالباً گمان ہو یہ خودکشی ہے جو ناجائز اور حرام ہے البتہ دوا کا نہ کھانا توکل علی اللہ کی وجہ سے ہو اور پھر موت ہوجائے تو یہ شخص گناہ گار نہیں ہوگا لیکن اس نیت سے نہ کھانا کہ موت واقع ہوجائے، مصیبت سے جان چھوٹ جائے یا ایسے طریقے اختیار کرنا کہ جلدی مرجائے ناجائز ہے اس لئے کہ احادیث میں صرف مصیبت اور تکلیف کیوجہ سے موت کی تمنا کی ممانعت آئی ہے۔

پھر خود ایسے اسباب اختیار کرنا تو مزید گناہ ہے۔ (۳)

حدیث میں ہے کہ اگر تکلیف اور کوئی پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ جبتک میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہے اسوقت تک زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اسوقت موت دیدے (۴) ؎

اسیطرح حدیث میں ہے کہ جب بندہ کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اسپر صبر کرتا ہے تو اللہ اسپر یعنی صبر پر اسکو اجر دیتے ہیں لہٰذا مرض پر صبر کرنا چاہیئے اور اسکو دور کرنے کیلئے غیر شرعی طریقوں سے اجتناب کیا جائے یکرہ تمنی الموت لغضب او ضیق الخ (۵)

(۱) بخاری شریف ص ۸۴۸ ج ۲ (۲) ھکذا فی مشکوٰۃ ص ۳۸۷ ج ۱
(۳) مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۲ (۴) مسلم ج ۲ ص ۳۴۲ (۵) درمختار شامی ج ۵ ص ۲۶۹
؎ یہی ہے سب سے بہترین طریقہ پریشانی کا حل اس سے ہٹ کر دوسرا طریقہ راستہ اختیار کرنا غلط ہے۔

فرمایا کہ تنگی اور مصیبت وغیرہ کی وجہ سے موت کی تمنا بھی مکروہ ہے اور خودکشی اس قدر سخت گناہ ہے کہ آپ نے ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی (۱)

خلاصہ یہ ہوا کہ دواء غربت کی وجہ یا توکل علی اللہ کی وجہ سے نہ کھانا اور مرجانا یہ کوئی گناہ نہیں ہے لیکن ایسی دوائیں کھانا کہ جس سے انسان مرجاتا ہو یا اس نیت سے نہ کھانا اور ایسے ذرائع اختیار کرنا کہ اس مصیبت سے جان چھوٹ جائے یہ ناجائز ہے

(۱) شامی ج ا ص ۵۸۷

بارہواں باب

خرید و فروخت

خرید و فروخت

اخبار و رسائل کی خرید و فروخت

عموماً ایسے ہوا کرتا ہے کہ اخبار و رسائل کیلئے سالانہ رقم پیشگی لیجاتی ہے اور روزانہ یا ماہ بماہ جریدہ انکو دیا جاتا ہے ان اخبارات و رسائل میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انکی ضخامت بڑھا دی جاتی ہے اور کبھی کم کیجاتی ہے کبھی ایک یا چند صفحات میں ایسے اشتہارات دے دیئے جاتے ہیں جن سے خریداروں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ ان حالات میں مبیع "جو چیز فروخت کیجاتی ہے" ایک حد تک غیر متعین ہو جاتی ہے اور فقہ کی اصطلاح میں اسکو مجہول کہا جاتا ہے پھر کیا ایسی صورت میں خرید و فروخت کا یہ معاملہ درست ہوگا؟

اخبارات و رسائل کی خرید و فروخت جائز ہے جیسا کہ باقی حلال چیزوں کی خرید و فروخت جائز ہے البتہ بیع مجہول کا جو شبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ ان میں جہالت ہے لیکن تعامل اور عرف عام کیوجہ سے انکی بیع وغیرہ درست ہوتی ہے (۲)

اسی طرح معدوم چیز کی بیع نہیں کرنی چاہیئے آپ نے منع فرمایا اور جبکہ رسالہ کے اندر بیع معدوم کی صورت بھی پائی جارہی ہے لیکن شرعاً بہت سی معدوم چیزوں کا جواز منقول ہے مثلاً لأنا ترکنا القیاس لتعامل الناس فی ذالک فانهم تعاملوه من لدن رسول الله صلی الله علیه وسلم الی یومنا هذا من غیر نکیر ومنکر وتعامل الناس من غیر نکیر ومنکر اصل من الاصول کبیر لقوله صلی الله علیه وسلم ما راٰه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن وقال صلی الله علیه وسلم لا تجتمع امتی علی ضلالة وهو نظیر دخول الحمام باجرة جائز لتعامل الناس وان کان مقدار المکث فیه وما یصب من الماء مجهولاً وکذالک شرب الماء من السقاء بفلس والحجامة باجر جائز لتعامل الناس (۳)

---

(۱) شامی ج ۱ ص ۵۸۴

(۲) شامی ج ۴ ص ۱۰۱ طبع بیروت

(۳) المبسوط لشمس الائمۃ سرخسی رح ج ۱۲ ص ۱۳۸/۱۳۹ طبع بیروت

ان عبارات میں بتایا کہ جب ایک چیز موجود ہو
ملکیت نہ ہو اسکا فروخت کرنا جائز ہے
تو جس چیز کا وجود نہیں ہے اسکو فروخت کرنا بطریقہ اولی ناجائز ہونا چاہیئے لیکن ہم نے اس قیاس کو ترک کیا اس لئے
کہ بالغتہ یہ معاملہ آپ ؐ کے زمانے سے آج تک بغیر کسی نکیر کے کرتی آرہی ہے اور عوام کا عمل بغیر کسی نکیر کے اصولوں
میں سے ایک بڑا اصول ہے اس لئے کہ آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں اچھا ہوگا اور فرمایا کہ
میری امت گراہی پر جمع نہیں ہوسکتی
اسکی مثال موجود ہے مثلاً انسان حمام میں داخل ہوتا ہے نہانے کیلئے مخصوص اجرت دیکر باوجود اس بات کے کہ حمام میں
ٹھیرنے کی مقدار اور پانی کا بہانا یہ مجہول ہیں اسطرح ایک پیسے میں مشک سے پانی پیتا ہے اور حجامت کرواتا ہے
جبکہ بالوں کی مقدار اور پانی پینے کی مقدار مجہول ہیں اسکے باوجود یہ جائز ہے اسیطرح اخبارات و رسائل میں تعامل الناس ہے
دوسری بات یہ کہ اشتہارات وغیرہ کا آنا یہ عرف عام میں ہے رسالہ خریدنے والے اکثر بیشتر جانتے ہیں کہ اشتہارات
وغیرہ ہونگے، دوسری بات یہ کہ یہ کوئی عقد کے وقت شرط تو نہیں ہوتا کہ بغیر اشتہار والا رسالہ ہو اور جو اشتہار
ہوتے ہیں وہ دوسری خبروں اور تحریروں کی مانند ایک خبر ہوتی ہے ان معمولی وجوہات کی وجہ سے اس بیع کو ناجائز
نہیں کہا جاسکتا اسیطرح جہاں بھی مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع کو فاسد لکھا ہے آگے لکھا ہے کہ اس سے
جھگڑا پیدا ہوگا جبکہ مذکورہ عقد میں جھگڑے و فساد کی کوئی بات نہیں ہوتی لہٰذا فساد کی علت ختم ہوگئی
دوسری بات یہ کہ جہاں حاجت ہو ضرورت ہو اسکے علاوہ مشکل ہو وہاں اجازت دیدی جاتی ہے (۱)
فی غیر المعین معلل بلزوم الضرر والجہالۃ فاذا تحمل البائع الضرر وسلمہ زال المفسد
وارتفعت الجہالۃ أیضاً الخ (۲)
فرمایا کہ غیر معین یعنی مبیع مجہول ہونے کی صورت اصل چیز ضرر اور جہالت ہے جب بائع ضرر کو برداشت کرتا ہے
اسکو حوالے کرتا ہے تو فساد ختم ہوگیا اسیطرح جب رسالہ خریدنے والا بمع اشتہارات کے رسالہ کو خریدتا ہے تو جہالت
اور ضرر خود ختم ہوگیا اسیطرح فتوی عالمگیری میں اس مسئلہ کو صاف کردیا کہ کذا لو اشتری کتاباً علی
انہ کتاب النکاح من تالیف محمدؒ فاذا ھو کتاب الطلاق والطب وکتاب النکاح
لا من تالیف محمدؒ قالوا یجوز البیع لان الکتاب ھو السواد علی البیاض وذالک جنس واحد

(۱) کما فی الھدایۃ ص ۳۴ ج ۳

(۲) شامی ص ۱۰۹/۵۸ ج ۴ طبع بیروت ۔

وانما تختلف أنواعه ولا يمنع الجواز (۱)

فرمایا کہ اگر کتاب خریدی کہ کتاب النکاح ہو اور امام محمدؒ کی تالیف ہو اب جو کتاب اسکو دی گئی وہ کتاب الطلاق یا کتاب الطب یا کتاب النکاح تھی لیکن امام محمدؒ کی تالیف نہ تھی یہ بیع درست ہو جائیگی اس لیے کہ جنس ایک ہے وہ یعنی سفیدی پر سیاہی ہو البتہ انواع مختلف ہوتے ہیں وہ جواز کیلئے مانع اور رکاوٹ نہیں ہوتے لہذا صرف اشتہارات کیوجہ سے رسائل و اخبار کی بیع ناجائز نہیں ہوگی البتہ صاحب امداد الفتاویٰ نے لکھا ہے (۲)

اور انہوں نے یہ جواب لکھا ہے اسکا سوال یہ ہے کہ مخصوص روپیہ جمع کرانے سے تمام عمر اخبار جاری کر دیا جائیگا جواب میں فرمایا جائز نہیں بیع مجہول ہے جبکہ فتاویٰ محمودیہ والا نے لکھا ہے کہ یہ قمار یعنی جوئے کی صورت ہے اس لیے ناجائز ہے جبکہ صاحب امداد الفتاویٰ نے مسئلہ لکھا ہے کہ (۳)

بعض اہل مطابع اشتہار دیتے ہیں کہ فلاں کتاب کی طبع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے جو صاحب اس قدر قیمت پیشگی بھیجدینگے وہ اس رعایت کی مستحق ہونگے یہ معاملہ کیسے ہیں؟

جواب میں لکھا ہے کہ متاخرین نے جائز رکھا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ بھی صاحب امداد الفتاویٰ کے نزدیک جائز ہے دوسرا جو یہ ہے کہ مخصوص پیسے غیر متعین مدت کیلئے رسالے جاری کرنا یہ مسئلہ صاحب امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ محمودیہ نے ناجائز لکھا ہے ایک نے وجہ بیع مجہول لکھی ہے اور دوسرے نے قمار لکھی ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ اسمیں بیع مجہول بھی ہوتی ہے اور معدوم بھی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ قمار کی صورت میں بھی نظر آتی ہے اگر تعامل الناس کیوجہ سے جائز قرار دے شرعاً تو قرار دیں شرعاً اسکے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مدت متعین ہونی چاہیے اگر خریدنے والا مر جائے تو ورثا کو جاری کئے جائیں گے دوسرے آخری بات یہ ہے کہ دونوں مسئلوں میں خریدنے والے کو خیار ہونا چاہیے تاکہ کسی قسم کا دھوکہ اور عدم رضا کا شبہ وغیرہ نہ رہے

پارسل رسائل وغیرہ کا ڈاک میں ضائع ہو جانا

مسئلہ یہ ہے کہ ڈاک و پارسل کی صورت میں بھیجنے سے نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا فروخت کرنے والا یا خریدنے والا اس مسئلہ کی ایک صورت ملی ہے جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے فان قال المشتری للبائع زن لی فی هذا الاناء

(۱) عالمگیری ص ۱۳۱ ج ۲

(۲) امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۳۲

(۳) فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۱ ج ۴

کذا وکذا وابعث بہ مع غلامك اوقال الیٰ غلامی ففعل فانکسر الاناء فی الطریق قال ہو من مال البائع حتی یقول ادفعہ الیٰ غلامك اوقال الیٰ غلامی فاذا قال ذالك فھو وکیل فاذا دفعہ الیہ فکانہ دفعہ الی المشتری فیکون الھلاك علیہ (۱)

اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ اگر خریدنے والے فروخت کرنے والے سے کہا کہ اس برتن میں میرے لئے اتنا اتنا وزن کرو اور اسکو اپنا غلام کے ہاتھ روانہ کرو یا میرے غلام کے ہاتھ روانہ کرو چنانچہ فروخت کرنے والے نے ایسا ہی کیا چنانچہ برتن راستہ میں ٹوٹ گیا اب یہ مال فروخت کرنے والے کا ضائع ہوا اور اگر خریدنے والے نے کہا کہ اپنے غلام کو دیدو یا میرے غلام کو دیدو یہ کہنے سے وہ غلام خریدنے والے کا وکیل ہوگا جب فروخت کرنے والے نے اسی غلام کے حوالہ کر دیا تو گویا خریدنے والے کے حوالہ کر دیا اب مال ہلاک ہوا تو مشتری کا ہلاک ہوگا اگر مشتری بائع کے درمیان طے ہو کہ میں نقصان کا ضامن نہیں ہونگا پھر تو درست ہے اور اگر نہیں تو پھر ضامن بائع ہوگا جیسے کہ عرف عام بھی ہے جیسا کہ پیسے نہ بھیجنے پر مشتری کا نقصان ہوتا ہے مبیع نہ ملنے پر بائع کا نقصان سمجھا جائیگا (۲)

اسکو راجح قرار دیا قواعد کے رو سے صاحب امداد الفتاویٰ نے (۳)

خرید وفروخت میں تاجر کا کچھ زیادہ دینا

ویجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن ویجوز للبائع ان یزید للمشتری فی المبیع (۴)

اس عبارۃ مذکورہ سے واضح ہوا کہ تاجر اپنی طرف سے کوئی چیز زیادہ کر دے یا خریدنے والا اپنی طرف سے پیسے زیادہ دے تو یہ جائز ہے اسمیں کوئی حرج نہیں صاحب امداد الفتاویٰ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص خریدنے والے کو چیز کم پیسوں میں دے بغرض ثواب تو درست ہے۔ رعایت فی المعاملہ اور معافی دونوں موجب ثواب ہیں (۵)

فرضی بیع کا شرعی حکم

مسئلہ: چونکہ شریعت میں بائع کیلئے ضروری ہے کہ اسکی نیت ہو مزاح نہ کرے اسطرح کسی مصلحت اور مجبوری کی وجہ بیع کا صرف ظہور نہ ہو البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو اگر مزاحاً بولا جائے پھر بھی حقیقت شمار ہونگی مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی کہ ھزلھن جد وجدھن جداً وکما قال صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مزاح بھی حقیقت پر محمول ہوتا ہے اور حقیقت میں سچ شمار ہوتا ہے انمیں طلاق نکاح ہیں۔ بیع خرید وفروخت انمیں سے نہیں

(۱) کذا فی المحیط عالمگیر ص ۱۹ ج ۳ (۲) فتاویٰ قاضیخان علی ہامش عالمگیری ج ۳ ص ۱۹

(۳) ص ۱۳۸ ج ۳ (۴) ھدایہ ص ۵۷ ج ۳

(۵) امداد الفتاویٰ ص ۲۰ ج ۳

ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مزاح سے کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز خریدی ہے یا فروخت کی ہے۔ بیع نہ ہوگی شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والوں کو معلوم ہو کہ مزاح کر رہا ہے یا کسی مجبوری یا مصلحت کیوجہ سے اظہار کر رہا ہے اور اسپر گواہ ہو اگر کوئی گواہ نہیں ہے اور ظاہر نہیں کیا تو چند دن کے بعد کہے کہ میں نے مزاح کیا ہے اگر دونوں راضی ہیں کہ واقعی فرض ہے پھر درست ہے، اگر دوسرا اختلاف کرے تو پھر گواہ پیش کرنے ہونگے مدعی کو اسکو شرع میں بیع التلجئۃ کہتے ہیں یعنی مجبوری سے بیع کرنا رضا اور نیت میں بیع کرنا نہیں ہے اور اسمیں شک نہیں کہ بیع کرنے والا مزاح کرے اور مشتری کو علم نہ ہو اور پھر بیچنے والا گواہ پیش کرے کہ میں نے مزاح کیا تھا یہ بہت بڑا دھوکہ ہے جو کہ سخت گناہ ہے اس لئے عقد کرنے والے کے سامنے اظہار کرے اور اسپر گواہ ہوں کہ فی الحقیقت بیع نہیں ہے، بیع التلجئۃ وھو ان یظہر عقدا وھما لا یریدانہ یلجأ الیہ لخوف عدو وھو لیس ببیع فی الحقیقۃ بل کالھزل الخ (۱)

وفی الشامی قولہ، وبیع التلجئۃ ھی ما الجیٔ الیہ الانسان بغیر اختیارہ و ذالک ان یخاف الرجل السلطان فیقول لآخر اظہر انی بعت داری وذالک لیس ببیع فی الحقیقۃ وانما ھو تلجئۃ ویشھد علی ذالک (۲)

بیع تلجئۃ یہ ہے کہ دونوں خریدنے اور بیچنے والے یہ ظاہر کریں کہ وہ بیع کر رہے ہیں اور ان دونوں کا ارادہ نہ ہو دینے لینے کا صرف دشمن کیوجہ سے مجبور ہوں تو یہ بیع نہیں ہے۔ بلکہ مزاح ہے شامی والے نے لکھا ہے کہ اسمیں بندہ مجبور ہوتا ہے اپنا اختیار نہیں ہوتا اسلئے یہ کہے کہ میں یہ ظاہر کر رہا ہوں حقیقت میں فروخت نہیں کر رہا اور اسپر گواہ بھی ہوں پھر تو مالک اپنی اصل چیز کا مالک ہی رہیگا مشتری مالک نہ ہوگا (۳)

صاحب قواعد الفقہ نے بھی بیع التلجئۃ کی مذکورہ تعریف کی ہے۔ (۴)

تالاب میں مچھلی کی بیع کا حکم

بیع السمک فی البحر او البئر لا یجوز فان کانت لہ حظیرۃ فدخلہا السمک فاما ان یکون اعدھا لذالک اولا فان کان اعدھا لذالک فما دخلہا ملکہ ولیس لاحد ان یأخذہ ثم ان کان یوخذ بغیر حیلۃ اصطیاد جاز بیعہ وان لم یکن یوخذ الا بحیلۃ لا یجوز بیعہ،

---

(۱) در مختار

(۲) شامی ہکذا ص ۲۴۴ ج ۴

(۳) ھکذا فی عالمگیری ص ۲۰۹ ج ۳ امداد الفتاویٰ ص ۳۰ ج ۳

(۴) قواعد الفقہ ص ۲۱۳ ج ۱

فان لم یکن اعدھا لذالك لایملك مایدخل فیھا فلا یجوز بیعه الا ان یسد الحظیرة واذا دخل فحینئذ یملکه ثم ینظر ان کان یوخذ بلا حیلة جاز بیعه والا لا یجوز ولو لم یعدھا لذالك ولکن اخذہ ثم ارسله فی الحظیرة ملکه فان کان یوخذ بلا حیلة جاز بیعه او بحیلة لم یجز (۱)

اس عبارۃ مذکورۃ سے واضح ہوا کہ مچھلی کی بیع ہر صورت میں جائز بھی نہیں اور نہ ہی ہر صورت میں ناجائز ہے بلکہ بعض صورتیں جواز کی ہیں بعض عدم جواز کی ہیں مثلاً کنوئیں یا دریا میں مچھلیاں ہیں اس نے انکا شکار نہیں کیا تو انکی فروخت ناجائز ہے اور جب شکار کر لیا اپنے قبضے میں ہیں اور حوالے کرنے پر بغیر حیلہ کے قدرت تو اس صورت میں جائز ہیں تالاب اور حوض کی صورت بھی دیکھا جائیگا اگر اس نے مچھلی کیلئے تالاب تیار کیا یا مچھلی خود اسکے تالاب میں آگئی اس نے اس تالاب کا راستہ وغیرہ بند کیا ان صورتوں میں اسکا مالک ہو جائیگا لیکن فروخت کرنے کیلئے یہ شرط ہے کہ اگر حوض وغیرہ ہے جو کہ اسکا اپنا تیار کردہ ہے اسے بغیر حیلہ وغیرہ کے پکڑنا ممکن ہو پھر تو فروخت کر سکتا ہے اور اسکی ملک میں ہے لیکن بغیر حیلہ کے پکڑنا ممکن نہیں تو اسکی بیع کرنا بھی جائز نہیں دو چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ فروخت کرنے والی کی ملک ہو۔

۲۔ بغیر حیلہ کے مچھلی پکڑنا ممکن ہو اگر یہ دو صورتیں نہ ہوں تو پھر مچھلی کا فروخت کرنا ناجائز ہے (۲)

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی فروخت

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی فروخت کی کئی صورتیں ہیں بعض صورتیں اتفاقی ہیں بعض اختلافی ہیں لیکن عرف عام اور ابتلاء عام کیوجہ سے اختلافی صورتوں میں جواز راجح معلوم ہوتا ہے

۱۔ اگر ابھی تک پھل بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے بیع الثمار قبل الظھور لا یصح اتفاقاً الخ (۳)

اما قبل الظھور فلا یصح اتفاقاً (۴)

---

(۱) کذا فی فتح القدیر ؛ عالمگیری ص ۱۱۳ ج ۳

(۲) ھکذا فی ھدایه ص ۵۱ ج ۳ مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲ ج ۳ شامی ص ۱۰۶ ج ۴ امداد الفتاوی ص ۴۸ ج ۳ (۳) عالمگیری ص ۱۰۶ ج ۳ (۴) درمختار شامی ص ۳۸ ج ۴ طبع بیروت خلاصۃ الفتاوی ص ۳۰ ج ۳ الھدایه ص ۲۶ ج ۳ بدائع الصنائع ص ۱۳۸ ج ۵ ۔

۲۔ اگر پھل پک چکا ہے اور کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی تو بالاتفاق جائز ہے۔

۳۔ اگر پھل کچا ہے لیکن قابل انتفاع ہے تو اس صورت میں بھی بیع جائز ہے

۴۔ کچھ پک چکا ہے کچھ کچا ہے پھر بھی بیع جائز ہے جبکہ درخت پر پھل رہنے کی شرط نہ ہو۔

اسیطرح وہ صورتیں جنمیں اختلاف ہے مثلاً صرف پھول وغیرہ ظاہر ہوئے یا پھل چھوٹا چھوٹا ہے یا بعض پھل ظاہر ہو چکا ہے اور بعض ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے۔

ان تمام صورتوں کی بیع کی جواز کا یہ حیلہ مذکور ہے کہ مثلاً پتوں کی خرید و فروخت کر دی جائے اور مالک مشتری کو خوشی سے درخت پر رہنے کی اجازت دے اور اگر بعض پھل ظاہر ہو چکا ہے تو اسکی قیمت لے لے باقیماندہ مال جو پیدا ہو وہ مالک مشتری کو اجازت دے دے کہ جو پیدا ہو وہ میری طرف سے ہے اس سے بھی صحیح صورت یہ ہے کہ جب یہ معاملہ کیا جائے تو جس زمین میں باغ وغیرہ ہو اس زمین کی مستاجری کر دی جائے مشتری کو پھر اگر وہ چاہیئے اسکو کاشت نہ بھی کرے تب بھی یہ بیع جائز ہو گی اور اگر شرط لگائی گئی کہ میں اتنے عرصہ درخت پر پھل رکھونگا اس شرط سے بیع فاسد ہو جائیگی اگر شرط نہ ہو خوشی سے بائع اجازت دے تو اس صورت میں جائز ہے (۱)

ناموں کی رجسٹریشن

موجودہ زمانے میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے تو حکومت سے اسکی رجسٹریشن یعنی نام درج کروالیتا ہے کہ فلان کمپنی فلان نام کی چیز ایجاد کر رہی ہے مثلاً کوئی ادارہ یا کمپنی صابن بناتی ہے اس کا نام لالف بوائے ہے تو اب یہ لالف بوائے صابن صرف وہی کمپنی بنا کر پلیش کر سکتی ہے دوسرے کمپنی اس نام سے صابن نہیں بنا سکتی ورنہ مقدمہ چل جائیگا اسکے بہت سے مقاصد ہو سکتے ہیں انمیں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا ادارہ یا کمپنی اس نام سے صابن نکال کر ہمیں بدنام نہ کرے اسیطرح اسمیں مضر چیزیں ملا کر عوام کو نقصان نہ پہنچائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس صابن میں مضر اشیاء ملائی گئی ہو تو حکومت اس کمپنی کا نوٹس لے گی اور اسکا فوراً سدباب ہو جائیگا ظاہر ہے کہ اس قسم کے چیزیں عوام کی فلاح و بہبود کیلئے ہیں اور نقصانات وغیرہ سے محفوظ رہنے کا بھی بظاہر ایک ذریعہ ہے اس لئے یہ مباح ہوگا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمت اللہ علیہ نے آلات جدیدہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جو نئی چیز ایجاد ہو اور اسکا مقصد بھی اچھا ہو شرعی موانع نہ ہو تو وہ جائز ہے

(۱) ھکذا فی الشامی ص ۳۸ / ۴۰ ج ۴ طبع بیروت عالمگیری ص ۱۰۶ ج ۳
خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۰ / ۳ ج ۳ بدائع الصنائع ص ۱۳۹ ج ۵
امداد الفتاویٰ ص ۹۷ ج ۳ نظام الفتاویٰ ص ۳۴۳ ج ۲

دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ رجسٹریشن میں خرچہ ہوتا ہے رجسٹریشن کرانے والے کا حق ہوتا ہے یہ حق اسنے عوض دیکر لیا ہے اور بغیر عوض کے یہ حق یوں ہی دیا جائے تو رجسٹریشن کرانے والے کو نقصان ہوگا اس لئے اسکو فروخت کرنا جائز ہونا چاہیئے جیسے کہ شامی والے ۔ نے حق کو فروخت کرنے کی بحث کے آخر میں لکھا کہ فالمسئلة ظنية والنظائر متشابهة (۱)

فرمایا کہ ظنی مسئلہ ہے اور مثالیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جس سے جواز کی گنجائش نکلتی ہے

چٹ فنڈ

چٹ فنڈ کی جو صورت ہے وہ یہ کہ ایک خاص رقم متعین ہوتی ہے چند افراد اسکی ممبر بنتے ہیں وہ اپنے تناسب کی مطابق ہر ماہ رقم ادا کرتے ہیں اور مجموعی رقم ہر ماہ قرعہ اندازی یا باہمی اتفاق سے کسی ایک کو دے دی جاتی ہے یہی طریقہ تقریباً کمیٹی کا ہوتا ہے یعنی کہ چٹ فنڈ کو ہم کمیٹی بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ بعض علاقوں میں اسکو ڈلیسی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مختلف علاقوں میں اسکے مختلف نام ہیں تقریباً صورت ایک ہی ہے عام جو پاکستان میں اسکا نام ہے وہ کمیٹی اسکا طریقہ یہ ہے کہ پندرہ یا دس یا بیس افراد ملکر ہر ماہ بعد یا ہر ہفتے یا پندرہ دن کے بعد ایک مخصوص رقم جمع کرتے ہیں اور تمام افراد برابر کی رقم جمع کرتے ہیں البتہ جو آدھی رقم جمع کرے اسکو آدھی کمیٹی ملتی ہے اور جمع کرکے بیک وقت قرعہ اندازی تمام نام نکالیئے جاتے ہیں جس ترتیب سے نام نکلتے ہیں اسی ترتیب سے ہر ماہ بعد جمع شدہ رقم ان لوگوں کو دے دیجاتی ہے بعض اوقات صرف ایک نام نکالا جاتا ہے باقی نام ہر ماہ بعد قرعہ اندازی ہوتی رہتی ہے اسمیں صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان دس ماہ کے اندر اگر کمیٹی دیتا رہا تو اسکو اپنی دس ماہ کے جمع شدہ رقم بیک وقت مل جائیگی یعنی کہ ہر شخص کو اپنی دی ہوئی رقم ملتی ہے نہ زائد ملتی ہے نہ کم ملتی ہے کسی کو پہلے ملتی ہے کسی کو آخر میں ملتی ہے اور کمیٹی ڈالنے والوں کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ویسے پیسہ بچانا مشکل ہوتا ہے لیکن بہانے رقم جمع کرلی جاتی ہے ضرورت کے وقت کام آجاتی ہے یا تو ضرورت کے وقت نام نکل آئیگا یا دوسرے شخص کی رضا سے یہ پہلے لے لیتا ہے اس لئے اس طریقہ میں کوئی غیر شرعی چیز نہیں نہ جوا ہے نہ ربوا ہے اس لئے یہ درست ہے ہاں البتہ علماء نے جو بعض دوسرے صورتیں لکھی ہیں کہ جنمیں کسی شخص کو جلدی رقم حاصل کرنے کی غرض سے خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے اور کمیٹی کی متعینہ رقم کم لیتا ہے جو اسکی رقم بچی رہتی ہے وہ بطور کمیشن تمام شرکاء میں تقسیم ہو جاتی ہے یہ صورت ناجائز ہے اسلئے کہ ان ممبران نے اسکو جو قرض دیا ہے اس قرض کے عوض مزید زائد رقم لی ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ سود ہے خلاصہ یہ کہ ہر وہ صورت کہ جسمیں اپنی دی ہوئی رقم لیجائے

(۱) شامی طبع بیروت ص ۱۵ ج ۴

یہ صورت درست ہوگی اسپر زائد لینا یا قرضہ لیکر اسپر زائد دینا یہ صورت نا جائز ہوگی (۱)

غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ موجودہ اور مروجہ نوٹ اور سکے وغیرہ انکی حیثیت ثمن اصلی کے مانند ہے یا محض کاغذ اور سامان کی مانند ہے اس سلسلے میں علماء متأخرین کے دو قسم کے اقوال نظر آتے ہیں۔

(۱) یہ کہ نوٹ کے ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کہ اس نوٹ سے کوئی چیز نہ خریدی جائے یا چاندی سونے کا روپیہ نہ لیا جائے (۲)

اسیطرح مفتی رشید احمد صاحب نے لکھا ہے کہ رسیدی نوٹ جب فقیر کو دیا گیا تو یہ حکومت پر حوالہ ہوا اگر فقیر نے حکومت سے اس نوٹ کی رقم وصول کی تو اسوقت زکوٰۃ ادا ہوگی (۳)

اسیطرح فتاوی دار العلوم دیوبند میں بھی ہے صفحہ ۸۳ جلد ۶ اسیطرح فتاویٰ محمودیہ میں ہے ص ۵۹ ج ۳

اس قسم کے عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ کاغذ کا روپیہ صرف ایک کاغذ اور رسید کے مانند ہے ثمنیت نہیں ہے اسکی وہ حیثیت نہیں ہے جو سونے چاندی کے پیسوں کی ہوتی ہے لہذا مروجہ نوٹ روپے چونکہ سونے چاندی کے نہیں ہے انکو کمی بیشی سے فروخت کرنا خریدنا جائز معلوم ہوتا ہے مزید یہ ہے کہ صاحب فتاویٰ محمودیہ نے صاف لکھا ہے کہ ممالک غیر سے پاؤنڈ کی شکل میں لندن بنک کا ڈرافٹ ہندوستان آتا ہے اس ڈرافٹ کا گورنمنٹ آف انڈیا نے جو بھاؤ متعین کیا ہے اس بھاؤ سے انڈیا بینک میں ڈرافٹ نہ تڑوائے بلکہ خانگی تاجروں کے ہاں گورنمنٹ کے معینہ بھاؤ سے زیادہ رقم ملنے کی وجہ سے ڈرافٹ بھاؤ تڑوانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب فرمایا کہ اگر ایسا کرنا قانوناً ممانعت نہیں تو اسکی گنجائش ہے بشرطیکہ مسلم کو خسارہ نہ ہو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پونڈ ریال وغیرہ کو زیادہ اور کم قیمت سے لینا دینا جائز ہے۔

۲۔ اسکا دوسرا رخ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں چونکہ کاغذات کا روپیہ ہی مروجہ اور نافذ ہے چاندی سونے کا ملنا مشکل ہے تمام کاروبار پیسوں کا انہی پر چل رہا ہے انکی حیثیت ثمن اصلی کی مانند ہے یہی وجہ ہے کہ فتاوی دار العلوم کے حاشیہ پر مولانا محمد ظفیر الدین صاحب نے لکھا ہے کہ نوٹ گو کہ حوالہ یا وثیقہ ہے مگر عملاً اور عرف عام میں ثقہ اور ثمن خلقی کے حکم میں ہے اس لئے کہ سونے کے روپیہ کی کئی سال سے صورت بھی دیکھنے میں نہیں آئی لہذا خاکسار کی رائے بھی یہ ہے کہ نوٹوں سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (۱)

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ج ۱ ص ۲۲۹ کتب خانہ اردو بازار لاہور (۲) کما فی امداد الفتاویٰ ص ۵ ج ۲
(۳) احسن الفتاویٰ ص ۲۵۷ ج ۴ (۴) فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۸۳ ج ۶ ہکذا فی حاشیہ فتاویٰ محمودیہ ص ۵۹ ج ۳

اسیطرح نوٹوں سے زکوٰۃ کے سلسلے میں ہم نے ترجیح اس مسئلہ کو دی ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائیگی ان چیزوں کو مدنظر رکھکر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو رقم حکومت نے مقرر کی ہوئی ہے پونڈ کی یا ریال وغیرہ کی اس رقم پر دینا جائز ہے اور اس سے کم میں لینا یا اسے کم قیمت دینا یہ ناجائز ہے کیونکہ غیر ملکی رقوم کی حیثیت ثمن کی ہے اور ثمن کی خرید و فروخت مساوی ہوگی زیادتی ناجائز ہے اگرچہ اسوقت شہروں میں لوگوں نے اسکو مستقل کاروبار بنا کر رکھا ہے لیکن چونکہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں کمی بیشی ناجائز ہے جیسا کہ صاحب فتاویٰ محمودیہ نے لکھا ہے اپنے ملک کے پیسے دینا اور کہنا کہ حج والے نوٹ سے بدل کر اپنے ساتھ لے چلو وہاں تم مجھکو دیدینا اسمیں کمیشن بھی دونگا یہ درست نہیں ہے (۱)

اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ کیونکہ احتیاطی پہلو بھی یہی ہے (۲)

اگر ہم اسکو سامان وغیرہ قرار دیکر کمی بیشی سے فروخت جائز قرار دے جبکہ حقیقت میں سود والی صورت ہو رہی ہو اور سود نص قطعی سے حرام ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہے جو قیمت کسی بھی ملک کے نوٹ و روپیہ حکومت نے مقرر کر رکھی ہے وہ قیمت لینا جائز اور درست ہے

روپیہ بھناتے میں بٹہ لے لینا

اسکا مطلب یہ ہے کہ پیسے نوٹ وغیرہ کھلا کراتے وقت کھلا دینے والا کچھ رقم لے لیتا ہے مثلاً سو روپیہ کا نوٹ ہے یا پانچ سو روپیہ کا نوٹ ہے اب جس کے پاس یہ بڑا نوٹ ہے کسی دوکاندار وغیرہ کو کہتا ہے کہ مجھکو یہ نوٹ کھلا چاہئے چھوٹے چھوٹے نوٹ دو مثلاً پانچ والے یا دس والے یا ریزگاری چونی اٹھنی وغیرہ اس صورت میں وہ دکاندار کھلا دینے والا کہتا ہے کہ سو روپیہ کھلا دینے پر پانچ روپیہ یا دس روپیہ کاٹ لوں گا کراچی میں آجکل بولٹن مارکیٹ اور بس اسٹاپ وغیرہ پر عموماً بیٹھے ہوتے ہیں اسکا حکم یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے جیسے کہ گذشتہ مسئلہ سے معلوم معلوم ہوا کہ کاغذ والے روپیہ کی حیثیت سونے چاندی کے روپوں کی ہے کیونکہ جسکے پاس جتنے روپیہ ہونگے اسی قدر سونے چاندی کا مالک سمجھا جائیگا اور انہی نوٹوں سکوں پر مالک ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور ان سے زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہوگی لھٰذا انکی حیثیت اصل ثمن کی مانند ہے لہٰذا جیسے سونے چاندی میں یہ حکم ہیں کہ انکی بیع بیع صرف کہلاتی ہے اسمیں کمی بیشی ناجائز ہے اسیطرح اسکے اندر بھی کمی بیشی ناجائز ہوگی اور ریزگاری اور کھلا کراتے وقت زیادہ دینا اور لینا درست نہیں ہے یہ سود ہے جو کہ ناجائز ہے (۳)

---

(۱) محمودیہ ص ۱۸۹ ج ۳ ہکذا فی امداد الفتاویٰ ص ۵۵ ج ۲ ہکذا فی عزیز الفتاویٰ ص ۶۴۲ ج ۱ مکمل

(۲) کفایۃ الفتاویٰ ص ۱۱۲ ج ۸ (۳) عزیز الفتاویٰ ص ۶۴۴ ج ۱ امداد الفتاویٰ ص ۵۴ ج ۳ محمودیہ ص ۱۶۷ ج ۴ یا ص ۳ ۱۷ وکفایۃ المفتی ص ۱۱۱ ج ۸

بیعانہ کی رقم کا حکم

واعلم ان من البیوع مایجری فیہ من الایسر و کا ھل الجاھلیۃ یتعاملون بہا فیما بینھم فنہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع العربان ان یقدم المشتری الی البائع شیئاً من الثمن فان اشتری حسب من الثمن و الا فہی لہ مجاناً و فیہ معنی المیسر الخ (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ بیع کی وہ قسمیں جنمیں جُوا پایا جاتا تھا اور جاہلین وہ بیع کرتے تھے آپؐ نے اس قسم کے بیوع سے منع فرمایا ان میں سے ایک قسم بیع عربان ہے جسکی تعریف یہ ہے کہ خریدنے والا کچھ رقم پہلے دے دیتا تھا اگر معاملہ طے ہو جاتا تھا پھر تو وہ رقم اسی طے شدہ میں کاٹ دی جاتی تھی اگر معاملہ طے نہ ہو جاتا تو پھر وہ رقم فروخت کرنے والا اپنے پاس رکھ لیتا تھا بغیر کسی عوض کے اور یہی صورت تقریباً بیعانہ کی ہے بیعانہ جو عموماً دیا جاتا ہے اسکے کئی مقاصد ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ تاکہ یہ معاملہ پختہ ہو جائے ۲۔ فروخت کرنے والا کو یقین ہو جائے اور کسی کو نہ دے ۳۔ اور فروخت کرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ واقعی اب یہ چیز فروخت ہو چکی ہے اب جبکہ بیعانہ دونوں کے رضامندی سے ہوتا ہے تو نفس بیعانہ دینا جائز ہے جب بیع طے ہو جائے تو جو رقم ہوگی وہ اسمیں محسوب ہوگی اور اگر طے نہ ہو بیعانہ کی رقم واپس کردی جائے البتہ شرعاً یہ حکم ہے خریدنے والے کو تین دن کا خیار شرط ہوتا ہے تین دن کے اندر جواب دے سکتا ہے تین دن کے گذرنے کے بعد بھی کہا کہ میں یہ چیز خرید لی ہے تو بیع تام ہو چکی ہے اسکے بعد اگر خریدنے والا انکار کرے تو اسکو خریدنے پر مجبور کیا جائیگا ہاں اگر بائع کی رضامندی سے نہ خریدے تو یہ علیحدہ چیز ہے لیکن اگر بائع کہے کہ تین دن سے زائد دن ہو چکے ہیں خیار تیرا ختم ہو چکا ہے اس لئے بیع اور باقی رقم دو اسپر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن اگر مشتری نہیں خریدتا تو بیعانہ کی رقم اپنے پاس رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں وہ رقم واپس کرنی ہوگی اور حجۃ اللہ البالغہ میں اسکی مخالفت ہے اور اگر بیع میں یہ طے ہو جائے کہ اگر معاملہ طے نہ ہو تو رقم واپس کیجائیگی پھر یہ معاملہ درست ہے (۲)

بیعانہ کی رقم بائع اپنے پاس نہیں رکھ سکتا ہے (۳)

مال روک کر کسی کو تعزیر دینا یعنی سزا دینا یہ جائز نہیں ہے۔

کمافی الشامی اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی۔ (۴)

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۰ ج ۲ (۲) کمافی فتوی رشیدیہ ص ۱۸۱ (۳) کذا فی کفایۃ المفتی ص ج ۸ امداد المفتیین ص ۸۴۳ امداد الفتاوی ص ۱۴۱ ج ۳ محمودیہ ص ۱۶۹ ج ۴

(۴) شامی ص ۶۸ ج ۳ طبع بیروت۔

کسی مسلمان کا مال بغیر کسی سبب شرعی کے جائز نہیں/(۱)

لہذا یہاں بھی کوئی شرعی سبب نہیں کہ جسکی وجہ سے بائع بیعانہ کو ضبط کرے ہاں ایک مغلوط اشکال یہ ہے کہ بعض اوقات ایک چیز فروخت ہوتی ہے گاہک بہت ہوتے ہیں اب ایک شخص بیعانہ کی رقم دیکر اعتماد کرتا ہے کہ میں لوں گا چنانچہ اس دوران بہت خریدار آتے ہیں لیکن فروخت کرنے والا انکے ہاتھ فروخت نہیں کرتا اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میری چیز تو فلاں شخص نے خریدلی ہے لیکن جب اس چیز کی قیمت کم ہوجاتی ہے مارکیٹ کمزور ہوجاتی ہے اس وقت وہ انکار کرتا ہے اب اگر بیعانہ نہ روکا جائے تو بائع کو ہمیشہ نقصان ہوگا اور مشتری ہمیشہ ایسا کرینگے تنبیہ کیلئے بیعانہ روک لیا جائے تاکہ خریدنے والے ایسا نہ کرے اسکا جواب یہ ہے کہ تین دن کے بعد چونکہ شرعاً مشتری کا خیار ختم ہوچکا ہے اس لئے موجودہ قانون کے مطابق بھی یہ شخص عدالت میں دعویٰ دائر کرکے اسکو خریدنے پر مجبور کرسکتا ہے تاکہ فروخت کرنے والے کو نقصان نہ ہو اور خریدنے والے آئندہ ایسا نہ کرے صاحب امداد المفتیین نے لکھا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے وہ رقم بیعانہ کی واپس کرنے ہوگی لھذا ظاہر نہ کرے کہ بیعانہ کی رقم واپس کررہا ہوں کسی اور بہانہ اور واسطہ سے پہنچا دے تاکہ معلوم نہ ہو یہ اسلئے کہ تاکہ آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرے اگر اس نے نقصان دینے کی نیت سے یہ دھوکہ دیا ہے تو بیشک وہ سخت گناہ گار ہوگا

حق تصنیف کا مسئلہ

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے علما کی رائے اسمیں مختلف چلی آرہی ہے اسمیں دو چیزیں قابل غور ہیں ۱۔ یہ کہ مصنف یا اس ادارہ کے اجازت کے بغیر جسکو حق اشاعت دیا گیا ہے کوئی دوسرا اسکو شائع کرسکتا ہے یا نہیں ۲۔ حق تصنیف کی قیمت لیجا سکتی ہے یا نہیں جہانتک اس چیز کا تعلق ہے کہ دوسروں پر پابندی لگائی جاسکتی ہے یا نہیں جو حضرات عدم پابندی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مباح الاصل چیز ہے اسپر پابندی کا کوئی جواز نہیں ہر شخص چھاپ سکتا ہے دوسری بات یہ ہیکہ اگر پابندی لگائی جائے تو مصنف یا ادارہ من مانی قیمت لیگا جس سے عام لوگوں کو ضرر ہوگا اور عدم جواز والے حضرات کہتے ہیں کہ اولاً یہ تو سب کا کوئی حق نہیں اور اگر حق تسلیم کرلیا جائے تو بھی حقوق مجردہ کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں مال اور قابل چیز ہونی چاہیئے اس لئے نفس حق تصنیف کی اجرت جائز نہیں ہے کہ فی الشامی لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ کما کتب مفتی محمد شفیع ؒ فی امداد المفتیین کامل ص ۸۳۴ ج ۲

جو حضرات اس بات کی قائل ہے کہ مصنف کا حق ہے وہ پابندی لگا سکتا ہے وہ حضرات اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حق تصنیف کی اجرت لے سکتا ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جہاں تک مسئلہ ہے مباح الاصل چیز کا بے شک مباح الاصل

(۱) شامی ص ۱۲۱ ج ۴ طبع بیروت

ہے یہ معنی تو نہیں جو مباح الاصل ہو اسپر کوئی قدغن نہ ہو بہت سی ایسی امثلہ موجود ہیں کہ شرعاً مباح الاصل لیکن پھر بھی پابندی لگائی جاتی ہے :

۱۔ مثلاً ہر تاجر کو اپنا مال فروخت کرنے کی اجازت ہے ہر شخص کو پیش کر سکتا ہے اگر ایک شخص پیش کر چکا ہے یا بھاؤ لگا چکا ہے اب دوسرا بھاؤ اس پر نہ لگائے کیونکہ ایک لحاظ سے دوسرے کو ضرر کا احتمال ہے اسیطرح پیغام نکاح ہر عورت کو دے سکتا ہے لیکن اگر ایک شخص پیغام دے چکا ہے دوسرا اس وقت نہ دے جبتک اسکو جواب نہ مل جاتا کما فی کتب الفقہ، اسیطرح ہر شخص اپنا مال جس قیمت پر چاہے فروخت کر سکتا ہے لیکن اگر گران فروشی ہو عام لوگوں کو ضرر ہے تو مباح پر یہ پابندی وقت کا حاکم لگا سکتا ہے کہ طے شدہ نرخ پر فروخت کرو اسیطرح حق تصنیف کو قیاس کیا جائیگا کہ کتاب میں کہیں کمی بیشی نہ ہو کوئی خلط ملط نہ کرے اسکو حق دیا جائیگا اسکا جواب مفتی محمد شفیع صاحب نے دیا ہے کہ اس کیلئے عدالت سے رجوع کر کے پابندی لگوائی جا سکتی ہے لیکن سب کو علی العموم اس وجہ سے بند کرنا درست نہیں بیشک یہ بات قوی ہے کہ اس ذریعہ پابندی کیا جا سکتا ہے لیکن اور بہت سی نظریں ہیں کہ مباح چیز سے کسی وجہ سے منع کیا جا سکتا ہے مثلاً گھر پر چڑھکر ہوا کھانا مباح ہے مگر دوسرے کو ضرر ہو تو مثلاً بے پردگی وغیرہ ہو تو مباح نہیں اسکا جواب مفتی محمد شفیع رح نے دیا ہے کہ مصنف کو ضرر نہیں ہے بلکہ قلت نفع ہے قلت نفع اور چیز ہے اور عدم النفع اور چیز ہے اس لیے اگر دوسرے چھاپیں گے تو مصنف کو ضرر نہ ہوگا بلکہ نفع کم ہوگا لوگوں کو جب چیز عام ملیگی تو عوام الناس کو ضرر نہ ہوگا اور شریعت نے ضرر عام کو دفع کرنے کیلئے ضرر واحد کا اعتبار نہیں کیا مثلاً ذخیرہ اندوزی اور گرانی سے بچنے کیلئے شریعت نے حکم دیا کہ دیہات سے آنے والوں کو راستے میں روک کر شہر میں مہنگا فروخت کرنا درست نہیں جہاں تک مفتی محمد شفیع رح کے جوابات ہیں اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب مصنف نے اس کتاب کو لکھا اور محنت کی جان مال وقت خرچ کیا دین اور دنیا دونوں کی نیت ہوتی ہے اور اس کا مقصد اس سے تجارت ہوتی ہے اگر اسکو اسکا حق تصنیف نہ دیا جائے عام اجازت دی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا مصنف کتاب کو لکھنا کم کر دیگا کیونکہ پھر ذریعہ معاش دنیا تلاش کرنے پر مجبور کریگا دوسری بات یہ کہ وقت گذرنے سے بہت مسائل میں تغیر ہوتا ہے خصوصاً وہ مسائل جو اجتہادی اور قیاسی مسئلہ ہے جبکہ ابتلاء عام ہے اور مصنفین کیلئے یہ ذریعہ معاش ہے اور عالمی منڈیوں میں یہ کاروبار ہے اسلئے حق تصنیف دیا جائے دوسروں کو منع کیا جائے گا ہاں اگر مصنف اجازت دے تو ٹھیک ہے (۱)

اس لئے جو حضرات حق تصنیف کی قائل ہیں وہ اسپر عوض لینے کا قائل ہیں (۲)

---

(۲) کوئی نظام الفتاویٰ ص ۱۲۸ ج ۱ عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدر الحسن صاحب القاسمی

(۱) جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۲۲۳ ج ۱

مسئلہ یہ ہے کہ علامہ شامی نے جہاں لکھا ہے کہ حق پر عوض لینا درست نہیں وہاں یہ وضاحت لکھی ہے کہ حقوق دو قسم کے ہیں
1۔ وہ حقوق جو اصالت نہیں صرف دفع ضرر کیلئے انکو دیے ہیں اسپر عوض لینا ہے تو معلوم ہوا کہ ضرر پر راضی ہے اس لئے عوض درست نہیں جیسے حق شفعہ وغیرہ لیکن جو حقوق اصالۃً ہوں ان پر عوض درست ہے اس لئے یہ حقوق تصنیف اصالۃً ہے ان پر
2۔ عوض لینا درست ہے اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے کہ حقوق پر عوض لینا کیسا ہے فرمایا اسمیں بحث کی گنجائش ہے وبالجملۃ فالمسئلۃ ظنیۃ 3۔ یہ ظنی مسئلہ ہے قطعی نہیں ہے اس لئے دینی کتب کی حفاظت کی خاطر اور انکی زیادہ سے اشاعت کی خاطر اس معنی کر کے کہ مصنف کو رعایت دیجائے وقت اور حالات کا تقاضا ہے معاوضہ جائز ہونا چاہیئے۔

بہت سے مسائل جنکو فقہای متقدمین نے ناجائز کہا ہے متأخرین نے انکو جائز کہا ہیں اور کہا کہ وہ فقہا اس دور میں ہوتے تو اسکو جائز کہتے (1)

اس لئے یہ مذکورہ مسئلہ بھی انہی کے قبیل سے ہیں جبکہ بیع کیلئے شرط ہے کہ مبادلۃ المال بالمال ہو اگرچہ دوسرے جانب مال نہیں لیکن عرف عام میں اسکو مال کی حیثیت دیکر کتب خانہ والے بیع کر رہے ہیں

نوٹ اور پیسوں کی حیثیت

الصرف ھو بیع الثمن بالثمن أی ما خلق للثمنیۃ الی قولہ کذھب بفضۃ الخ (2)

عبارۃ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ بیع صرف وہ ہوتی ہے کہ ثمن کی بیع ثمن سے ہو وہ ثمن جو کہ خلقۃً اصلاً ثمن ہو اور وہ سونا اور چاندی ہیں اس عبارۃ سے واضح ہوا کہ اصل اور خلقتاً ثمن سونا اور چاندی ہیں اموال چہار قسم ہستند یک آنکہ اصل خلقت اثمان ہستند و بہر حال ثمن می باشند درین صرف زر و سیم ہستند (3)

اسمیں بھی بتایا کہ مال چار قسم پر ہیں ایک انمیں سے وہ ہے خلقی اور اصلی پر وہ ثمن ہیں وہ سونا چاندی ہیں آگے بتایا کہ چہارم اثمان مصطلحہ کہ در اصل خلقت ثمن نیستند مگر عرف و اصطلاح آنہارا ثمن قرار دادہ است آنہا تا وقتیکہ رائج اند ثمن ورنہ ثمن نیستند چنانچہ فلوس یا در بعض دیار ہند خرمہرہ و بالنوٹ اگر معاملہ اثمان کردہ می شود الخ (4)

اسمیں بتایا کہ مال کی چوتھی قسم وہ ہے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے وہ سامان ہے مگر عرف اور اصطلاح میں اسکو ثمن قرار دیا گیا ہے جبتک وہ رائج اور نافذ ہونگے اسوقت تک ثمن ہونگے ورنہ ثمن نہیں ہے جیسے کہ پیسے یا جیسے ہندوستان کے بعض علاقوں میں ہیں اس عبارت سے واضح ہوا کہ نوٹ روپیہ وغیرہ اگرچہ خلقتاً واصالۃً ثمن نہیں لیکن عرف عام

---

(1) کما فی رسائل ابن عابدین ص 115 (2) درمختار شامی ص 232 طبع بیروت
(3) مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی ص 13 ج 3 (4) مجموعۃ علی ہامش خلاصۃ ص 82 ج 3

میں اسکی حیثیت ثمن کی ہے نوٹ ہر چیز کہ خلقتاً ثمن نیست مگر عرفاً در حکم ثمن است بلکہ عین ثمن فہمیدہ میشود (۱) فرمایا کہ نوٹ اگرچہ خلقی طور پر ثمن نہیں ہے مگر عرف کے اعتبار سے ثمن کے حکم میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اس سے وضاحت ہو گئی کہ جو احکام عین ثمن سونے چاندی کے ہیں وہی اسکے ہونگے (۲)

لکھا ہے کہ نوٹ چونکہ مال نہیں بلکہ سند مال ہے اس سے زکوٰۃ وغیرہ اسوقت ادا ہو گی جبکہ مسکین نے اس نوٹ سے کوئی چیز وغیرہ لے لی یعنی یہ نوٹ صرف سند مال ہے اور ثمن نہیں ہے اور یہی بات فتاوٰی دار العلوم دیوبند میں بھی ہے (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ نوٹ ثمن نہیں بلکہ سند اور وثیقہ ہے بہر حال اسمیں شک نہیں کہ اصل اور اعتبار سے جو چیز ثمن ہے وہ صرف سونا اور چاندی ہے نوٹ ثمن نہیں ہے لیکن عرف کے اعتبار سے وہ ثمن کے حکم میں ہیں یہی وجہ ہے کہ جس کے پاس نوٹ ہیں اسپر زکوٰۃ فرض ہے جبکہ بقدر نصاب کے ہو اسیطرح مولانا ظفیر الدین صاحب نے فتاوٰی دار العلوم کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ نوٹ ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اسیطرح فتاوٰی محمودیہ کے حاشیہ پر بھی ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس لئے یہ کہا جائیگا جبتک عرف عام میں انکو ثمن شمار کیا جارہا ہے ان پر احکام ثمن کے جاری ہونگے عام کا غذوں اور سامان کی مانند انکی حیثیت نہ ہو گی جب انکی حیثیت عرف عام کے اعتبار سے ختم ہو جائیگی پھر یہ سامان کے مانند ہو جائینگے پھر ثمن والے احکام جاری نہ ہونگے۔

ذخیرہ اندوزی

یہ مسئلہ یعنی کہ مال کو جمع کر کے رکھنا یہ تجار کی پرانی عادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے ذخیرہ اندوزی یعنی جب لوگوں پر تنگی ہو اس وقت مال گھروں وغیرہ میں بند کر لینا اس نیت سے کہ بعد میں مہنگا فروخت کرینگے اسپر سخت وعیدیں آئی ہیں حدیث میں ہے **من احتکر فھو خاطئ** (۴)

فرمایا کہ جس نے ذخیرہ اندوزی کیا وہ گناہ گار ہے دوسری روایت میں ہے **والمحتکر ملعون** جو ذخیرہ اندوزی کرنے والا ہے اسپر لعنت ہے رواہ ابن ماجہ والدارمی (۵)

صحابہ کرام نے ذخیرہ اندوزی سے سخت منع فرمایا کرتے تھے جیسیکہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا ذخیرہ اندوزی سے منع کرنے کا ذکر ہے (۶)

---

(۱) صاحب امداد الفتاوٰی نے ص ۵ ج ۲ اور آلات جدیدہ میں ص ۱۹۸ اور صاحب نظام الفتاوٰی نے ص ۳۳۲ ج نمبر ایک پر
(۱) مجموعہ علی ہامش خلاصہ ص ۱۵ ج ۲ (۳) امداد الفتاوٰی ص ۵ ج ۲ آلات جدیدہ ص ۱۹۸ نظام الفتاوٰی ص ۳۳۲ ج ۱ فتاوٰی دار العلوم دیوبند ص ۸۳ ج ۶ (۴) مسلم شریف ص ۳۱ ج ۲ قدیمی کتب خانہ (۵) مشکوٰۃ ص ۲۵۱ ج ۱ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰ ج ۲ (۶) موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۹۱ ج ۱ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ

خلاصہ یہ کہ متقدمین اور متاخرین نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی مال کو جمع کرنا ہر وقت منع ہے یا مخصوص وقت میں اس سلسلے میں دو باتیں ہیں ۱۔ یہ کہ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہر چیز میں نہیں بلکہ مخصوص چیزوں میں ہے ۲۔ یہ کہ ان مخصوص اشیاء میں بھی ہر وقت ممانعت نہیں ہے بلکہ مخصوص اوقات میں ممانعت ہے فقہاء نے ان اشیاء کا ذکر فرمایا ہے جنہیں ذخیرہ اندوزی کرنا جائز ہے اور ساتھ شرائط بھی بتائی ہیں

وكره احتكار قوت البشر والبهائم في بلد يضر باهله ويأمره القاضي ببيع ما فضل عن قوت أهله فان لم يبع بل خالف أمر القاضي عزره بما يراه رادعاً له وباع القاضي عليه طعامه وفاقاً على الصحيح ولا يكون محتكراً بحبس غلة أرضه ومجلوبه من بلد آخر خلافاً للثاني وعند محمد ان كان يجلب منه عادة كره وهو المختار (۱)

اس عبارۃ میں بتایا کہ انسانوں اور جانوروں کی غذا کا روک لینا ایسے شہر میں کہ وہاں کے لوگوں کو ضرر اور تکلیف ہو مکروہ تحریمی ہے اور فرمایا کہ قاضی حکم دیگا کہ اس کے اور اہل عیال کے خرچ سے جو زیادہ ہے وہ فروخت کر دے ورنہ زبردستی سے فروخت کیا جائیگا اپنی زمین کا مال اور ایسی جگہ سے لایا ہوا کہ جہاں سے اس شہر میں مال نہ لایا جاتا ہو روک لینا مکروہ نہیں ہے (۲) ان عبارۃ کا خلاصہ یہ ہوا کہ احتکار ذخیرہ اندوزی کے ناجائز کی مندرجہ شرائط ہیں ۱۔ انسانوں یا حیوانوں کی غذا ہو ۲۔ احتکار کیوجہ سے اہل بلد کو ضرر پہنچ رہا ہو ۳۔ اپنی زمین کی پیداوار نہ ہو ۴۔ ایسے جگہوں سے خرید کر ذخیرہ اندوزی کی ہو کہ ان جگہوں سے غذا اس شہر میں آتے ہو۔ مذکورہ شرائط نہ ہوئے تو مال کو روک کر رکھنا ناجائز نہیں یہ متفقہ علیہ ہے ورنہ بعض نے ہر چیز کو احتکار قرار دیا ہے بعض نے کپڑوں میں احتکار کو ناجائز کہا ہے پھر یہ کہ اگر اپنا باغ اور کھیتی کی چیز ہے انکو روک تو سکتا ہے لیکن تنگی کے وقت وہ بھی اپنے پاس نہ رکھے اگر چہ احتکار تو نہیں ہوگا لیکن عوام کو ضرر اور تکلیف دینے کی نیت سے روکنا پھر بھی درست نہیں ہے باقی اسکی مدت روکنے کی بعض نے ۳۰ دن بتائی بعض نے ۴۰ دن لیکن علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ دنیا کے اعتبار سے ہے آخرت کے اعتبار سے تھوڑی دیر روکنے سے بھی گناہ گار ہوگا جبکہ مذکورہ شرطیں پائی جائینگی (۳)

---

(۱) درمختار شامی ص ۲۵۵ ج ۵ طبع بیروت

(۲) ہکذا فی عالمگیری ص ۲۱۱ / ۲۱۲ ج ۳

(۳) ہکذا فی احسن الفتاویٰ کامل ۵۶۲ امداد الفتاویٰ ص ۱۹ ج ۳

کفایۃ المفتی ص ۵۴ ج ۸

محمودیہ ص ۱۷۵ - ۱۸۷ ج ۴

اسمگلنگ

سمگلنگ کہتے ہیں غیر قانونی طور پر ملک سے باہر مال لے جانا یا لے آنا یعنی درآمد کرنا یا برآمد کرنا کما فی فیروز اللغات۔
مسئلہ یہ ہے کہ جہاں کوئی چاہیئے تجارت کرنا جائز ہے لیکن بعض مصالح کیوجہ سے حکومت پابندی بھی لگا سکتی ہے کیونکہ اگر حکومت پابندی نہ لگائے تو ملک و قوم کو نقصان اور ضرر ہو گا مثلاً اذا تعدیٰ الارباب عن القیمۃ تعدیاً فاحشاً فیسعر بمشورۃ اھل الرأی۔[1]
فرمایا کہ جب خرید و فروخت کرنے والے حد سے تجاوز کرینگے اس وقت چیزوں کی قیمت متعین کر سکتا ہے۔ جبکہ حدیث میں ہے لا تعسروا یعنی تنگی نہ کرو یعنی قیمتیں مقرر نہ کرو لیکن مصلحت کیوجہ سے ضرر عام کو دفع کرنے کیلئے فقہاء نے اجازت دی ہے کہ حاکم قیمت مقرر کر سکتا ہے۔
اسطرح اور بہت سی اشیاء ہیں کہ ملک و قوم کے حق میں جو چیز مفید ہو اور قوم کیلئے دافع ضرر ہو تو بادشاہ وقت اس قسم کی چیز مقرر کر سکتا ہے
اسیطرح اسمگلنگ کرنا ملکی جرم ہے اسمگلنگ پر اس لئے پابندی ہوتی ہے کہ باہر کی چیزیں لاکر اگر فروخت کی جائیں تو ملک اور قوم کو نقصان ہو گا۔
جیسے بلیک کرنا ناجائز ہے۔[2]
اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسمگلنگ بھی جائز نہیں ملک و قوم کو ضرر ہوتا ہے اور اشیاء میں گرانی آتی ہے تو شرعاً بھی ناجائز ہے ورنہ کم از کم قانوناً تو ناجائز ہے ہی

---

[1] شامی ج ۵ ص ۲۵۶، [2] فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۱۷۴ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۲۷۸ ادارہ دعوت اسلام کراچی

حکومت سے چھپ کر خرید و فروخت کرنا قانوناً جرم ہے شرعاً جرم نہیں لیکن جھوٹ بولنا پڑے تو وہ حرام ہے ظاہر ہے کہ اسمگلنگ میں بھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے اس کے علاوہ اسمیں اور بھی خرابیاں ہیں۔ [1]

[1] کفایت المفتی ج ۷ ص ۳۹۴، امدادیہ ملتان

تیرہواں باب
اجارہ و ذرائع معاش

رقص و موسیقی کی اجرت

گذشتہ عنوان نغمہ و موسیقی میں رقص و موسیقی کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں اور حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ یہ ناجائز و حرام ہے بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے اسلئے رقص و موسیقی دونوں ناجائز ہیں حتیٰ کہ علامہ شامی نے کہا کہ علم موسیقی بھی حرام ہے اسلئے رقص بطریق اولیٰ ناجائز و حرام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر موجودہ دور کی خباثتیں فسادات اور غلاظتیں نہ تھیں لیکن اس سے کم درجہ کی جو چیزیں ہیں مثلاً بانسری بجانے کا پیشہ اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مثلاً نہی صلی اللہ علیہ وسلم عن حلوان الکاهن ونهیٰ عن کسب الزمارة ۔ل

الزمارة کے معنی بانسری بجانے کا پیشہ کما فی مصباح اللغات

اس کے بعد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں المال الذی یحصل من مباشرة المعصیۃ لا یحل الاستمتاع بہ

فرمایا کہ جو مال ناجائز طریقے سے کمایا گیا ہو اس سے نفع حاصل کرنا ناجائز ہے فرمایا اسلئے کہ یہ مال حرام ہے اور اس مال سے نفع نہ حاصل کرنا اس معصیت پر زجر ہے تاکہ پیسوں کی لالچ میں معصیت والا کام اختیار نہ کرے اسلئے خصوصاً موجودہ زمانے میں جو رقص اور موسیقی ہو رہی ہے وہ گناہوں کے مجموعہ کے ساتھ ساتھ برائیوں کی جڑ ہے اسلئے اسکی اجرت ناجائز ہے اور حرام ہے گناہ کے اندر تعاون کرنے والے اجرت دینے والے برابر کے شریک ہونگے قرآن مجید میں ارشاد ہے وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۞ المائدہ ۲/۵

ل حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۰۰ ① مصباح اللغات ص ۳۲۴

فرمایا کہ نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔ موسیقی کے آلات کی بیع مکروہ تحریمی ہے جبکہ وہ ایک قسم کے سامان ہیں دوسری چیزیں ان سے بنائی جاسکتی ہیں [1]

اسلئے موسیقی اور ناچ کی اجرت کیسے جائز ہو سکتی ہے اسطرح علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جن چیزوں کی اجرت حرام ہے ان میں سے ماتاخذہ المغنیۃ علی الغنا والنائحۃ الیٰ قولہ ویحرم علی المغنی والنائحۃ والقوّال اخذ المال المشروط [2]

فرمایا کہ گانے والیاں اور میت پر روتی ہیں اور پیسے لیتی ہیں مقرر کرکے یہ سب ناجائز اور حرام ہیں [3]

[1] کما فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۴۴
[2] بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۴۴
[3] شامی ج ۵ ص ۳۷۳

فلم اور ٹیلی ویژن کو ذریعہ معاش بنانا

اس عنوان کا کچھ حصہ رقص وموسیقی کی بحث میں آچکا ہے اسیطرح ٹی وی اور فلم کے عنوان میں بھی اور نغمہ اور موسیقی کے اندر بھی دلائل ذکر کئے جا چکے ہیں اور اسکے مفاسد کا بیان ذکر ہو چکا ہے جس سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ دونوں آلہ معصیت ہیں انکو ذریعہ معاش بنانا گویا تعاون علی الاثم ہے اور سراسر قرآن کے حکم خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن میں تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ، فرمایا نیکی اور تقویٰ کے کاموں تعاون کرو اور گناہ اور دشمنی کے کاموں میں تعاون مت کرو ، ظاہر ہیکہ جب فلم کو دکھائیں گے یا بنائیں گے یا ٹیلی ویژن کو بنائیں گے یا دکھائیں گے تو یہ تعاون علی الاثم ہوگا جو کہ ناجائز اور حرام ہے اسلئے جب آپ نے بانسری بجا کر اجرت لینے کو اور پیشہ اختیار کرنے کو منع فرمایا ہے تو انکی برائیوں کے مجموعہ کو پیشہ بنانے کو شرعاً کیسے اجازت ہوگی ، فلم اور ٹیلی ویژن کو ذریعہ معاش بنانا ناجائز ہے [1]

[1] شامی ج ۵ ص ۳۴ بیروت
حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۰
بدائع ج ۵ ص ۱۴۴
آلات جدیدہ جواہر الفقہ ج ۱ ص ۱۶۴
امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۴۹
رسالہ ٹی وی اور ریڈیو کے شرعی احکام ص ۳۳

دینی کاموں پر اجرت

لا تصح الاجارة لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان[1]
وفي الشامي الاصل ان كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا لقوله عليه السلام اقرؤا القرآن ولا تاكلوا به وفي آخر ما عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الى عمرو بن ابي العاص رضي الله عنه وان اتخذت مؤذنا فلا تاخذ على الاذان اجرا الى قوله فلا يجوز له اخذ الاجرة من غيره كما في الصوم والصلوٰة[2]

عبارت مذکورہ میں بتایا گیا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں جیسے کہ اذان نماز وغیرہ ہیں پھر کہا کہ موجودہ حالات اور وقت کا تقاضا کرتے ہوئے تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ اسیطرح امامت اور اذان کی اجرت لینا جائز ہے[3]
علامہ شامی نے اصول بیان کیا کہ ہر وہ طاعت کہ جو مسلم کے ساتھ خاص ہے اسپر اجرت لینا جائز نہیں اسکی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآن پڑھکر اس پر کھاؤ مت اسیطرح عمرو بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب مؤذن بن جاتے اسپر اجرت نہ لینا اسکے علاوہ نماز روزہ کی اجرت بھی جائز نہیں۔ اسلئے اصل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے کہ طاعت

[1] در مختار

[2] ہدایۃ ج ۳ ص ۳۰۳ مکتبہ شرقیہ ملتان
شامی ج ۵ ص ۳۴ بیروت

[3] فتاوٰی التعزیریہ ج ۱ ص ۲۳۱

پر اجرت لینا جائز نہیں لیکن وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے فقہاء نے
چند چیزوں پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور فقہ کا اصول ہے .
العرف لہ اعتبار کہ عرف کا بھی اعتبار ہوتا ہے ،
بہت سے خرید وفروخت کے مسائل ہیں جواز عرف کیوجہ سے ہوا ہے [1]
اسیطرح الضرورات تبیح المحظورات [2]
بہت سی ضرورتوں کیوجہ سے ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں مثلاً تصویر
ناجائز اور حرام ہے لیکن جب ضرورتِ شدید ہو کہ اسکے بغیر حج کا فریضہ
ادا کرنا مشکل ہے زندگی گذارنا دشوار ہو تو بقدر ضرورت تصویر جائز ہے اسیطرح
چونکہ اب لوگوں میں سستی پیدا ہو گئی ہے اسلامی مملکتیں ایسی نہیں کہ جو اہل دین
کی خدمت کرتی رہیں ان کیلئے وظیفہ کا بندوبست ہو اور علماء روزی میں اور
زندگی گذارنے کیلئے ہر وقت مال اور پیسوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور ضروریات
زندگی ہر شخص کے ساتھ ہیں چنانچہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے فقہاء نے چند
مخصوص طاعات پر اجرت کو جائز کہا ہے . وہ بھی ضرورت کیوجہ سے نفس قرآن
پڑھنے میں چونکہ کوئی ضرورت نہیں اسلئے اسپر اجرت جائز نہیں [3]
اس لئے دین کے ہر کام پر اجرت لینا جائز نہیں اور ہر دینی کام پر اجرت لینا ناجائز
بھی نہیں بلکہ مخصوص اشیاء پر ضرورتِ شدیدہ کے وقت جائز ہے [4]

[1] عقود رسم المفتی

[2] قواعد الفقہ

[3] شامی ج ۵ ص ۳۴ ،
کفایت المفتی ج ص

[4] عزیز الفتاویٰ ص ۱۶۶
امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۸۸
فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۹۸
خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۴

تعطیلات اور رخصتوں کی تنخواہیں

مسئلہ یہ ہے تعطیلات اور رخصتوں کی نوعیت مختلف ہے اور کام کرنے کرانے والوں کی نوعیت مختلف ہے مثلاً بعض مقامات میں خصوصاً ملوں وغیرہ میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ جس دن آئے گے اس دن اجرت ملے گی اور کمپنی اور کارخانہ کیطرف سے کسی دن کی چھٹی نہیں چنانچہ بعض مقامات پر جمعہ وغیرہ کی چھٹی بھی نہیں ہوتی اور کام کرنے والا اس شرط پر راضی ہو کر کام کرتا ہے لہذا جس دن وہ چھٹی کریگا اس دن کی اجرت نہیں ملے گی بعض جگہوں پر چھٹیاں مقرر ہوتی ہیں اور یہ بتایا جاتا ہے کہ ان مخصوص چھٹیوں کے علاوہ چھٹیاں کیں تو تنخواہ نہیں ملے گی اس صورت میں ادارہ کی مخصوص چھٹیوں کے علاوہ نہ کرنے پر تنخواہ اور اجرت کا مستحق نہیں ہوگا البتہ بعض مقامات پر ایسا ہوتا ہے کہ تنخواہ کاٹنے کا ذکر بھی نہیں ہوتا اور مخصوص چھٹیوں کا ذکر بھی نہیں ہوتا بلکہ عرف عام پر چھوڑ دیا جاتا ہے اس صورت میں اس ادارہ یا کمپنی کے سربراہ کی اجازت اور رضا سے جو چھٹیاں ہونگی انکی اجرت کا مستحق ہوگا اور جو انکی رضا اور اجازت کے بغیر ہونگی ان کا وہ مستحق نہیں ہوگا باقی اگر ادارہ چھٹی کرتا ہے یا بچے پڑھنے کیلئے نہ آئیں اور یہ اپنی حاضری مکمل دیتا ہے تو اس صورت میں بھی اجرت کا مستحق ہوگا۔ [1]

صاحب عزیز الفتویٰ نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی غیر حاضری جو کہ ضرورت کے وقت جائز ہے تقریباً دو ہفتہ کی غیر حاضری سال بھر میں معاف ہے [2]

[1] شامی ج ۳ ص ۳۸۰ بیروت

امداد الفتویٰ ج ۳ ص ۳۴۸، ۳۴۹

[2] عزیز الفتاوی ج ۲ ص ۶۶۵

ریلوے اور بس ٹکٹ کی حیثیت

مسئلہ یہ ہے کہ اگرچہ بعینہٖ بس اور ریلوے گاڑیاں پہلے نہ تھیں لیکن گھوڑے اور کشتیاں وغیرہ تھیں اور انکے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ کشتی یا جانور کو اجرت پر دینا جائز ہے۔ [1]
اسیطرح بس اور ریل گاڑی بھی ہیں کہ سوار ہونے والے مستاجر ہوتے ہیں اور اس کے مالک اجیر کرایہ پر دینے والے ہوتے ہیں اسلئے جو کرایہ طے ہو جاتا ہے اس کے مطابق جب انسان سفر کرتا ہے تو اب اتنے پیسے دینا ضروری ہیں۔ اصل چیز کرایہ ہے جہاں تک تعلق ہے ٹکٹ کا یہ بطور علامت اور نشانی کے ہے جس سے شناخت ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے کرایہ دیا ہے اور فلاں شخص کے ذمہ باقی ہے اور یہ ٹکٹ عموماً وہاں ہوتا ہے جہاں بڑی گاڑیاں ہوں سواری زیادہ ہوں یہی وجہ ہے کہ رکشہ ٹیکسی میں ٹکٹ نہیں دیا جاتا کیونکہ وہاں ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اسلئے اصل چیز طے شدہ رقم کی ادائیگی ہے وہ ادا کرنا ضروری ہے اگر ادا نہ کیا تو شرعاً اتنا روپیہ کا غاصب یا چور شمار ہوتا ہے جب تک ادائیگی عمل میں نہیں آتی اسوقت تک اس کا ذمہ باقی رہے گا۔
باقی اگر بس مالک خود معاف کردے تو علیحدہ بات ہے باقی سرکاری بسیں اور گاڑیوں کی مالک حکومت ہوتی ہے اسکی معافی صرف حکومت دے سکتی ہے اگر کنڈیکٹر معاف کرتا ہے اور اسکو اختیار نہیں دیا گیا ہے تو بھرنا جائز ہے ہاں اگر انکو اپنے مخصوص حضرات کو بغیر ٹکٹ کی اجازت ہے یہ حکومت نے رخصت دے رکھی ہے پھر وہ اپنے مخصوص حضرات سے ٹکٹ نہ لیں تو اسمیں گنجائش ہے
نوٹ :- چونکہ ٹکٹ ایک علامت اور نشانی کی حیثیت رکھتا ہے

[1] خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۴۰

اسلئے تو اصل رقم ہی ادا کرنا ہے اگرچہ ٹکٹ نہ لیا جائے لیکن موجودہ دور
میں معلوم ہوا ہے کہ سرکاری بسوں میں ٹکٹ ضرور حاصل کرنا چاہیئے تاکہ وہ
رقم گورنمنٹ کے کھاتے میں پہنچ جائے ورنہ کنڈیکٹر وغیرہ اپنے پاس رکھ لیتے ہیں
اسلئے سواریوں کو چاہیئے کہ وہ حتی الامکان کوشش کریں کہ یہ رقم گورنمنٹ تک
پہنچ جائے اور اگر آپ نے رقم ادا کی اور ٹکٹ نہ لیا تو چیکنگ کے دوران ٹکٹ نہ
ہونے پر جرمانہ کیا جائے گا اسلئے کہ اسکو تو معلوم نہیں ہے کہ آپ نے پیسے دیئے
ہیں یا نہیں وہ تو ظاہر پر فیصلہ کر کے جرمانہ لینگے اگرچہ آپ عند اللہ مجرم نہ تھے [1]

[1] جدید فقہی مسائل خالد سیف اللہ ص ۲۵۱

سود و قمار

چودھواں باب

سود و قمار

سودی قرض لینا

سود لینا اور دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے سود کے حرام ہونے پر قرآن واحادیث واضح طور پر دال ہے مثلاً قرآن میں ہے

واحل اللہ البیع وحرم الربٰو الآیۃ [1]

اللہ نے خرید وفروخت کو جائز اور حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح دوسری آیت میں ہے

یاایھا الذین آمنوا لاتاکلوا الربٰو [2]

اے ایمان والو سود مت کھاؤ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقات [3]

ترجمہ۔ اللہ سود کو مٹاتے یعنی ختم کرتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور جس کو اللہ مٹانا چاہے اور انسان اس کو بڑھانا چاہے یہ اللہ کی کھلی بغاوت ہوئی او انسان جب بغاوت پر اترتا ہے تو اس کو پھر جنگ کیلئے الٹی میٹم دے دیا جاتا ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا

فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ [4]

فرمایا کہ اگر سودی معاملہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو کس قدر سخت وعید فرمائی جس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہو وہ شخص کیسے خوش قسمت ہو سکتا ہے اور جس چیز کی وجہ سے اعلان جنگ ہو وہ کیسے جائز ہو سکتی ہے صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ احادیث کے اندر بھی سود کھانے والے اور سود کے اندر مددگار بننے والے پر بھی سخت وعیدیں ہیں

[1] سورۃ بقرہ پ ۳ [2] سورۃ آل عمران پ ۴ [3] سورۃ بقرہ پ ۳ [4] سورۃ بقرہ پ ۳

بلینک کا سود

جیسے کہ ابتداء میں سود کے متعلق قرآن واحادیث ذکر کی گئی ہیں جن سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کیلئے سود لینا دینا جائز نہیں ہے اور پھر یہ کہ زمانہ جاہلیت کے سود کا طریقہ بھی متعین ہو گیا اور بینک کے اندر بھی انسان قرضہ دیتا ہے اور اس پر زیادتی وصول کرتا ہے یہ ناجائز ہے اس لئے سود انجمن کے ذریعہ ہو یا حکومت کی طرف سے یا بینک کی طرف سے ہو ناجائز ہے چونکہ پاکستان تو دارالاسلام ہے اس میں تو جواز کی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی انسان اس کو استعمال نہیں کرتا اس لئے اوّلاً بینک میں رقم جمع ہی نہ کی جائے تاکہ اسپر سود وغیرہ نہ دینا پڑے اور نہ ہی اس کو مزید قوت ملے اور اگر انسان حفاظت کیوجہ سے یا اور کسی وجہ سے مجبور ہو تو پھر کوشش کی جائے کہ غیر سودی کھاتے میں جمع کیا جائے باقی یہ کہ اگر مجبوراً سودی کھاتے میں جمع کیا جائے تو اب سودی رقم نہ لے جبکہ معلوم ہو کہ حکومت یہ سودی رقم ناجائز اور بے دین کاموں میں خرچ نہ کریگی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے بے دین لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے یا یہ پیسے فحاشی میں خرچ کئے جائینگے پھر اس رقم کو نکال کر بغیر ثواب کی نیت کے کسی کو دیدے[1]

[1] نظام الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۷۵ ۔ فتاوٰی رحیمیہ ج ۳ ص ۲۶۵
کفایت المفتی ج ۸ ص ۵۵ تا ۵۶

پراویڈنٹ فنڈ

اس رقم کو کہا جاتا ہے جو کہ ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ کچھ رقم وضع کی جاتی ہے اور ملازمت کے ختم پر اس کو ملتی ہے کما فی فیروز اللغات اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تنخواہ سے جو رقم رکھی جاتی ہے وہی اکٹھی ہوتی رہتی ہے وہ اسکو اکٹھی مل جاتی ہے لیکن اگر یہ بات ہے کہ مزید اضافہ کے ساتھ بھی دی جاتی ہے تو اسکو علماء نے انعام یا عطیہ قرار دیا ہے اس لئے پراویڈنٹ فنڈ اسپر مزید ملنے والی رقم لینا اور استعمال کرنا جائز ہے یہ سود نہیں ہے اس لئے کہ اسکو جو رقم زائد مل رہی ہے اصل وجہ ملازمت ہے دوسری بات یہ کہ وہ فنڈ جو جمع ہوتا ہے یہ انسان جمع کرائے یا نہ کرائے ہر صورت میں ایک مخصوص رقم رکھ لی جاتی ہے اس لئے اس کو علماء نے جائز قرار دیا ہے البتہ فتاوٰی رحیمیہ والے نے لکھا ہے کہ اپنی مرضی سے جو رقم جمع کرائی جائے اس پر زائد سود ہوگا۔[1]

[1] فتاوٰی رحیمیہ ج ۵ ص ۱۴۷ ۔ کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۶۵
فتاوٰی محمودیہ ج ۱۴ ص ۲۱۹ ۔ جواہر الفقہ ج ۱ ص ۲۸۵
احسن الفتاوٰی ج ۷ ص ۲۶۰ ۔ امداد المفتین ص ۳۲۶

بینک کے سود کے مصارف

مسئلہ یہ ہے کہ سود کا مال حرام ہے اس لئے یہ شخص اس قسم کی رقم کو اپنی تصرف میں نہیں لا سکتا یعنی کوئی چیز خرید کر استعمال نہیں کر سکتا اسی طرح جن کی پرورش ان کی ذمہ ہے ان پر بھی خرچ نہیں کر سکتا اور نہ ہی مقدس چیزوں میں خرچ کر سکتا ہے جیسے کہ مسجد کی تعمیر میں اسی طرح اس پر جو شرعًا واجبات وغیرہ ہے مثلاً کفارہ زکوٰۃ اور صدقۃ الفطرہ وغیرہ ان میں بھی نہیں دے سکتا گویا کہ یہ پیسے اس کی ملک ہی نہیں ہے اس لئے اس کا ان پر کوئی حق نہیں دوسری بات یہ کہ بینک سے سود کی رقم نکلوانے کیوجہ مفتی کفایت اللہ نے یہ لکھا کہ وہ مسیحیت پر خرچ کریگی چونکہ اسلام کو ان پیسوں سے نقصان ہوگا اس لئے نکلوا لئے جائیں اگر مسلمان حکومت سے اس قسم کا اندیشہ نہ ہوگا اور غلط مقامات پر نہ لگانے کا یقین ہو پھر تو سود نکلوانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اگر نکلوائے تو بغیر صدقہ کی نیت کرے اور کسی فقیر یا محتاج کو دیدئے جائیں اور دفع وبال کی نیت سے خرچ کرے لے

حرام مال کو صدقہ کی نیت سے قطعًا نہ دیا جائے اگر ثواب کی نیت کی اور حرام کو حلال سمجھ کر کیا تو کفر ہے ۲ے

لے کفایت المفتی ج ۸ ص ۵۶ ۔ فتاوٰی رحیمیہ ج ۳ ص ۲۶۰ ۔ فتاوٰی محمودیہ ج ۴ ص ۲۰۳
فتاوٰی رشیدیہ ص ۴۹۰
۲ے فتاوٰی شامی ج ۲ ص ۲۶ طبع بیروت

عن عبد اللہ رضی قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربٰو وموکلہ
دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وکاتبہ وشاھدیہ الخ[1]

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ رضی سے روایت ہے فرمایا کہ آپ ؐ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ سود کو لکھنے والے اور گواہ بننے والوں پر بھی لعنت فرمائی ہے اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ شریعت کی نظر میں سود اتنی خراب اور مفاسد والی چیز ہے کہ صرف کھانے والے پر ہی نہیں بلکہ اس میں معاون ومددگار پر بھی لعنت فرمائی ہے ایک روایت میں ہے کہ سود اگرچہ زیادہ نظر آتا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے کم ہی ہوتا ہے (ابن ماجہ بیہقی)[2]

سود کے مختلف طریقے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ قرض لیا جائے مثلاً ہزار روپیہ اور کہا جائے کہ جب ادا کروں گا تو ڈیڑھ ہزار یا اس سے زائد دونگا یہ سود ہے اور زمانہ جاہلیت میں عموماً یہی طریقہ ہوتا تھا کہ جب کوئی ادھار لیتا ادھار ادا کرنے کی مدت پوری ہوجاتی تھی قرض خواہ کہتا کہ قرضہ ادا کروگے یا مدت میں اضافہ کرکے رقم سے زائد دوگے

کما روی عن زید ابن اسلم انہ قال کان الربٰو فی الجاھلیۃ ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل فاذا حل العقد قال اتقضی ام تربی فان قضی اخذ والا زادہ فی حقہ واخر عنہ فی الاجل[3]

اس لئے اس حدیث سے واضح ہوا کہ قرض دیکر اس پر سود لینا یہ پرانی رسم ہے اور اسی قسم کے سود کی ممانعت قرآن وحدیث میں آئی ہے اسلئے سودی قرض لینا اور دینا ناجائز اور حرام ہے[4]

[1] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷ [2] مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۲۴۶
[3] موطا امام مالک ج ۱ ص ۲۰۴ [4] الاشبار ص ۱۰۰۸

البتہ جو شخص شدید محتاج ہو ایسا محتاج کہ یہ شخص اگر ممنوع شئی استعمال نہ کریگا تو موت یا قریب الموت ہو جائیگا اس صورت میں سودی قرض لینا بقدر ضرورت جائز ہوگا

وفی القنیۃ من الکراہیۃ یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح [1]

فرمایا کہ جو شخص محتاج ہو وہ نفع کی بنیاد پر قرض لے سکتا ہے اور محتاج کی وضاحت اوپر کر دی گئی ہے اس لئے آرام کیلئے تعیش کے لئے زیب وزینت کیلئے صرف تنگی کو دور کرنے کیلئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہے اس صورت میں یہ خیال رکھا جائے جبکہ اس سود کے بغیر قرض کہیں سے نہ ملے زکوۃ بھی نہ ملے کوئی دوسرا طریقہ بھی نہ ہو پھر بقدر ضرورت گنجائش ہے لیکن اس صورت میں بھی سودی قرض دینے والے کیلئے ناجائز ہے بعض علماء نے سرکاری قرضہ جات جو دیئے جاتے ہیں اس پر جو سود لیتے ہیں اس کو جائز لکھا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے

اس لئے کہ پھر بینک کے سود اور دوسرے بہت سے سودی کاروبار جائز قرار دینے پڑینگے دوسری بات یہ ہے کہ اگر چہ حکومت کو خود فائدہ مقصود نہیں بلکہ عوام کا ہے لیکن عوام کی فلاح جواز کی قطعاً حجت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جب قرآن وحدیث میں اس قدر سخت ممانعت ہے ہم اس کو بغیر ضرورت شدیدہ کے کیسے جائز کہیں اس سے سودی کاروبار کا دروازہ کھل جائیگا اس لئے حکومت سامان دیکر اس کا پیسہ زیادہ وصول کرے یعنی کہ یہ حیلہ کرے یا پیسہ دے کر سامان وصول کرے اس لئے جو حکومت بھی رقم قرضے کے طور پر دیگی اس سے جو سود لے گی ناجائز ہے۔

بیشک صاحب نظام الفتاوی نے یہ بات لکھی ہے اس سے آگے یہ بھی مذکور ہے کہ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس رقم کے معاملات سے پرہیز رکھنا ضروری ہے بغیر کسی شدید معذوری کے ان کے قریب بھی نہ جانا چاہیئے۔ اگر اس کو سود ہی قرار دیا جائے

[1] بحرالرائق ج ۶ ص ۱۳۷

جب تو اس سے اجتناب اور پرہیز کا حتی المقدور ہونا ظاہر ہے[1]
اس سے واضح ہوا کہ ان کے نزدیک عام حالات میں مباح نہیں اور قطعی مباح
بھی نہیں بلکہ سود کا احتمال ہے اس لئے یہ سود ہوگا[2]

[1] نظام الفتاوی ج ۱ ص ۲۷۰ تا ۲۷۱
[2] فتاوی محمودیہ ج ۱۲ ص ۲۴۲ — فتاوی رشیدیہ ص ۵۰۹
فتاوی رحیمیہ ج ۶ ص ۲۵۵ تا ۲۵۶

ٹیکس میں سود کی رقم دینا

سود کی رقم ٹیکس میں دینے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا ٹیکس دینا ضروری ہے
صاحب شامیؒ نے لکھا ہے کہ

لانہا واجبۃ علی کل مسلم موسر بایجاب الطاعۃ لولی الامر فیما فیہ مصلحۃ المسلمین

اس عبارت میں بتایا کہ ٹیکس ہر مالدار کو دینا ضروری ہے۔[1]
اس لئے کہ بادشاہ وقت کی اطاعت واجب ہے جسمیں مسلمانوں کیلئے مصلحت ہو
علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ٹیکس منصفانہ بھی ہوتے ہیں مثلاً نہر کے کھودنے کیلئے محلہ کی حفاظت کرنے کیلئے اور چوکیدار مقرر کرنے کیلئے اور لشکروں کی تیاری وغیرہ کیلئے

سواءٌ بحق کان ککری نھر المشترک للعامۃ[2]

قنیہ میں ابو جعفر بلخیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر سلطان رعایا کی مصلحت کی خاطر ٹیکس مقرر کرے تو وہ خراج کیطرح لازمی قرض ہو جائیگا[3]
اس کی ادائیگی سے باز رہنا درست نہیں ان عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ عادلانہ ٹیکس جو کہ عوام کے فوائد اور اصلاح کیلئے ہو ان کی ادائیگی ضروری ہے بلکہ صاحب فقہ الزکوٰۃ نے لکھا ہے کہ مسالک اربعہ کے فقہاء نے ٹیکس عادلہ کو جائز کہا ہے اگرچہ انہوں نے اس اندیشہ کی بناء پر اس کے جواز کا برملا فتویٰ نہیں دیا ہے کہ حکمران ٹیکس لگانے میں جبری ہو جائنگے اور عوام پر ظلم شروع کرینگے[4]

[1] شامی ج ۴ ص ۲۸۲ طبع بیروت [2] شامی ج ۲ ص ۵۷ بیروت
[3] شامی ج ۲ ص ۵۷ بیروت [4] فقہ الزکوٰۃ ج ۴ ص ۳۰۴ البدر پبلیکیشنز لاہور

واضح ہو گیا کہ کچھ ٹیکس واجب اور کچھ غیر واجب ہے کہ جو ظلماً لئے جائیں اور حد سے تجاوز ہوں اور پہلے گزر چکا ہے کہ انسان سود کے مال کو اپنے تصرف میں اور اپنی ضرورت میں خرچ نہیں کریگا جیسے کہ کسی کا قرضہ وغیرہ دینا ہو اب چونکہ ٹیکس واجب چونکہ دین کی مثل ہے ان کی ادائیگی ضروری ہے اس لئے اس میں سود کی رقم دینا درست نہیں صاحب کتاب جدید فقہی مسائل نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے ٹیکس میں سود نہ دی جائے اس کی وجہ اور علت دوسری بیان کی ہے البتہ غیر واجب اور غیر منصفانہ ٹیکسوں میں جو کہ سراسر ظلم ہو کہ جو انسان کی برداشت سے باہر ہو اس میں سود کی رقم دینے کی گنجائش ہے [1]

نظام الفتاویٰ اور صاحب کفایت المفتی نے علی الاطلاق لکھا ہے کہ ٹیکس میں سود کی رقم دینا جائز ہے [2]

لیکن احتیاط اور تقویٰ اسی میں ہے کہ سود کی رقم کسی قسم کے ٹیکس میں نہ دی جائے تاکہ سود لینے دینے کا کاروبار ختم ہو جائے

1. فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۲۰۳ - فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۴۹، ج ۶ ص ۱۳۶
2. نظام الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۱ہ - کفایت المفتی ج ۸ ص ۷۶

سود میں سود کی ادائیگی

مسئلہ یہ ہے کہ سود کی رقم لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں جیسے کہ ماقبل میں حوالے گذر چکے ہیں ۔ اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ اپنے استعمال میں لانا درست نہیں ہے۔
احتیاط تو یہ ہے کہ اپنی کسی قسم کی ذاتی مصرف میں نہ خرچ کیا جائے یعنی نہ ٹیکس اور نہ ہی سودی قرض وغیرہ میں تاکہ سود کا سدباب ہو جائے ۔
لیکن علماء نے اس میں گنجائش رکھی ہے کہ ٹیکس اور اسیطرح سودی رقم کو قرض میں دے سکتا ہے لہ
جب عام قرض میں سودی رقم انتہائی مجبوری اور اضطراری حالت میں دینا جائز ہے تو سودی رقم کو سود کے عوض دینا بطریقہ اولیٰ جائز معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال جن صورتوں میں سودی رقم ادا کرنے کو علماء جائز کہتے ہیں اس نیت سے سود لینا اور رقم دینا گناہ ہے۔
یہ تو وہ صورتیں ہیں کہ بلا اختیار سود کی رقم آجائے تو اب اسکو ضائع کرنے کی بجائے ان چیزوں میں صرف کیا جائے ۔ ازالہ گناہ کی نیت ہو نہ کہ ثواب کی نیت ہو

لہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۱۳۹

بینک میں رقم جمع کرنا

مسئلہ یہ ہے کہ شرعاً چونکہ سود ناجائز اور حرام ہے اور حدیث سے معلوم ہو گیا کہ سود کا لکھنے والا اور گواہ بننے والا بھی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سود کے کاروبار کا کسی قسم کا تعاون شرعاً جائز نہیں ہے اور اگر سودی ادارے میں چاہے بینک یا غیر بینک ہو پیسے جمع کرائے جائیں تو اس کی حوصلہ افزائی ہوگی اور تعاون بھی ہوگا اور ایسے کئی مزید سودی کاروبار میں اضافہ ہوگا اس لئے سودی ادارے میں رقم جمع کرانے سے اجتناب کیا جائے

دوسرا رخ یہ ہے کہ شرعاً کسی کے پاس حفاظت کی غرض سے پیسے رکھنا جائز ہے کوئی شخصی یا اجتماعی ممانعت نہیں ہے اس لئے اگر انسان کی غرض صرف حفاظت ہو اور حفاظت کیلئے سودی بینک کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر تو ایک مجبوری ہے اسلئے اس صورت میں گنجائش ہے مگر پھر بھی اچھا نہیں ہے اور اگر سود کی نیت سے جمع کئے جائیں پھر ناجائز اور حرام ہے اس لئے چونکہ موجودہ دور میں غیر سودی بینک بھی ہیں ان میں جمع کرائے جائیں اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب حکومت دیکھے گی کہ سودی بینکوں میں رقم کم آرہی ہے اور غیر سودی میں زیادہ آرہی ہے تو مجبوراً وہ سودی بینک بند کرنے پر مجبور ہو جائیگی سودی بینک صرف عوام کی رقم سے چل رہے ہیں عوام رقم جمع کراتے ہیں اور وہ سودی کاروبار کر رہے ہیں اس لئے حتی الامکان سودی بینک میں رقم جمع کرنے سے اجتناب کیا جائے [1]

حضرت رشید احمد گنگوہی نے بینک میں رقم جمع کرنے سے منع فرمایا ہے [2]

[1] نظام الفتاوی ج ۲ ص ۲۶۶ ۔ فتاوی رشیدیہ ص ۴۸۹ ۔ کفایت المفتی ج ۸ ص ۶۹
فتاوی محمودیہ ج ۴ ص ۲۰۵

[2] فتاوی رشیدیہ ص ۴۸۹

قرض کا فروخت کرنا

اذا باع الدین من غیر من ھو علیہ کما ذکر لا یصح قال مولانا فی فوائدہ وبیع الدین لا یجوز الخ [1]

مسئلہ یہ ہے کہ جب ہم نے ان نوٹوں کی حیثیت ثمنِ اصلی قرار دی ہے تو اب ان نوٹوں میں خرید و فروخت کرنا بیع صرف کہلاتی ہے اور بیع صرف میں شرط ہے کہ کمی بیشی بھی نہ ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ جانبین سے قبضہ شرط ہے۔ جبکہ قرضہ جب فروخت کیا جائے گا تو ایک جانب ادھار ہو گا۔ اور زیادتی کی صورت میں بھی ناجائز ہے، ویشترط التماثل والتقابض الخ [2]

اسلئے اگر کوئی شخص جس کا قرضہ ہے وہ دوسرے کو کہے کہ پانچ سو میں نے قرضہ لینا ہے تم مجھے نقد دو سو روپے دو اور وہ پانچ سو روپے تم وصول کر لینا، یہ ناجائز ہے۔ [3]

[1] شامی ج ۴، ص ۱۴۷، بیروت

[2] شامی ج ۴، ص ۲۳۴، بیروت

[3] کفایت المفتی ج ۸، ص ۱۵۸

مال مرہون سے استفادہ

مالِ مرہون وہ ہوتا ہے۔ کہ مثلاً ایک شخص کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی شخص کو کہتا ہے کہ تم مجھے رقم دو۔ چنانچہ وہ رقم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم میرے پاس کوئی چیز رکھواؤ تاکہ مجھے یقین ہو کہ تم مجھے رقم واپس دوگے۔ چنانچہ وہ کوئی چیز رکھواتا ہے وہ شئ مرہون کہلاتی ہے۔

اب اگر جانور یا مکان وغیرہ ہو اسکی آمدنی اور نفع اسی کا ہے جس کی اصل شی ملک ہے اس مالِ مرہونہ سے مرتہن (جس کے پاس رکھا گیا ہے) کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں یہ قول بھی موجود ہے کہ اگر وہ اجازت دے پھر نفع حاصل کر سکتا ہے لیکن علامہ شامی نے اسکی وضاحت کردی ہے کہ قرضہ دینے والے کا مقصد نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور فقہ کا قاعدہ ہے۔ کل قرض جرّ نفعاً فھو ربوا۔ ہر وہ قرض کہ جس سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے اور قرض دینے والوں کی نیت عموماً یہی ہوتی ہے۔ لانّ المعروف کالمشروط، اور جو مشہور ہے وہ ایسے ہے جیسے شرط لگائی ہوئے اس لئے اسکی اجازت سے بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے[1]

[1] شامی ج ۵، ص ۳۱۰، بیروت

امداد المفتیین، ص ۸۷۱

امداد الفتاویٰ ج ۳، ص ۴۵۴

کفایت المفتی ج ۸، ص ۱۴۶

فتاویٰ محمودیہ ج ۴، ص ۲۰۸

یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا میں شرکت

مسئلہ یہ ہے کہ کاروبار کرنا اور تجارت کرنا شرعاً جائز بلکہ سنت ہے۔ اور اسیطرح کسی دوسرے کیساتھ شریک ہوکر یعنی ایک کا مال ہو دوسرا کاروبار کرے جسے شرع میں مضاربت کہا جاتا ہے۔ جائز ہے اسمیں یہ ضروری ہوتی ہے کہ صاحب مال نفع ونقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اگر صرف نفع میں شریک ہو نقصان میں شریک نہ ہو یا اپنے لئے نفع کی ایک مقدار خاص کرکے کہ اتنا نفع مجھے ہر صورت میں لینا چاہیئے یہ جائز نہیں۔

اسیطرح جو سودی یا قماری کاروبار کرتے ہوں انکے ساتھ شریک ہوکر کاروبار کرنا بھی جائز نہیں یہی مسئلہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کا ہوگا اور اگر شرعی حدود میں کاروبار کرتے ہوں پھر شرکت جائز ہوسکتی ہے اگر اسمیں غیر شرعی کاروبار ہو جیسے صاحب جدید فقہی مسائل نے لکھا پھر اسمیں شرکت جائز نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر شرعی کاروبار بھی ہو تو صحیح رائے یہ ہے کہ چونکہ موجودہ دور میں ہندوستان میں حکومت غیر مسلموں کی ہے۔ اور یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے ادارے سے اگر حکومت کو فائدہ پہنچ رہا ہو تو پھر اسمیں شرکت نہیں کرنی چاہیئے اسلیے کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اس سرمایہ کو استعمال کرتی ہے اسلئے اس میں شرکت سے گریز کیا جائے اگر غیر شرعی کاروبار ہے پھر تو شرکت ناجائز اور حرام ہوگی

پگڑی

مسئلہ یہ ہے کہ پگڑی کی صورت عموماً یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک مکان یا دوکان ہے اس کا مالک عبداللہ وہ عبدالرحیم کو کرایہ پر دیتے وقت کہتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ نقد دو اور پھر ہر ماہ کرایہ دیتے رہنا جو انکے مابین طے ہو اب مالک مکان اس سے کرایہ بھی وصول کرتا ہے اور اس سے اتنی بڑی رقم لے لیتا ہے جتنی کہ اس مکان کی لاگت ہوتی ہے بلکہ کئی دفعہ اس سے بھی زائد لے لیتا ہے اور کرائے دار کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہئے جسکو وہ دے دے اور جتنی مرضی ہے یہ رقم لے اور پھر جو دوسرا آئیگا وہ بھی کرایہ پہلے مالک کو دے گا دوسری بات یہ کہ مالک مکان کرایہ دار سے خالی کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اگر وہ خود چاہیئے تو دوسرے کو دے سکتا ہے اور اگر دوسرے کو دے گا اُسے جو اس سے رقم ملیگی اس سے دس فیصد مالک کو بھی دے گا۔

یعنی اس پگڑی میں نہ مکمل مالکِ مکان مالک نظر آتا ہے اور نہ ہی کرایہ دار مکمل مالک ہوتا ہے پھر یہ کہ مالک مکان کرایہ دار سے دس فیصد پیسے اس وقت بھی لے گا جبکہ وہ کسی کو فروخت کرے گا حالانکہ وہ کرایہ دار مالک اصلی نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ فروخت کر رہا ہے اسلئے علماء کرام نے اسکو ناجائز کہا ہے چنانچہ صاحب فتاوی رحیمیہ نے لکھا ہے کہ مالک مکان نے جو رقم لی تھی وہی اس سے واپس لیکر کرایہ دار اسکو مکان دے دے دوسروں سے کرایہ دار رقم نہیں لے سکتا۔[1]

اب چونکہ عوام خاص مبتلا ہیں اسلئے جواز کی یہ صورت نظر آتی ہے کہ مکان یا دوکان میں سامان وغیرہ رکھ کر یا لگا کر اسکی زیادہ رقم لگائی جائے وہ چیزیں کرایہ دار کی مکمل ملک ہو جائیں گی اور کرایہ مکان کا ہوگا۔

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۲۲۳، ج ۷ ص ۲۵۷، ج ۶ ص ۱۵۷
کفایت المفتی ج ۷ ص ۳۴۳، نظام الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۵۹

سودی حسابات کی تعلیم

احادیث مبارکہ میں سود کھانے والے اور لکھنے والے پر لعنت آئی ہے اور لکھنے والے سے وہی مراد ہے کہ جو سود کا لین دین کر رہا ہے اس کا معاون بن رہا ہے۔
جہاں تک مسئلہ ہے کہ نفس تعلیم یعنی کہ کاروبار نہ کیا جائے اور نہ ہی کاروبار کرنے کی نیت سے سیکھا جائے اس صورت میں سودی حسابات کی تعلیم جائز ہوگی اور اگر اس نیت سے سیکھتا ہے کہ تاکہ سودی معاملات اور بیع تجارت کے معاملات میں فرق واضح ہو جائے اور تاکہ سود سے بچا جائے اس نیت سے سیکھنا تو اور بھی بہتر ہے۔ اور اگر اس نیت سے سیکھا جائے کہ کسی وقت سودی کاروبار میں شریک ہونا پڑے تو اسمیں شرکت کر سکوں یعنی اسمیں ملازمت کی نیت سے اس نیت سے درست نہیں ہے جیسے کہ حدیث میں انما الاعمال بالنیات، فرمایا کہ اعمال کے ثواب وجزا کا دار مدار نیت پر ہے اور اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً جیسے کہ ناشائستہ اشعار کا سیکھنا مکروہ تحریمی ہیں لیکن لغات کے حصول اور قواعد کے جاننے سیکھنے کیلئے ان اشعار کو پڑھنا جائز ہے۔ سلہ۔ اسیطرح علم منطق کے جواز پر صاحب امداد الفتاویٰ نے لکھا ہے ومن لا ضرورۃ لہ ولا ضرر کان لہ مباح الخ کہ جسکی ضرورت نہ ہو اور ضرر بھی نہ ہو اسکو سیکھنا مباح ہے سکہ
جبکہ صاحبِ درمختار نے لکھا ہے کہ جن علوم کی تعلیم حرام ہے ان میں فلسفہ اور منطق ہے سکہ

سلہ شامی ج ۱، ص ۳۲
سکہ امداد الفتاویٰ ج ۴، ص ۷۷
سکہ شامی ج ۱، ص ۳۱

لیکن آج تقریباً تمام بڑے مدارس میں انکی تعلیم دی جاتی ہے کیونکہ مقصود اور نیت اس سے ذھن کو کھولنا ہوتا ہے اس سے مقصود علم منطق اور فلسفہ کی خرافات کو قرار دینا نہیں ہوتا ، اسیطرح سرد ی تعلیم کا حکم ہے

انشورنس

انشورنس جسکو بیمہ ... کہا جاتا ہے اسکی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں اسپر باقاعدہ رسالے لکھے جاچکے ہیں، اور کتب فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تقریباً تمام ہی صورتوں میں قمار (جوا) یا سود پایا جاتا ہے اسلئے یہ ناجائز ہے حرام ہے کیونکہ بعض صورتوں میں مال ضائع ہوجانے کا احتمال ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں دیئے ہوئے قرض بلا عوض زیادہ دیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں نفع متعین ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں رأس المال یعنی اصل رقم ہر صورت میں واپس ملتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ہیں تقریباً تمام میں قمار یا سود پائے جانے کیوجہ سے یہ ناجائز ہے چاہیئے جان کا ہو یا گاڑیوں وغیرہ کا [1]
البتہ مجبوری کی صورت میں یعنی حکومت زبردستی انشورنس کرے یا اس کے علاوہ اشیاء کی یا جان کی حفاظت مشکل ہو اس صورت میں بقدر ضرورت گنجائش ہے لیکن اس رقم کو اپنے تصرف میں نہ لائے یا تو مسکین ومحتاج کو دے یا غیر واجب ٹیکسوں میں ادا کرے

[1] کفایت المفتی ج ۸
رحیمیہ ج ۲، ص ۱۹۰
نظام الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۴۹، ج ۱، ص ۳۳۷
امداد المفتیین ص ۸۵۲
فتاویٰ محمودیہ ج ۴، ص ۲۴۰
جواہر الفقہ ج ۲، ص ۳۵۱

قمار کی بعض مروّجہ صورتیں

مسئلہ یہ ہے کہ میسر اور قمار دونوں عربی لفظ ہیں اور میسر بھی جوے کی ایک قسم ہے قمار عام جوے کو کہا جاتا ہے قرآن وحدیث میں جوے کی سخت ممانعت آئی ہے اور صراحتاً حرمت کا ذکر ہے قرآن میں ہے۔ یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔[1]

ترجمہ:۔ اے ایمان والوں بیشک شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے شیطان کے کام ہیں، میسر کے معنی جوّا اور ازلام وہ تیر کہ جنکے ساتھ یہ جوّا کھیلتے تھے، نتیجہ کے لحاظ سے میسر اور ازلام دونوں ایک ہی ہیں

قال النسفی رحمہ اللہ، ھو ضرب من القمار[2]

امام نسفی نے فرمایا کہ میسر جوّے کی ایک قسم ہے، اسکے علاوہ اس آیت کے اندر اسکی خرابیوں اور بیماریوں کا ذکر ہے اور دنیا کی تباہی اور فساد کی جو جڑ عداوت ہے فرمایا کہ وہ اس شراب اور جوّے کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے اور اسمیں شک نہیں کہ آج تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوگیا کہ ہارنے والا شخص جان مال گھر بار سب کچھ جب ختم کر بیٹھتا ہے تو قتل و غارت پر اتر آتا ہے جس کے نتیجے میں فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور کئی قیمتی جانیں جوّے کی بنیاد پر موت کی گھاٹ چڑ جاتی ہیں، جوے اور قمار کی بعض مروجہ صورتوں کیطرف کرنے سے قبل اسکی تعریف ذکر کیجاتی ہے ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو اصطلاح شرعی میں قمار اور میسر کہلاتا ہے۔

[1] معارف القرآن ج ۳، ص ۲۲۷

[2] قواعد الفقہ ص ۵۱۸

اردو زبان میں اسکو جوا کہا جاتا ہے، موجودہ دور میں جہاں اور بہت سی خرابیاں اور نام بدل کر اچھی چیز سمجھ کر لی جاتی ہے ان میں سے ایک جوا بھی ہے اس کا نام بدل کبھی انعام کبھی لائٹری کبھی ٹکٹ اسکیم کبھی فلاح و بہبود کے نام اور کبھی کھیل کے نام سے جوا عام ہو رہا ہے اور عوام اس میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں،

اس تعریف کے ضمن میں جو آئے گا وہ جوا ہوگا بعض کی شناخت بھی کی جاتی ہے مثلاً بند ڈبا ایک مقررہ قیمت کے حساب سے فروخت کرنا کسی ڈبے میں پانچ روپیہ کی چیزیں ہوں اور کسی میں دو پیسے کی اور کسی میں کچھ نہ ہو گھوڑ دوڑ میں یہ کہنا کہ اگر میں آگے نکل گیا تو مجھے اتنی رقم دینی ہوگی اور اگر تم نکل گئے تو میں تجھے اتنی رقم دونگا، اسیطرح اخباری معمے مختلف صورتیں لکھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا کوئی حل کر کے بھیجے اور اسکے ساتھ اتنی فیس مثلاً ایک روپیہ تو جن لوگوں کا حل صحیح ہوگا ان میں سے انعام اسکو دیا جائے گا جس کا نام لائٹری میں نکل آئے گا یہ کھلا جوا ہے

بادام اخروٹ یا کانچ کی گولیوں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں یہ بھی جوا ہے، اسیطرح جانوروں کی ایک ہڈی ہوتی ہے اسپر جوا کھیلا جاتا ہے اسیطرح موجودہ دور میں ٹیم کی ہار جیت پر شرط لگانا۔ اسیطرح کسی لیڈر کے کامیاب اور ناکامی کی شرط لگانا اسیطرح مختلف صورتیں ہیں

پتنگ بازی کبوتر بازی پر دونوں جانبین شرط لگانا۔ اسیطرح دو ٹیمیں کھیلتی ہیں ان میں آپس میں ہار جیت پر کوئی چیز لینا دینا مختلف ٹکٹوں کے ذریعہ موجودہ زمانے میں جوا ہو رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اصول ایک مقرر ہے اس کے تحت ہزاروں قسمیں آسکتی ہیں چاہیے اس کا نام انعام رکھا جائے یا امداد باہمی رکھا جب جوئے کی تعریف صادق آجائے گی تو وہ ناجائز اور حرام ہے، [1]

[1] جواہر الفقہ ج ۲، ۳۵۱، ،، معارف القرآن ج ۳، ص ۲۲۷
عزیز الفتاویٰ ص ۶۵۰ ،، فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۹۹

پندرہواں باب

متفرقات

متفرقات

ووٹ کی شرعی حیثیت

موجودہ دور میں ملک کا حاکم اعلیٰ مقرر کرنا ہو یا علاقہ وغیرہ کا کوئی ممبر منتخب کرنا ہو تو اس وقت ووٹ کرائے جاتے ہیں اور خلیفہ مقرر کرنے اور امیر وغیرہ مقرر کرنے کا طریقہ کتب میں مذکور ہے جیسے کہ علامہ شامی نے لکھا ہے،

ویثبت عقد الامامۃ امّا باستخلاف الخلیفۃ الیٰ قولہ، وذکر بعض الحنفیۃ اشتراط جماعۃ دون عدد مخصوص الخ[1]

یعنی کہ امامت کے منصب پر انسان اس وقت فائز ہو گا جبکہ خلیفہ اول نے اسکو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور بعض احناف نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک بہت بڑی جماعت بیعت کرے اس وقت امامت کے عہدے پر وہ شخص فائز ہو گا چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کی گئی تھی لیکن وقت کے تبدیل ہونے کے ساتھ طریقہ بھی تبدیل ہو گیا اب ووٹ کی حیثیت تقریباً اسی بیعت کی ہے یا ہم ووٹ کو شہادت کی حیثیت دیدیں، جیسے کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے یا کوئی اور حیثیت دی جائے، بہر حال اگر گواہی کی حیثیت ہو تو پھر بھی انصاف سے گواہی دیا جائے ووٹ میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو ووٹ دیا جا رہا ہے جس منصب کیلئے ووٹ مانگ رہا ہے اسکے لئے وہ مناسب ہے اور ملک کا خیر خواہ ہے اب چونکہ ملک پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اسلئے اسمیں ووٹ لینے والا اس ملک اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش کرنے کا بھی ضمناً عہد کرتا ہے اس لئے ووٹ دیتے وقت امانت اور سچائی کیساتھ

[1] شامی ج ۳، ص ۳۱۰ بیروت ج ۱، ص ۳۶۷

گواہی دی جائے جیسے قرآن مجید میں ہے ۔

یاایھا الذین آمنو کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ،

فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ کیلئے صیح صیح گواہی دو ،

اور بعض اوقات سچی گواہی کو چھپانا گناہ ہوتا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں ہے ،

ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ ،

فرمایا کہ گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپاتا ہے وہ گنہگار ہے ،

اس لئے ووٹ جب شرعی شہادت ہے اور ووٹ نہ دینا جو شخص حقدار ہو یقیناً گناہ ہے اسلیئے کہ ایماندار اور نیک لوگوں کو منتخب نہ کیا جائے گا تو فاسق وفاجر لوگ ملک کے سرپرست ہوجائینگے جس سے اسلام اور اہلِ اسلام کو سخت نقصان ہوگا جیسے کہ موجودہ زمانہ میں یہ بات اظھر من الشمس ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسمیں بہت نقصانات ہیں مثلاً ملک کا نقصان اسلام اہل اسلام کو نقصان ہونا اور غیر اسلامی طاقتوں کو فائدہ مہیا کرنا اور ملک میں فساد کا ذریعہ بننا وغیرہ وغیرہ ،

اس لئے ووٹ ایک امانت ہے اسکو اسکے مستحق تک پہنچانا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ، ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا ،

فرمایا کہ امانت کو اسکے مستحق تک پہنچاؤ ،

اور اگر اسکو یہ کہا کہ اسکی حیثیت ایک فیصلہ کی ہے یعنی کہ فیصلہ دینا ہے کہ ان بہت سے ممبروں میں سے کون زیادہ بہتر ہے اور اچھا ہے تو انسان پر فرض ہے کہ فیصلہ نہایت امانتداری اور سوچ سمجھ کر کرے ، قرآن نے فرمایا ہے ، وان تحکموا بالعدل فرمایا کہ فیصلہ عدل وانصاف سے کرو اسلیئے ووٹ نہ دینا چھپانا اسمیں جھوٹ بولنا کوئی معاوضہ لینا یہ سب حرام ہے [1]

[1] جواہر الفقہ ، ج ۲ ، ص ۳۰۰
امداد المفتیین ، ج ـ ، ص ۸۹۵
کفایت المفتی ، ج ۹ ، ص ۳۷۱

اور اگر ایماندار نیک متقی شخص ووٹ لینے والا نہ ہو تو بعض حضرات پھر بھی ووٹ نہیں دیتے اس وجہ سے کہ کوئی مستحق نہیں ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ زیادہ ضرر اور نقصان کس سے ہوگا ان میں سے جس سے کچھ فائدہ اور کچھ نقصان ہونے کا خطرہ ہو تو اقل والے کو ترجیح دیکر ووٹ دیا جائے بڑے ضرر سے بچنے کیلئے فقہ کے قاعدہ سے یہ بات معلوم ہے،

الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف، [1]

فرمایا کہ چھوٹے اور ہلکے ضرر کے ذریعے بڑے ضرر کو دفع کیا جائے گا اس لئے امیدواروں کو دیکھا جائے گا کہ اگر کوئی صحیح ایماندار اور صالح ہے تو اسکو ووٹ دیا جائے گا اور کوئی صحیح مستحق نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ ان امیدواروں میں سے کون سا ایسا امیدوار ہے کہ جو فائدہ نہ دیگا تو کم از کم اسکے ذریعہ سے اسلام اور ملک وغیرہ کو نقصان بھی نہ ہوگا تو ایسے شخص کو ترجیح دی جائے گی

[1] قواعد الفقہ، ص، ۸۸

بھوک ہڑتال

بھوک ہڑتال کا مقصد اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کبھی کسی کمپنی یا سرکاری اداروں والے اپنے مطالبات منظور کروانے کیلئے بھوک ہڑتال کرتے ہیں کہ ہمارے مطالبات منظور کرو ورنہ جبتک منظور نہیں ہونگے ہم نہ کھائیں گے اور نہ پیئیں گے،

مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو جان ہے اسمیں غیر شرعی طریقے سے تصرف کرنے کا ہمیں اختیار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ چاہئے وہ کسی طریقے سے بھی ہو اور پھر یہ کہ ہمیں احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی عبادت بھی جائز نہیں ہے جسمیں جان سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، جیسے ایک صحابی رسولؐ نے فرمایا کہ اب میں ساری عمر روزے رکھوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ناراض ہوئے اور صحابی کو اس سے منع فرمادیا، لہذا جب روزے جیسی عبادت کی ضرورت نہیں تو پھر صرف اپنے مطالبات کیلئے جان کو خطرہ میں ڈالنے کی شرعاً کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کہ کھانا پینا انسان کے لوازمات میں سے ہے،

ان الجوع والعطش من لوازم الانسان[1]

فرمایا کہ بھوک اور پیاس انسان کے لوازمات میں سے ہے، اتنا کھانا کہ جس سے ہلاکت کا خوف ختم ہو جائے، یہ مقدار فرض ہے، اگر اتنا نہ کھایا اور نہ پیا اور ہلاک ہو گیا تو اس نے نافرمانی کی،

الفرض وهو ما يندفع به الهلاك الخ[2]

[1] شامی ج ۵، ص، ۲۵۹، بیروت

[2] عالمگیری ج ۵، ص، ۳۳۶۔

اور اگر موت کی نیت سے کرتا ہے تو گویا وہ خودکشی کیلئے تیار ہو چکا ہے تو مکروہ ہے
یکرہ تمنی الموت لغضب او ضیق [1]
غصہ اور تنگی کی وجہ سے موت کی تمنا بھی مکروہ تحریمی ہے آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی ۔[2]
اس سے بڑھ کر اور کیا بدبختی ہوگی اور شرعاً کس قدر ناپسندیدہ ہے اس لئے حکومت
وغیرہ سے مطالبہ کا یہ طریقہ غیر شرعی ہے ، اور جو مباح اور جائز طریقے ہیں وہ اختیار
کئے جائیں بھوک ہڑتال شرعاً ممنوع ہے ۔

[1] در مختار ، شامی ج ۵ ، ص ، ۳۶۹

[2] شامی ج ۲ ، ص ۵۸۴

ہپناٹزم

ہپناٹزم کے معنی ہے عمل تنویم اور مسمریزم عمل، توجہ کے ہیں،[1]
اور پھر صاحب فیروز اللغات نے مسمریزم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے
کہ یہ ایک علم ہے جس میں تصویر یا خیال کا اثر دوسرے کے دل پر ڈال کر
پوشید اور آئندہ کے حالات پوچھے جاتے ہیں۔[2]
اب یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ ایک علم ہے جس کے ذریعہ انسان دوسرے پر قابو
پالیتا ہے اور اس پر اپنا تصرف کرتا ہے اپنی بات اس سے منواتا ہے جبکہ یہ سب
کچھ باطنی طور پر ہوتا ہے، ظاہراً کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اس علم میں
پڑھنا کیسے پڑتا ہے اور کیسے کیسے عمل کرنا پڑتا ہے، اس کا صحیح علم تو نہیں ہوا لیکن اس
میں اگر کفریہ کلمات کا کہنا ہوتا ہے یا عقیدہ رکھنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ جادو کی بعض
قسمیں ہیں پھر تو یہ عمل کفر ہے ناجائز ہے جیسا کہ جادو کا حکم ہے، اور اگر اس میں
کوئی کفریہ کلمہ نہیں کہنا پڑتا اور نہ ہی کوئی کفریہ عمل کرنا پڑتا ہے، صرف تصور اور خیال
میں یکسوئی کرنی پڑتی ہے تو اس صورت میں چونکہ کوئی شرعی مانع نہیں ہے، لیکن
اگر نیت نقصان پہنچانے کی ہو یا دوسرے پر ناجائز تصرف کی ہو تو پھر بھی ناجائز ہوگا
اس لئے کہ بہت سے اعمال مباح ہوتے ہیں لیکن نیت کے خراب ہونے سے وہ ناجائز
ہو جاتے، مثلاً سود کا علم فی نفسہ جائز ہے لیکن سودی کاروبار کی نیت سے جائز نہیں
اسیطرح شرعی علوم جائز ہیں لیکن ان کے سیکھنے کی نیت غیر شرعی ہو تو درست نہیں ہے
اور اگر اس عمل میں نہ غیر شرعی قول اور نہ عمل کی ضرورت ہو تو پھر اگر نیت صحیح ہے پھر
تو مباح ہو سکتا ہے جیسے کہ علم منطق اور اسیطرح سود کا علم اور دیگر بہت سی
اشیاء ہیں۔

[1] فیروز اللغات ص ۱۴۳۲

[2] فیروز اللغات ص ۱۲۴۷

اظہارِ غم کے بعض نئے طریقے

مسئلہ یہ ہے کہ جب انسان پر مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس وقت انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور بعض جاہلانہ اور غیر شرعی حرکتیں کرتا ہے لیکن اسلام میں جہاں انسان کو فرح اور مسرت میں زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا وہاں غم اور پریشانی میں بھی علاج اور طریقہ بتایا ہے اور ساتھ ساتھ یہ کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور درجات بھی بلند ہوتے ہیں عہ[1]

لیکن شرط یہ ہے کہ انسان صبر کرے پھر غم کے اظہار کے دو طریقے ہیں
نمبر ۱ اختیاری نمبر ۲ غیر اختیاری

اختیاری یہ کہ زبان سے اور ظاہری اعضاء سے کوئی غیر شرعی حرکت کرے مثلاً آوازیں مار مار کر رونا پیٹنا کپڑا وغیرہ پھاڑنا زبان سے کوئی غلط الفاظ ادا کرنا

دوسرا یہ کہ آنکھوں سے آنسو آئیں اور دل میں دکھ ہو لیکن ظاہراً وہ ان چیزوں کا برملا اظہار نہ کرے یہ دوسرا طریقہ غم کا شرعاً درست ہے اور ثابت ہے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ کے صاحب زادے وفات ہوئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اوّل طریقہ غم کی ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے اسلئے قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ نیک اور رحمت کے مستحقین لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون[2]

---

[1] شامی ج ۱

[2] پارہ ۲

اسلئے مصیبت وغم کے وقت اظہار غم کے مختلف طریقے غیر شرعی ہیں اور غیر مسلموں کا شعار ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے مثلاً غم اور پریشانی میں سیاہ کپڑے پہننا موجودہ زمانے میں روافض کا خاص شعار ہے البتہ شریعت میں افسوس کے لئے شرعاً تین دن ہیں اس سے زائد درست نہیں ہاں عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہے وہ چار ماہ دس دن تک افسوس میں رہیگی اور ماتمی کپڑے وغیرہ پہننا اور عورتوں کا لپٹ لپٹ کر ایک دوسرے سے رونا اور ایسے کلمات کہنا کر رونے پر مزید جوش پیدا ہو ناجائز ہے ط (1)

اور صاحب عالمگیری نے صاف لکھا ہے کہ سیاہ کپڑے میت پر یا میت کے گھر کے کپڑے سیاہ کرنا درست نہیں عالمگیری (2)

1) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۱۷
احکام میت

2) عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۲

اپریل فول

اپریل فول کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب فیروز اللغات نے لکھا ہے کہ یکم اپریل کو احمق بنانے کی رسم۔
مطلب یہ ہیکہ مسلمان عوام کے اندر جہاں غیر مسلموں کے دیگر جراثیم منتقل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ بیماری بھی ہے کہ دھوکہ اور فریب اور جھوٹ بولنا اور انسان کو سخت پریشان کرنے کے لئے مستقل ایک دن مقرر کردیا گیا ہے اور موجودہ دور میں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ عوام سخت پریشان ہوتے ہیں

حتیٰ کہ بعض اوقات یہ جھوٹ اور مذاق دوسرے انسانوں کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں اور بعض اوقات ملک کی اور علاقے کی سطح تک لوگوں کو ایک جھوٹ کی وجہ سے پریشان کیا جاتا ہے
شرعًا اس قسم کے مذاق کی قطعًا اجازت نہیں اور یہ اپریل فول منانا دھوکہ دینا جھوٹ بولنا دوسروں کو پریشان کرنا سخت گناہ ہے اور یہ حقوق العباد میں سے ہے جب تک بندہ اپنا حق معاف نہیں کرتا اس وقت تک اللہ بھی معاف نہیں کریگا
پھر یہ کہ یہ غیر مسلم لوگوں کا شعار اور انکی ایجاد ہے اس لئے اس سے بچنا بہت ضروری ہے
اپریل فول کی وجہ سے جھوٹ یا دھوکہ دینا قطعًا حرام ہے اور کئی گناہوں کا مجموعہ ہے اور نصارٰی کی سنت ہے
حدیث میں ہیکہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اسطرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہے ہو

اور تم جھوٹ بول رہے ہو اس طرح حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا یعنی کہ اسکی شان کے منافی ہے

ایک حدیث میں ہے کہ جھوٹ بولنا منافقین کی علامت ہے

اس لئے اپریل فول منانا ناجائز اور حرام ہے ع۱

صاحب فتاویٰ معاصرہ نے اسکی چار وجوہ حرام ہونے کی بیان کی ہیں آخر میں لکھا ہے والخلاصۃ ان الکذب حرام فی کل یوم وتزداد حرمتہ فی ذلک الیوم خالصۃ یعنی کہ جھوٹ ہمیشہ حرام ہے اور اس دن اس کی حرمت مزید بڑھ جاتی ہے ع۲

ع۱ فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۳۵۱
ع۲ فتاویٰ معاصرہ ج ۱ ص ۵۵۵

امارت شرعی کا قیام

قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ مسلمانوں کو اجتماعی زندگی گزارنے کی بڑی تلقین کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جماعت اور اجتماعیت کے فوائد بھی بیان کئے گئے ہیں

اختلاف اور افتراق سے سخت ممانعت فرمائی ہے مثلاً ایک مقام پر فرمایا کہ واعتصمو بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔

فرمایا کہ قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ید اللہ علی الجماعۃ جماعت پر اللہ کی مدد ونصرت ہوتی ہے اسکے علاوہ جماعت کی نماز کی فضیلت اور اجتماعی عبادات مثلاً حج کرنا جمعۃ المبارک ادا کرنا یہ اس پر ترغیب ہے کہ اجتماعی زندگی گزارو اس کے اندر فوائد ہیں اسکے علاوہ آپ جب کبھی قافلہ روانہ فرماتے تھے ان پر ایک امیر مقرر فرماتے۔

جیسے کہ حضرت معاذ رض کو یمن کی طرف روانہ کیا تو امیر بنا کر روانہ کیا (1) اسی طرح اگر حج پر قافلہ روانہ کرتے تو کسی کو امیر بنا کر روانہ کرتے اور اگر کسی جہاد پر لشکر روانہ فرماتے تو ان کا ایک امیر مقرر فرماتے۔

معلوم ہوا کہ امیر مقرر کرنے اور اسکی اطاعت اسلام کی عین مطابق ہے اس کے علاوہ کے دور کو دیکھا جائے تابعین تبع تابعین کے دور کو دیکھا جائے تو ہر زمانے میں ان کا امیر یا خلیفہ وقت ضرور ہوتا تھا

---

(1) - نور الانوار۔

اسلئے امارت شرعی کا قیام مسلمانوں پر واجب اور ضروری ہے اور اگر مسلمان مغلوب ہیں ملک کفار کا ہے تو مسلمانوں کو اپنے علاقے میں جہاں اکثریت ہو وہاں امیر مقرر کرنا چاہئے موجودہ دور میں جب تک مسلمانوں کی امارت شرعی نہیں ہوگی

اس وقت تک اسلام اور اس کے قوانین کا نفاذ ناممکن ہے

اور مسلمانوں کی جب تک جماعت نہ ہوگی اور اس کا امیر نہ ہوگا اس وقت تک مسلمانوں کی قوت مضبوط نہ ہوگی بلکہ متفرق ہونے کی وجہ سے بعض اوقات مسلمان غیر مسلم ہونا شروع ہوجاتے ہیں

اسلئے اگر ملک کی سطح پر امارت نہ ہو تو علاقائی سطح پر امیر مقرر کیا جائے۔ اور جو مسلمان حاکم کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ ذمہ داریاں وہ امیر ادا کریں

چنانچہ صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ ونصبہ اہم الواجبات الخ وفی الشامی۔ ونصب الامام اہم الواجبات۔ ای من اھمھا لتوقف کثیر من الواجبات الشرعیۃ علیھا ولذا قال فی العقائد النسفیۃ والمسلمون لابدلہم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم الخ[1]

فرمایا کہ امام کا مقرر کرنا یعنی حاکم مقرر کرنا اہم واجبات میں ہے اسلئے کہ بہت سے شرعی واجبات اس پر موقوف ہوتے ہیں

---

[1] شامی ج ۱ ص ۳۶۷ بیروت
شامی ج ۴ ص ۳۰۸

اس لئے مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ کوئی آدمی مقرر کریں جو کہ ان کے احکام نافذ کرے چنانچہ علامہ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر کیا ہے کہ انہ یجب ان یکون فی جماعۃ المسلمین خلیفۃ لمصالح الخ ①
فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت میں ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے جو اُن کے مصالح کو پورا کرے آگے فرمایا کہ جبتک خلیفہ وغیرہ نہ ہوگا وہ مصلحتیں پوری نہ ہونگی فرمایا کہ کچھ مصلحتیں ملکی ہوتی ہیں کچھ دینی اور کچھ اسلامی ہوتی ہیں اسی طرح صاحب فتح الرحمن نے لکھا ہے، ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب الی قولہ انہ یجب علی الخلق، فرمایا کہ عوام پر یہ واجب ہے کہ وہ امام اور حاکم مقرر کریں اور اس پر اجماع ہے ②

① حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲، ص ۱۳۶

② فتح الرحمن ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعۃ دار الجہاد قاہرہ

اس کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے وہاں پر صاحبان حکومت کی اتباع کا حکم ہے جیسے صاحب باقیات الصالحات نے یایها الذین امنو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے تحت تحریر کیا ہے کہ اس سے بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ امیر اور حاکم کا ہونا ضروری ہے کہ جو کہ نظام کو چلائے (۱)

خلاصہ - یہ ہے کہ فقہاء کی عبارات مذکورہ سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا حاکم ہونا ضروری ہے اور امارت شرعی کی قیام کی ہر ممکن کوشش ہونی چاہئے ایک حدیث میں امارت کو امانت بتایا ہے اور جس نے اس کا حق ادا نہ کیا وہ رسوا ہوگا (۲)

(۱) باقیات الصالحات مصنفہ مولانا عبد الشکور ص ۲۳۲

(۲) کتاب الآثار ج ۱ - ص ۱۵۲

قضائے شرعی کا نظام

قضاء یعنی فیصلہ کرنا ایک ایسی بنیادی چیز ہے کہ ہر معاشرے میں ہر وقت ضرورت پیش آتی ہے اور فیصلہ اگر صحیح اور درست ہو تو معاشرے کی اصلاح ممکن ہے ورنہ معاشرے میں ایسا فساد برپا ہو جاتا ہے کہ ظالم ظلم میں بڑھ جاتا ہے اور مظلوم مظلومیت کی چکی میں پستا چلا جاتا ہے ملک اور علاقے کی اصلاح کا بہترین ذریعہ اور صحیح فیصلہ ہے اور اگر فیصلہ ہر شخص اپنی رائے اور مرضی سے کریگا تو اس صورت میں بھی ظلم کا امکان غالب ہے لیکن اگر فیصلے اصول اور قواعد شرعی ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے ہوں پھر انصاف اور عدل ہوگا اس لئے کہ اللہ رب العزت کسی لمحہ بھی بندہ کے ساتھ ظلم بلکہ ظلم کا ارادہ بھی نہیں فرماتا قرآن میں ہے وما اللہ یرید ظلمًا للعباد / المؤمن ۳۱

ترجمہ ۔ اللہ رب العزت بندوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ بھی نہیں رکھتے اس لئے شرعی فیصلے ایسے ہیں کہ ان سے معاشرے کو انصاف مل سکتا ہے مظلوم ظلم سے بچ سکتا ہے اور ظالم ظلم سے باز آسکتا ہے اور شرعی فیصلے اسی وقت ممکن ہیں جبکہ شرعی فیصلے کا نظام قائم کیا جائے اور اگر سلطنت اسلامی ہے تو وہ شرعی قضاء کا نظام قائم کرے اور اگر شرعی فیصلے نہیں ہوتے تو ایک علاقہ اور سوسائٹی والے مل کر ایک قاضی مقرر کرسکتے ہیں جو کہ ان کے درمیان شرعی طریقے پر فیصلہ کرے جیسے کہ صاحب شامی نے صاف لکھا ہے

و اما البلاد علیها و لاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع و الاعیاد و یصیر القاضی قاضیًا بتراضی المسلمین فیجب علیهم ان یلتمسوا والیًا مسلمًا منهم [1]

[1] شامی ج۔ ۴ ص ۳۰۸ بیروت

فرمایا کہ جہاں کفار سرپرست ہوں وہاں مسلمان اپنی رضا اور مرضی سے قاضی مقرر کر کے جمعہ عیدیں قائم کریں اور مسلمان والی کو تلاش کریں اور جہاں مسلمان حکومت ہو وہاں تو مسلمانوں پر ذمہ داری ہے کہ وہ قضاء شرعی کا نظام نافذ کریں ورنہ اسلام کا نظام قضاء معطل ہو جائے گا یعنی کہ صرف لفظی ہوگا عملاً معدوم ہو جائے گا اور پھر یہ کہ یہ تقریباً تمام کتب فقہ میں ہے کہ قاضی وہ بن سکتا ہے جو کہ شہادت کا اہل ہو چنانچہ کافر مسلمانوں کے خلاف گواہی نہیں دے سکتا اس لئے اس کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں صحیح نہیں ہے

وَاِن لم یصح قضاءہ علی المسلم حال کفرہ اھ ؎

؎ شامی ج۔ ۴ ص ۲۹۹

فرمایا کہ جب وہ کافر ہے تو اسکا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں درست نہیں اب اگر مسلمانوں کا قاضی نہ ہو یا مسلمان ہو لیکن فیصلہ شریعت کے خلاف ہوتا ہو تو وہاں مسلمانوں کی پنچایئت قائم کیجائے یعنی کہ مسلمان پنجاعت تیار کریں یا اپنا شرعی قاضی مقرر کریں ط

اس لئے قضاء شرعی کا نظام نہایت ضروری ہے اس کے بغیر اسلامی اصولوں کی روشنی میں فیصلے کرنا یا کروانا اور ان پر تعمیل مشکل ہے

ضمیمہ ۱

پیشاب کا نمک

مسئلہ یہ ہے کہ پیشاب نجس اور ناپاک ہے اور احادیث میں پیشاب سے بچنے کی تاکید آتی ہے

ط الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۴ کتب خانہ العزیزیہ دیوبند

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه
ترجمہ: پیشاب سے بچو اس لئے کہ عام عذاب قبر اسی پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے
ہوگا دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہوا ان دونوں کو عذاب
ہو رہا تھا اس میں سے ایک کی وجہ یہ بتائی کہ یہ شخص پیشاب سے نہیں بچتا تھا معلوم ہوا
کہ پیشاب سے بچنا ضروری ہے اب پیشاب سے نمک حاصل کرنا یہ غیر شرعی بلکہ غیر
فطری چیز ہے اس کے استعمال کی شرعاً کیسے اجازت ہو سکتی ہے کیوں کہ انقلاب
ماہیت کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے یعنی کہ کیا کسی چیز کی اصلیت تبدیل ہو جاتی ہے
یعنی کہ اگر تسلیم کیا جائے کہ پیشاب نمک میں تبدیل ہو گیا لہذا اب اسکو انقلاب ماہیت
کے تحت حلال ہونا چاہئے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں انقلاب ماہیت ہی نہیں ہے
کیونکہ نمک ہی سے اس کے کچھ اجزاء نکالے گئے ہیں نہ یہ کہ پیشاب میں کچھ ڈال کر اس کو
اس کو نمک بنا لیا گیا ہے جیسے کہ صاحب فتاوی خلیلیہ نے لکھا ہے کہ اگر حشرات الارض
میں جو دم مسفوح ہے انکو تیل میں ڈال کر پکا لیا گیا وہ حشرات الارض اگرچہ کوئلہ بن جائیں
پھر بھی تیل ناپاک ہوگا (۱۱)

اس طرح پیشاب کو اگر پکا کر نمک تیار کیا جائے یا کچھ اجزاء اس سے نکالے جائیں تو پھر وہ بھی
ناپاک ہوگا۔ اسی طرح صاحب نظام الفتاوی نے لکھا ہے کہ پیشاب جمیع اجزا کے ساتھ
نجس العین ہے لہذا اسکو پکانے سے کچھ اجزاء نکالے جائیں تو اس کو تجزیہ و تخرجہ کہیں گے
انقلاب ماہیت نہیں ہوتی (۱۲)

(۱۱)۔ فتاوی خلیلیہ ص ۷۷ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح

(۱۲) نظام الفتاوی ج ۱ ص ۳۹۱

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انقلاب ماہیت ہے تو پھر بھی دیکھنا یہ ہے کہ اسمیں اتفاق ہے یا اختلاف، علامہ شامی نے لکھا ہے، ثم اعلم ان العلة عند محمد هی التغیر و انقلاب الحقیقة وانه یفتیٰ به للبلوی الی قوله فیدخل فیه کل ما کان فیه تغیر و انقلاب حقیقة وکان فیه بلوی عامة الخ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ انقلاب حقیقت کا قول امام محمدؒ کا ہے پھر یہ کہ اس میں جواز اور پاکی کا حکم اس وقت لگاہیں گئے جبکہ عموم بلوای یعنی عوام کثرت سے اسمیں مبتلا ہوں جبکہ پیشاب کے نمک میں یہ علت قطعاً موجود نہیں اس لئے ناپاک ہے اس کے علاوہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام (۲) فرمایا کہ جب حلال اور حرام جمع ہوں تو حرام کو ترجیح ہو گی

(۱) شامی ج ۱ ص ۲۱۰ بیروت

(۲) الاشباه والنظائر ص ۱۹

لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ حرام سے بچا جائے اسی لئے پیشاب کا نمک، ناپاک ہے اور حرام ہے صاحب خلیلیہ نے پیشاب کے نمک کو ناپاک لکھا ہے ع۱

پتھر، کوئلہ پر تیمم

فقہاء نے تیمم کیلئے جنس ارض شرط قرار دی ہے اور جنس ارض کی وضاحت ماقبل میں گذر چکی ہے۔ جو چیز جنس ارض سے ہوگی اس سے تیمم درست ہے جو کہ جنس ارض سے نہ ہوگی اس سے تیمم درست نہیں ہوگی راکھ اور تیمم اسلئے درست نہیں ہے کہ وہ جنس ارض نہیں ہے لانہ من اجزاء الخشب ع۲
بلکہ یہ دونوں چیزیں لکڑی کے اجزاء ہیں اگر پتھر کو جلایا جائے یا پکایا جائے تو وہ جنس ارض سے خارج نہ ہوگا۔ لہذا پتھر کی جلے راکھ سے تیمم درست ہے ایسے ہی پتھر کوئلہ سے بھی تیمم درست ہے ع۳

ع۱ فتاوای خلیلیہ ص۸۳

ع۲ بدائع ج۔۱۔ ص۵۴

ع۳ شامی ج۔۱۔ ص۱۶۰ بیروت

عالمگیری ج۔۱۔ ص۲۶۔۲۷ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

حرام جانوروں کے روغن و مرہم

مسئلہ یہ ہے کہ جانوروں کی شرعی نقطہ نظر سے تقریباً دو قسمیں ہیں اول ماکول اللحم یعنی وہ جانور جن کا گوشت کھانا حلال ہے دوئم غیر ماکول اللحم یعنی جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے پھر انکی دو قسمیں ہیں اوّل نجس العین دوئم غیر نجس العین۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جو جانور ماکول اللحم ہیں انکو جب ذبح کیا جائے گا تو ان کا گوشت اور کھال پاک ہوگی اور اگر غیر ماکول اللحم ہیں پھر اگر نجس العین ہیں پھر تو ذبح کرنے سے کوئی چیز پاک نہ ہوگی، جیسے خنزیر ہے اور اگر نجس العین نہیں ہے پھر دیکھا جائے گا کہ اسکی کھال دباغت کا احتمال رکھتی ہے یا کہ نہیں اور اگر کھال دباغت کا احتمال رکھتی ہے پھر ذبح کرنے سے فقط کھال پاک ہوگی (1)

(1) ھکذا فی الشامی ص ۱۳۷ ج ۱ طبع بیروت

لہذا وہ جانور جو ماکول اللحم ہیں اگر ذبح کئے جائیں تو کھانا اور ملنا جائز ہے نیز چربی استعمال کر سکتے ہیں اسی طرح غیر ماکول اللحم جانور سوائے نجس العین کے اگرچہ کھانا جائز نہیں لیکن ملنا اور لگانا جائز ہے ھکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند ①

اگر شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو چاہے ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم تو اسکا استعمال کرنا جائز نہیں ہے اگر خارجی طور پر استعمال کریں تو دھو کر اسکے اثر کا ازالہ کرنا ضروری رہیگا نجس العین جیسے خنزیر اسکے کسی عضو کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے ②
اور صاحب فتاوی خلیلیہ نے لکھا ہے کہ نجس العین کا استعمال خارجاً و داخلاً دونوں نا جائز ہے اور غیر نجس العین کا استعمال خارجاً جائز ہے کھانا ناجائز ہے ③

① فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۲۳

② نظام الفتاوی ج ۲ ص ۵۲۳

③ فتاوی خلیلیہ ج - ص ۷۸

خلاصہ یہ ہے کہ نجس اور حرام اجزاء کی مرہم اور روغن کے استعمال سے اجتناب کیا جائے لیکن اگر لگایا ہے پھر نماز کے وقت اسکو زائل کیا جائے لیکن اگر مجبوری ہو اس کے علاوہ چارہ کار نہ ہو تو ضرورت کیوقت استعمال کی گنجائش ہے اور اس طرح اسکو زائل کرنا بھی پھر ضروری نہیں جبکہ اسکی ضرورت ہو اور زائل کرنے سے تکلیف ہو یا حرج زیادہ ہوتا ہے و اللہ اعلم بالصواب

بحری جہاز میں نماز جمعۃ المبارک

یہاں دو باتوں کیوجہ سے اشتباہ نظر آتا ہے اوّل یہ کہ بحری جہاز والا مسافر ہے اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے دوئم یہ کہ جمعہ کے درست ہونے کیلئے اذن عام شرط ہے جبکہ بحری جہاز میں صرف ملازمین کو اجازت ہوتی ہے عام لوگوں کو نہیں ہوتی ہے بعض علماء نے اوّل شق کو لیکر نا جائز کہدیا ہے جبکہ اسمیں دوسری شق بھی نکلتی ہے وہ یہ کہ جہاز شہر کے اندر یا شہر اور اسکے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ ہو تو اس صورت میں یہ مسافر نہ ہونگے بلکہ اس صورت میں جمعہ فرض ہوگا باقی رہا یہ کہ اذن عام نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دشمن سے بچانے کیلئے جب ایسا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں وہاں کے ملازمین کو تو عام اجازت ہوتی ہے۔ کما فی در مختار فلا یضر غلق باب القلعۃ لعدو اولعادۃ قدیمۃ لان الاذن العام مقرر لاھلہ وغلقہ لمنع العدو ۔
و فی الشامی وینبغی أن یکون محل النزاع ما اذا کانت لاتقام الا فی محل واحد اما لو تعددت فلا لانہ لا یتحقق التفویت الخ ①
فرمایا کہ قلعہ کا دروازہ دشمن کیوجہ سے یا عادت قدیمہ کیوجہ سے بند کردینے سے کوئی حرج نہیں اس لئے کہ قلعہ والوں کیلئے اذن عام ہے

① شامی ج ۱ ص ۵۴۶ ط بیروت

دروازہ صرف دشمن کیلئے بند کیا جاتا ہے شامی میں ہے کہ دروازہ بند کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ اس وقت ہوگا جب کہ جمعہ صرف ایک جگہ ہو۔ اگر کئی جگہوں پر ہو تو پھر تو کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ عوام کا جمعہ تو پھر فوت نہ ہوگا معلوم ہوا کہ جہاز اگر رکا ہوا ہے شہر یا اس کے قریب ہے پھر وہ جمعہ پڑھیں بہتر یہ ہے کہ اتر کر پڑھیں ہاں اگر شرعی سفر پر ہیں شہر سے بہت دور ہیں آذان وغیرہ کی آواز نہیں آتی پھر یہ مسافر ہوئے اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ وہ ظہر کی نماز پڑھے گا فتوای دار العلوم دیوبند میں ہے کہ اگر کارخانہ ہے اور وہاں اذن عام نہیں ہے لیکن چونکہ ملازمین کو اجازت ہے اس لئے جمعہ پڑھنا جائز ہے (۱)

(۱) فتوای دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۱۱۰

تجارت میں شرکت کی ایک خاص صورت

بعض عرب ممالک میں یہ قانون بنا دیا گیا ہے کہ دوسرے ممالک کے لوگ وہاں کے کسی مقامی باشندے کی شرکت ہی سے تجارت کر سکتے ہیں ~~ایسا نہیں ہو سکتا کہ مکمل تجارت کرتے ہیں~~ اور برائے نام اپنے کاروبار میں کسی مقامی باشندہ کا نام بھی شرکت کی حیثیت سے دیتے ہیں تاکہ قانونی طور پر ان کو اس کی اجازت حاصل ہو جائے اور معاوضہ کے طور پر سالانہ یا ماہانہ ان کو کوئی متعینہ رقم دیدیا کرتے ہیں ~~تو کیا یہ درست ہے~~ تو یہ صورت درست نہیں [1]

(1) کفایۃ المفتی بحوالہ خلیلیہ ص ۹۳

۱۔ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہے
۲۔ تجارت کرنے والا جھوٹ دکھا کر اس کو تجارت میں شریک بتا رہا ہے کہ جب کہ وہ تجارت میں شریک نہیں ہے
۳۔ اس ملک کے باشندے کو حکومت نے ایک قسم کا حق دیا ہے اس حق کو گویا یہ فروخت کر رہا ہے جو کہ نا جائز ہے۔ لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ ای عن الملک (۱)
فرمایا کہ وہ حقوق جو کہ ملک وغیرہ سے خالی ہوں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے اگرچہ ماقبل میں حق تصنیف کو فروخت کرنے کو جائز کہا ہے اس میں بہت فرق ہے اس لئے حق تصنیف کا فروخت کرنا جائز ہے اور اس حق کا عوض نا جائز ہے اور علامہ شامی نے رشوت کی جو تعریف لکھی ہے اس کے تحت بھی یہ معاملہ آیا ہے (۲)
اس لئے جائز صورت اختیار کر کے کاروبار کیا جائے کہ اور بھی کو شریک کر لیا جائے یا بغیر عوض کے یہ راضی ہو جائے اور تجارت میں تھوڑے سے پیسے ملا کر شریک ہو جائے۔ نفع کی شرح زیادہ دیدی جائے

(۱) شامی ج ۴ ص ۱۴
(۲) شامی ج ۴ ص ۳۰۳ بیروت

مسجد میں چیزوں کا اعلان

یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار الی قولہ و فی الحدیث اذا رأیتم من ینشد ضالۃ فی المسجد فقولوا لا ردھا اللہ علیک الخ ①

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا سوال کرنا یا اپنی غرض کیلئے سوال کرنا ناجائز ہے البتہ مسجد کیلئے یا کسی اور دینی کام کیلئے چندہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کا احترام کیا جائے اور نمازیوں کو کسی قسم کا خلل نہ ہو ②

مساجد میں کیلنڈر

مساجد میں جو کیلنڈر ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ① جن میں نماز اور جماعت کے اوقات ہوتے ہیں اس قسم کے کیلنڈر جائز اور درست ہیں کیونکہ ان کے لگانے کی ضرورت ہے اور فائدہ بھی ہے اور ان کیلئے سب سے موزوں مقام مسجد ہی ہے البتہ یہ شرط ہے کہ ایسی جگہ پر لگادیں کہ نمازی کو تشویش نہ ہو اور نماز میں خلل نہ ہو ② وہ کیلنڈر جن میں آیات قرآنی یا اسماء اللہ یا احادیث وغیرہ ہوتی ہیں ان کو لگانا علماء نے مکروہ قرار دیا ہے مثلاً ولیس بمستحسن کتابۃ القرآن علی المحاریب والجدران لما یخاف من سقوط الکتابۃ و ان توطأ الخ

① شامی ج ۱ ص ۴۴۳ بیروت
② فتاوی عزیزیہ یعنی فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۱۱
کفایۃ المفتی ج ۳ ص ۱۲۵
③ عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۹

فرمایا کہ اچھا نہیں کہ دیواروں اور محرابوں پر قرآنی آیات لکھی جائیں کیونکہ نیچے گرجانے کا خطرہ ہے اور پھر پاؤں میں روندی جائیں گی اس مستحسن عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ وظاهره انتفاء كراهية بمجرد تعظيمه وحفظه علق أو لا نزيّن به اولا وما يكتب على المراوح وجدر الجوامع كذا الخ در مختار وفي الشامي أقول في فتح القدير ويكره كتابة القرآن واسماء الله على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش الخ ①

ان عبارت مذکورہ سے بھی واضح ہوا کہ ② اگر تعظیم کیلئے اور حفاظت کیلئے پھر چاہے لگایا جائے یا نہ مکروہ نہیں ہے جبکہ صاحب فتح القدیر نے مطلق مکروہ لکھا ہے اور اسی طرح صاحب کفایۃ المفتی اور صاحب امداد المفتیین کی عبارت بھی یہی ہیں واضح ہے کہ خلاف الادب اور مکروہ ہے اس لئے یہ بات واضح ہو گئی ③ کہ تنزیہی بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ نمازیوں کو تشویش اور گرنے کا خطرہ نہ ہو اور مکروہ تنزیہی میں جواز کی گنجائش ہوتی ہے اس لئے اگر لگائے جائیں تو اونچے اور پختہ کر کے لگائے جائیں

① شامی ج ۱، ص ۱۲۵ بیروت
② فتح الرحمٰن ج ۲، ص ۲۲۶ قاہرہ
③ امداد المفتیین ج ۲، ص ۲۲۶
کفایۃ المفتی ج ۳، ص ۱۳۰

ایک مقام سے دوسرے مقام پر مسجد اور اس کے سامان کی منتقلی

علامہ شامی نے اس مذکورہ مسئلہ پر بھی بحث کی ہے اور اختلاف کو واضح کیا ہے اور آخر میں فیصلہ یہی دیا ہے۔ کہ ہمارے زمانہ کے لحاظ سے اب اس کی اجازت ہے کہ جب مسجد کا سامان ڈاکو یا غیر مسلم کے لیجانے کا خطرہ ہو۔ اور مسلمان آبادی بالکل نہ ہو جو کہ اس کو آباد کریں۔ پھر اس سامان کو اور مسجد کو فروخت کر کے دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے۔

و الذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل الی قوله ولاسیما فی زماننا (۱)
لیکن یہ مسجد کا سامان وغیرہ کے فروخت کرنے میں قضاء قاضی ضروری ہے،
کما فی العالمگیری و الدر المختار انه لایجوز لهم ان یفعلوا ذلك بغیر امر القاضی
اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین ہمیشہ مسجد رہے گی (۲)

(۱) شامی ج ۳، ص ۳۷۲

(۲) عالمگیری ج ۲، ص ۴۵۴

اسی طرح امداد المفتیین اور کفایہ المفتی (۱) میں ہے کہ وہ ہمیشہ مسجد کے حکم میں ہوگی اور اس کو منتقل کرنے کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے ھکذا فی عزیز الفتاوی (۲)
اسی طرح اسلام کا نظام مساجد نامی کتاب میں ہے کہ جیسے آشوب زمانہ یا انقلاب دور نے ایسی حالت پیدا کردی ہے کہ مسلم آبادی وہاں سے ختم ہوگئی یا وہ حالات سے مجبور ہو کر چلے گئے جس کی وجہ سے مسجد ویران ہوگئی با ایں ہمہ مسجد، مسجد ہی رہے اس میں کوئی دوسرا تصرف کسی کیلئے جائز نہیں ہے۔ نہ مسجد فروخت کی جاسکے گی اور نہ نیلام ہوگی نہ اسکو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری مسجد بنائی جائے گی البتہ جب ایسی کسی مسجد کا سامان یا اسباب ضائع ہو رہا ہے یا ظالم و غاصب کے ظلم و غصب کا غالب خطرہ ہے تو ایسی صورت میں مسجد کے اسباب کا دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے باقی یہ مسجد اپنے بنیاد پڑنے کے دن سے ابد الاباد مسجد ہی رہے گی۔ (۳)

(۱) کفایۃ المفتی ج ۷، ص ۲۵
(۲) عزیز الفتاوی ص ۶۰۳
(۳) اسلام کا نظام مساجد ص ۱۷۳

اس سے معلوم ہوا کہ سامان بھی بوجہ انتہائی مجبوری کے منتقل کریں گے عام حالات میں جائز نہیں۔ اور مسجد کی زمین تو مسجد ہی رہے گی (۱) خلاصہ یہ ہوا کہ عام حالات میں قطعاً اجازت نہیں ہے البتہ سامان کے بارے میں کچھ اقوال ملتے ہیں (۲) باقی زمین کے بارے میں وقت کا لحاظ کر کے علماء جواز قرار دیں تو ٹھیک ہے ورنہ عام کتب فقہ میں اس کی اجازت اور نظیر نہیں

(۱) فتح الرحمن ج ۲، ص ۳۶۵

(۲) فتاویٰ عزیزیہ ص ۴۰۱

مسجدوں میں غیر مسلموں سے چندہ

اس سلسلے میں تو بعض علماء نے ایک شق لکھی ہے کہ لینا جائز ہے، لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کفار کے مال میں چونکہ حرام بھی ہوتا ہے کیونکہ سود قمار اور شراب کی خرید و فروخت وغیرہ عام ہوتی ہے اس لئے ان کا مال حرام ہونے کی وجہ سے نہ لیا جائے ہاں اگر مال حلال ہو تو اس صورت میں ان کے مال کے متعلق صاحب کتاب فتاویٰ عبدالحی (1) نے مطلقاً لکھا ہے کہ ہندو کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے لیکن دوسری کتب تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ لینا جائز ہے بشرطیکہ ثواب کی نیت سے دے اور اس کو وہ عبادت سمجھتا ہو اور ساتھ یہ بھی شرط کہ کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کرنے یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو (2)

(1) فتاویٰ عبدالحیٔ ج ۱ ص ۱۷۶ ایچ ایم سعید

(2) معارف القرآن ج ۳، ص ۳۳۱
کفایۃ المفتی ج ۷، ص ۷۵
فتاویٰ محمودیہ ج ۲، ص ۳۷۶
فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۲۳

ڈاکٹر کی فیس

ڈاکٹر یا حکیم بسا اوقات دوا نہیں دیتے بلکہ مرض کی تشخیص کر کے دواؤں کا نسخہ لکھ دیتے ہیں اور ان کی فیس لیتے ہیں، یا وکلاء قانونی مشورہ دیکر اس کی فیس لیتے ہیں شرعاً یہ فیس لینا جائز ہے یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص کئی آدمیوں کی خدمت کرتے ہیں اپنے ذہنوں کو اور اپنے وقت کو اسی چیز کیلئے وقف کر دیتے ہیں اس لئے ان کو فیس مقرر کرنا جائز ہے ①

کمیشن ایجنٹ

قال فی التاترخانیة و فی الدلال السمسار یجب اجر المثل و قالوا ضعوا علیه ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذالك حرام علیهم و فی الحاوی سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال ارجو انه لا باس به و ان کان فی الاصل فاسد الکثرة التعامل و کثیر

① کفایة المفتی ج ۷ ص ۳۳۸
امداد المفتیین ج ۲ ص ۹۷۶
فتاوی رشیدیه ص ۵۴۲

البتہ موجودہ دور میں وکالت کے پیشہ کو ناجائز لکھا ہے کیونکہ جھوٹ دھوکہ ہے

من هذا غير جائز فجوزه لحاجة الناس اليه كدخول الحمام ①

کمیشن ایجنٹ اس کو کہا جاتا ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں تمہارے گاہک بناتا ہوں یا تمہارا مال فروخت کراتا ہوں تم مجھے اتنی اجرت دیدو اسی کو دلال کہتے ہیں اور کمیشن ایجنٹ بھی کہہ سکتے ہیں اس کی مختلف صورتیں ہیں بہر حال اس عبارت مذکورہ میں بتایا کہ تاتارخانیہ میں ہے جو مقرر ہوتے ہیں کہ اتنے پیسے کمائے تو تم کو اتنے ملیں گے یہ ناجائز ہے اس لئے اس کو اجرت مثلی دیجائے گی محمد بن سلمۃ کا قول نقل کیا ہے کہ شدت تعامل اور حاجت الناس کی وجہ سے یہ جائز ہے۔ جیسے کہ بیع کے بہت سارے مسائل ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں اسی طرح صاحب در المختار نے وہ وجوہ لکھی ہیں جن سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے مثلاً اجرت کا مجہول ہونا یا مدت کا مجہول ہونا اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے کہ۔ الا فيما استثنى قال في البزازية اجارة السمسار و المنادى الى قوله ومالا يقدر فيه الوقت و لا يعمل يجوز لما كان للناس به حاجة ②

فرمایا کہ دلال اور آواز لگانے والے کی اجازت جائز ہے اگرچہ اس میں وقت اور عمل کی مقدار متعین نہیں ہے اس لئے کہ انہیں حاجت ہے۔ اس دلال اور کمیشن ایجنٹ کا کاروبار جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی غیر شرعی طریقہ استعمال نہ کیا جائے ③

هكذا يفهم في فتوى رشيديه

① شامی ج ۵، ص ۳۹
② شامی ج ۵، ص ۲۹
③ فتوی رشیدیہ ص ۵۴۳
کفایہ المفتی ج ۷، ص ۳۱۳
امداد الفتاوی ج ۳، ص ۳۶۶

بینک کیلئے مکان کرایہ پر دینا

مسئلہ یہ ہے کہ شرعًا مکان کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور جب انسان کرایہ پر دے گا تو اس صورت میں کرایہ دار اس میں گناہ کے کام بھی کر سکتا ہے اور نیکی کے کام بھی کر سکتا ہے اس لئے بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے لیکن قرآن میں ہے۔

و لاتعاونوا علی الاثم و العدوان ۔ المائدہ ۲/۵

فرمایا کہ گناہوں کے کاموں میں تعاون نہ کریں۔ تعاون علی الاثم کی وجہ سے زنا کرنے والے اور اسی طرح ناجائز کام کرنے والوں کو علماء نے لکھا ہے کہ مکان کرایہ پر نہ دیا جائے ①

بلکہ فرمایا کرنا جائز اور حرام ہے اسی طرح مفتی کفایۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے کبیرہ گناہ پر اعانت کرنا حرام ہے اس لئے کسی حال میں جائز نہیں ②

مفتی محمد شفیع ؒ نے جواہر الفقہ میں تعاون علی الاثم پر تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر اسکو علم ہے کہ یہ شخص سودی کاروبار کرے گا تو یہ اجارہ مکروہ تحریمی ہے

① فتاوی رشیدیہ ص ۵۰۲

② کفایۃ المفتی ج ۷، ص ۳۳۰

اگر معلوم نہ ہو تو پھر دوسری بات ہے (۱)
اور صاحب فتاوی رحیمیہ نے لکھا ہے کہ مکان کرایہ پر بینک کو نہ دیا جائے۔ اعانت علی المعصیت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اگر چہ بینک والے کرایہ زیادہ ہی کیوں نہ دیں (۲)
صاحب جدید فقہی مسائل نے جو لکھا ہے کہ جو بعد میں جو بینک قائم ہوگیا تو کوئی بار گناہ نہیں ہے۔ یہ راجح معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ ذمیؒ کو کرایہ پر مکان دینے کے بارے میں ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں نہیں ہے۔ اور کفار کے متعلق تو مفتی کفایت اللہ نے لکھا ہے کہ کافر کو مکان شراب کیلئے کرایہ پر دینا جبکہ وہاں اکثریتی آبادی کفار کی ہو تو درست ہے (۳)
تمام مسلمانوں کیلئے حکم یہ ہوگا کہ اگر بعد میں بینک بنایا گیا تو اس سے مکان خالی کرائے ہاں اگر اسکا اختیار نہ ہو تو مدت مقرر ہو چکی ہے اسکا پورا کرنا ضروری ہے تو اس صورت میں مالک مکان مجبور ہونے کی وجہ سے معذور قرار دیا جاسکتا ہے ورنہ اسپر گناہ ہوگا۔ کما فی کتب الفتاوی المذکورہ

(۱) جواہر الفقہ ج ۲ ص ۴۶۱

(۲) فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۱۵۶

(۳) کفایۃ المفتی ج ۷ ص ۳۴۰

بلڈ بینک کا قیام اور خون کی خرید و فروخت

اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ خون جمع کر کے رکھنا اس میں شک نہیں کہ خون ضرورت کے تحت جمع رکھنا جائز تو ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک مسئلہ ہے اسکی خرید و فروخت کا اس میں علماء نے عدم جواز لکھا ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ جب ضرورت ہے تو کیا کیا جائے ایسی صورت میں مجبور اور مفلس آدمی کو اگر کوئی عطیہ دیدے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اگر کوئی عطیہ نہ دے تو اس صورت میں مجبور شخص بوجہ مجبوری کے بقدر ضرورت خرید لے لیکن فروخت کرنے والے کیلئے خون فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی امثلہ موجود ہیں مثلاً بوجہ مجبوری واضطراری سودی قرض لینا جائز ہے لیکن دینے والے کیلئے ناجائز ہے۔ اسی طرح رشوت دینا اپنے حق کیلئے یا ظالم کے ظلم سے بچنے کیلئے ناجائز ہے۔ مگر لینے والے کیلئے ناجائز اور حرام ہے اسی طرح اس مسئلہ میں یہ ہوگا کہ خون کی خرید و فروخت ناجائز ہے، جیسے کہ انسان کے کسی عضو کو کاٹ کر دوسرے کو کھلانا جائز نہیں انسان کی کرامت کی وجہ سے (۱)

(۱) المبسوط سرخسی ج ۲۴ ص ۴۸ بیروت
شامی ج ۵ ص ۲۱۵ بیروت

اسیطرح انسانی اعضاء سے انتفاع کو فقہائے نے ناجائز قرار دیا ہے نجاست کی وجہ سے یا کرامت کی وجہ سے ①

اسیطرح آلات جدیدہ اور اعضاء انسان کے احکام طب جدیدہ میں ②

اور نظام الفتاوی میں ہے کہ اعضاء انسانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ باقی یہ ہے صاحب جدید فقہی مسائل نے اس بات پر دلیل پیش کی ہے کہ خون کی فروخت دور جدید میں جائز ہونی چاہیے، مسئلہ یہ ہے کہ بیشک اس میں فوائد موجود ہیں لیکن ہمیں قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ ناجائز کام میں فوائد اور نقصان دونوں ہوسکتے۔ لیکن اگر فوائد کی نسبت گناہ زیادہ ہو یا نقصان زیادہ ہو تو فوائد تو نہیں دیکھا جائے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ شراب اور جوئے میں لوگوں کیلئے فوائد بھی ہیں لیکن فرمایا کہ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا/ البقرۃ ۲۱۹
فرمایا کہ ان دونوں کا گناہ فوائد سے بڑا ہے

① عالمگیری ج ۵، ص۳۵۴
قاضیخان ص۱۷۹
عالمگیری ج ۳، ص۳۰۳
② طب جدید ص۹۱
نظام الفتاوی ج ۱ ص۴۲۳

اس لیئے شراب اور جوا حرام قرار دیا گیا ہے اس لیئے اگر دیکھا جائے کہ جس طرح خون کے خرید وفروخت میں فوائد ہیں اسی طرح اس میں نقصانات بھی ہیں

(۱) جب خرید وفروخت کی اجازت ہو جائے گی تو لوگ انسانی جانوں کو ختم کر کے اس کے حصول کے در پے ہو جائیں گے (۲) اس کی تکریم ختم ہو جائے گی (۳) پھر اسکا استعمال عام ہو جائے گا یعنی کہ خوبصورتی بڑھانے کیلئے موٹا ہونے کیلئے وغیرہ۔ جبکہ خون کا استعمال صرف اس وقت کرنا چاہیئے جبکہ جان کا خطرہ ہو یا یہ کہ حکیم حاذق یہ کہہ دے کہ اب خون کے علاوہ کوئی چیز کارآمد نہیں ہے (۴) پھر انسان کے باقی اعضاء کی خرید وفروخت کا دروازہ کھل جائے گا پھر انسان عام سامان کی مانند ہو جائے گا (۵) پھر عطیہ اور نیکی کرنے کا جذبہ ختم ہو جائے گا یہ خون دینے والا کہے گا کہ اتنی رقم دو پھر خون دوں گا کیونکہ جب جواز کا حکم ہو گا تو پھر کوئی مفت دینے کیلئے تیار نہ ہو گا جبکہ فی الوقت عدم جواز کی وجہ سے کئی لوگ خون کا عطیہ ثواب کی نیت سے دیتے ہیں باقی مصنف نے نجس تیل کی دلیل پیش کر کے اس کو اسی پر قیاس کیا ہے بیشک یہ مسئلہ شامی کے اندر موجود ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تیل اور اس میں بہت فرق ہے اس لئے کہ اسے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اگرچہ کھانے کیلئے نہیں لیکن جلانے میں استعمال کر سکتے ہیں (۱) باقی خون کو تو شرعاً استعمال کی بھی اجازت نہیں دو "الا للمضطر"

باقی یہ کہ جہاں تک مسئلہ دودھ کی فروخت کا ہے تو احناف کے نزدیک وہ بھی فروخت نہیں کر سکتے۔ جو عورت کو اجرت دی جاتی ہے وہ اسکی محنت کا صلہ ہوتا ہے۔ باقی آزاد کو غلام پر قیاس کرنا درست نہیں اس لئے کہ شریعت میں بہت سے مسئلوں میں اختلاف ہے مثلاً طلاق اور حدود اور اسی طرح خرید وفروخت کے مسائل میں اس لئے راجح اور قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خون کی خرید وفروخت کی اجازت نہ ہو ہاں اگر علماء متفقہ فیصلہ کریں حالات کو دیکھ کر تو یہ جائز ہے تو ممکن ہے کوئی صورت نکل آئے

(۱) شامی ج ۴، ص ۱۱۴

غیرمسلموں کے جلوس جنازہ میں شرکت

مسئلہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کی نماز جنازہ میں شرکت درست نہیں اسی طرح ان کیلئے دعاء مغفرت بھی جائز نہیں کیونکہ قرآن میں سخت ممانعت ہے قرآن میں ہے۔ ماکان للنبی و الذین آمنو ان یستغفروا للمشرکین (التوبہ ۱۱۳) فرمایا کہ نہ نبی کیلئے ایمان والوں کیلئے جائز ہے کہ وہ مشرکین کیلئے دعاء مغفرت کریں ... اسی طرح ایک مقام پر ہے کہ، ولا تصل علی احد منہم مات ابداً و لا تقم علی قبرہ (التوبہ ۸۴) فرمایا کہ کفار اور مشرکین کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اسی طرح حضرت نوح ؑ نے اپنے بیٹے کیلئے دعاء کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع فرمایا یہی وجہ ہیکہ عالمگیری میں ہے کہ جب کسی کافر کی تعزیت کیلئے جائے تو اس کیلئے مغفرت کی دعاء نہ کرے بلکہ یہ الفاظ کہے کہ "اعظم اللہ اجرك واحسن عزاك" مغفرت کے الفاظ نہ کہیں یہی وجہ ہے کہ کافر یا مشرک کو سلام کہنا ہو تو و السلام علی من اتبع الھدیٰ کہا جائے گا کیونکہ کافر کیلئے سلامتی کی دعاء درست نہیں ہے (۱) چنانچہ در مختار میں ہیکہ، و الحق حرمۃ الدعاء بالمغفرۃ للکافر فرمایا کہ کافر کیلئے مغفرت کی دعاء ناجائز ہے (۲)

(۱) عالمگیری ج ۱، ص ۱۶۷

(۲) در مختار شامی ج ۱، ص ۳۵۱

اسی طرح کفایۃ المفتی میں ہے کہ لا یجوز لاحد یؤمن باللہ ورسولہ والیوم الاخر ان یصلی علی کافر او مشرک الخ

فرمایا مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ کافر و مشرک کا جنازہ پڑھے (۳) البتہ امور معاشرت میں جو ہیں اسمیں مسلمان اپنے پڑوسی سے حسن سلوک تعزیت یا کافر رشتہ دار کے جنازے کیساتھ صرف جانا مباح لیکن بشرط یہ ہیکہ مسلمان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس کے سے انکے دین کیساتھ پسندیدگی ظاہر ہو اور انکے طریقے کیساتھ رضامندی معلوم ہو۔ (۴) واضح ہوا کہ سلامتی اور مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے ویسے جنازہ کیساتھ چلا جانا یا تعزیت کردینا قرب وجوار وغیرہ کیوجہ سے گنجائش ہے لیکن اسکا خیال رہے کہ انکی رسوم کو ادا نہ کیا جائے اور اسلام کی طریقے کی اہانت نہ ہو

(۳) کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۱۹

(۴) ج ۴ ص ۱۹۱، فتوی دار العلوم ج ۵، ص ۳۶۶

امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۷

غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت

تہوار کہتے ہیں خوشی کا دن جشن وغیرہ کا فی فیروز اللغات

اسلام کے اندر خوشی کے دن جو مقرر ہیں وہ دو ہیں

① عید الفطر ② عید الاضحیٰ ان کو اسلام میں تہوار کہہ سکتے ہیں پھر ان ایام کے اندر بھی خوشی اور جشن شرعی حدود کے اندر رہ کر منانے کی اجازت ہے غیر شرعی امر اور فعل ناجائز اور حرام ہے اب کفار وغیر مسلموں کے تہوار کے علیحدہ انداز اور طریقہ مختلف اور یہ چیزیں مسلم اور غیر مسلم میں امتیازی فرق کرتی ہیں اس لئے اگر مسلمان بھی غیر مسلموں کے تہواروں میں شریک ہونگے تو ایک فرق مٹ جائیگا

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ناجائز افعال کی بظاہر تاکید ہوگی اسی طرح ان سے ایک گنا مشابہت آئیگی اور شریعت میں ان سب چیزوں کی ممانعت آئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من تشبہ بقوم فھو منھم

جو شخص کسی کی مشابہت اختیار کریگا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا اس کے علاوہ موجودہ دور کے کفار کے تہوار فسق و فجور اور حرام کاموں سے بھرپور ہوتے ہیں اس لئے ان میں شرکت کی قطعاً اجازت نہیں ہو سکتی

چنانچہ عزیز الفتاوی میں ہے [1]

تجارت کے لئے بھی نہیں جا سکتے [2]

[1] عزیز الفتاوی ج ۱ ص ۷۵۷ - [2] فتاوی رشیدیہ ص ۵۴۲

دباغت سے پہلے چمڑوں کی فروخت

غیر مسلموں کے ذبیحوں (جو اہل کتاب نہ ہونے کی صورت میں مردار ہے)
اور مردار کا چرم خریدنا درست ہے یا نہیں؟ اور کیا صرف نمک لگا کر چمڑے کو
خریدا یا فروخت کیا جا سکتا ہے؟

وجلد میتة قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل ...
الی قوله وبعده ای الدبغ یباع وینتفع به الخ درمختار[1]

اس عبارت مذکورہ میں بتایا کہ کھال کو دباغت دینے سے قبل فروخت کرنا ناجائز ہے
بیع منعقد بھی نہ ہوگی ہاں دباغت کے بعد اس کو بیچا جا سکتا ہے
اور اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے اسی طرح صاحب مجموعۃ الفتاوی
نے تحریر کیا ہے کہ دباغت سے قبل اس جانور کا چمڑا فروخت کرنا جائز نہیں ہے
جس کو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو عبارت ملاحظہ ہو فتح القدیر: آرد ملاحظہ
لایجوز بیع جلود المیتة قبل ان تدبغ الخ[2]

معلوم ہوا کہ جو جانور شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو وہ مردار ہے
اور مردار کی کھال نجس ہے دباغت کے بعد پاک ہوگی دباغت سے
قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے

[1] فتاوی شامی ص ۱۴۴ ج ۴ طبع بیروت
[2] مجموعۃ الفتاوی علی حاشیہ خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۳۱ امجد اکیڈمی لاہور

دودھ بینک

یہ مسئلہ بھی تقریباً تقریباً بلڈ بینک کی مانند ہے جیسے وہاں یہ ذکر کیا گیا ہے
کہ ضرورت اور مجبوری کیلئے جمع کرنا مباح ہو سکتا ہے فروخت نہیں کرنا چاہئے
اس طرح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کسی عورت سے دودھ لے لیا جائے
اور اس کو رکھ لیا جائے تو ضرورت شدیدہ کی صورت میں جائز ہو سکتا ہے
لیکن خرید و فروخت ناجائز ہے
اور دوسری بات یہ ہے کہ خون سے نسب اور رشتہ پر اثر نہیں پڑتا اور دودھ
کی وجہ سے اثر پڑتا ہے اس لئے اسمیں کئی عورتوں کے دودھ جمع کر کے پلانے سے
اجتناب کیا جائے باقی عورت کا دودھ پلانا اور اس پر وہ اجرت لے تو
یہ شرعاً درست ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے لیکن دودھ کو فروخت
کرنا مختلف عورتوں کے دودھ جمع کرنا پھر پلانا درست نہیں کیونکہ اس سے نسب
کا اختلاط ہوگا اور حلال و حرام میں تمیز نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے
کہ بغیر ضرورت کے عورت ہر بچے کو دودھ نہ پلائے اور جب پلائے تو اسکی تشہیر کیا کرے
یا لکھ لیا کرے کیونکہ نسب کا علم نہ ہوگا لہذا یہ بات واضح ہے کہ دودھ کو فروخت
کرنا جائز نہیں ہے باقی جہاں تک مسئلہ عورت کے دودھ پلا کر اجرت لینے کا ہے
وہ ایک مزدوری ہے محنت کے پیسے ہیں اور عورت کو چاہیئے کہ بچے کی پرورش کرے
چنانچہ درمختار میں صاف لکھا ہے کہ عورت کے دودھ فروخت کرنا جائز نہیں

ولبن امرأة ولو في وعاء ولو امة على الاظهر (1)

(1) شامی ج ۴ ص ۱۱۳ طبع بیروت

فرمایا کہ عورت کا دودھ فروخت کرنا جائز نہیں اگرچہ برتن میں ہو ایک تو انسانی جزو کو فروخت کرنا ہوگا جس سے اس کی تکریم ختم ہوگی اور اسلامی روح اور مسلم معاشرہ کے خلاف ہے اسلامی ملکوں میں اس طرح کے بینک کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے ضرورت مند بچوں کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی فراہمی ہی انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے

صاحب جدید فقہی مسائل کی جو رائے ہے کہ جواز ہونا چاہئے یہ رائے مضبوط نہیں ہے اس لئے کہ ایک طرف غیر فطری عمل ہونے کی وجہ سے عورتوں میں اس سے دلچسپی نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف اس سے صحت پر منفی اثرات پڑتے ہیں اور اس میں بہت سے فسادات اور ضرر پنہاں ہیں اور اجازت کی صورت میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور جب دودھ اکٹھا ہوگا تو ریکارڈ نہ ہوگا پھر حلال وحرام میں تمیز کیسی ہوگی جبکہ نکاح کے حرام و حلال کیلئے رضاعت کا مسئلہ بنیاد ہے خون کی بنسبت زیادہ مضرات ہیں [۱]

نظام الفتاوی کے اندر بھی دودھ جمع رکھنے کی اجازت ہے لیکن خرید و فروخت کی اجازت نہیں [۲]

[۱] عصر حاضر کے فقہی مسائل ص ۱۰۰ مولانا بدر الحسن القاسمی مطبوعہ (ہند)
[۲] نظام الفتاوی ج ۲ ص ۵۲۲

ویران مساجد ومقابر کا حکم

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کے قریب قریب مسئلہ گزر چکا ہے جس کا عنوان ہے کہ ایک مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اسمیں بحوالہ شامی مذکور ہے کہ ہمارے زمانے میں جس مسجد کا سامان کی ضرورت نہ ہو اور ڈاکو کے لیجانے کا خطرہ اس کو فروخت کرنا جائز ہے [1]
لیکن عام حالات میں مسئلہ یہ ہے کہ جو مسجد بن جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہیگی جیسے کہ عالمگیری میں ہے [2]
اسی طرح [illegible] دیگر کتب فتاوٰی میں ہے [3]
اور کفایت المفتی میں اسکو منتقل کرنا مرجوح قرار دیا گیا ہے ھکذا فی عزیز الفتاوٰی [4]
خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کے متعلق علما کرام نے یہ راجح قرار دیا کہ وہ زمین ہمیشہ مسجد کے حکم میں رہیگی البتہ شامی کے قول سے جواز کا اشارہ ملتا ہے اسی طرح اسلام کا نظام مساجد میں بھی ایک حالت میں اس کی اجازت ہے لہذا اگر علما وقت تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اجازت دیں تو گنجائش ہے زمین کو فروخت کرکے دوسری مسجد میں رقم لگائی جائے باقی مقابر کے بارے میں مفتی کفایت اللہ نے لکھا ہے کہ اگر جگہ وقف ہے تو وقف ہی رہیگی اور اگر کسی کی خاص ملک ہے تو وہ دوسری چیز کیلئے استعمال کرسکتا ہے بشرطیکہ میت کی ہڈیاں ختم ہو جانے کا قوی امکان ہو بہرحال اسکے اندر کافی گنجائش ہے کہ اس پر کوئی چیز وغیرہ تعمیر کی جائے جبکہ دشمن سے خطرہ وغیرہ ہو عام حالات میں وقف زمین کو وقف ہی رہنے دی جائیگی ایسے تصرف کیلئے جائز نہیں

[1] شامی ج ۳ ص ۳۴۲ طبع بیروت [2] عالمگیری ج ۲ ص ۴۵۸
[3] امداد المفتیین و کفایت المفتی ج ۷ ص ۳۵ [4] فتاوٰی عزیزیہ مبوب ص ۶۰۳
اسلام کا نظام مساجد ص ۱۴۲ فتاوٰی رحیمیہ ج ۶ ص ۱۴۱ فتح الرحمان ج ۲ ص ۳۶۵ قاہرہ

ایک مسجد کا قرآن دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا حکم

وان وقف علی المسجد تجوز ویقرأ فی ھذا المسجد وذکر فی بعض المواضع لا یکون مقصوداً علی ھذا المسجد کذا فی الوجیز للکردری (۱) اگرچہ بعض اقوال ایسے ہیں منتقل نہ کیا جائے لیکن اگر حالات اور ضرورت دوسری مسجد میں ہو اور اس مسجد میں وافر مقدار میں ہوں تو پھر منتقل کرنا جائز ہوگا

دوسری بات یہ ہے کہ جو بھی وقف کرتا ہے اس کی نیت عموماً ثواب کی ہوتی ہے کہ اللہ کے گھر میں لوگ آئیں گے پڑھیں گے تو ثواب ہوگا اور اگر ایک مسجد میں بہت ہوں دوسری میں کم ہوں تو وقف کرنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ وہاں قرآن کریم کم ہیں اس میں سے ہم لیجائیں تو یقیناً وہ اجازت دیگا اسلئے اگر ایک مسجد میں زیادہ ہیں اور دوسری مسجد میں ضرورت ہے تو انتقال جائز ہونا چاہیئے کیونکہ مقصود پڑھنا اور وقف کرنا ہے وہ دونوں صورتوں میں ہے اور شریعت نے اعتبار محتاج اور ضرورت کا کیا ہے مثلاً زکوٰۃ میں جہاں زیادہ مستحق ہوں وہاں دیجائے

اگر اس علاقے میں نہ ہوں تو دوسرے علاقوں میں منتقل کرسکتے ہیں اس طرح زکوٰۃ کا نصاب دیکھتے وقت مسکین فقیر کی رعایت کیجائے گی کہ جسمیں اس کا نفع ہو اس کو نصاب بنایا جائے

(۱) عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۱

شامی ج ۲ ص ۵۴۸ بیروت

مساجد کی تعمیر میں ضرورةً گوبر کا استعمال،

مساجد کی تعمیر میں اور چھت وغیرہ میں گوبر کا استعمال اسکی مضبوطی کیلئے کیا جاتاہے تو آیا اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں،

تو اس کے بارے میں " جدید فقہی مسائل " کے مصنف کی تحقیق فتاوی ھندیہ کے حوالہ سے یہ ہے کہ فقہاء نے ضرورةً اس کے استعمال کی اجازت دی ہے پھر جب یہ تعمیر میں استعمال ہونے کے بعد مٹی کی صورت اختیار کرلے تو چونکہ حقیقت بدل چکی ہے، اس لئے حکم بھی بدل جائیگا، اور اب وہ ناپاک نہیں سمجھا جائے گا۔[1]

---

[1] " جدید فقہی مسائل " تالیف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی"
جلد اول ص ۳۰۱ و ج ۲

بینک ڈرافٹ وغیرہ کا شرعی حکم

مسئلہ یہ ہے کہ ڈرافٹ چیک پوسٹل منی آرڈر تقریباً ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں، البتہ (ڈرافٹ چیک) بینک کا ہوتا ہے، پوسٹل منی آرڈر ڈاکخانہ کا ہوتا ہے لیکن ان میں عموماً رقم لکھی جاتی ہے وہ رقم دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں وصول کیجاتی ہے ان مذکورہ کاغذات میں سے کوئی کاغذ دکھا کر،

اور یہ اسوقت ابتلاء عام کے ساتھ ساتھ ضرورت شدیدہ بن چکی ہے، اسلئے کہ اسمیں حفاظت ہے، لہذا اسکی جو رقم لی جاتی ہے اسکو مزدوری اور اسکی لکھائی پڑھائی اور وقت خرچ کرنے کی اجرت قرار دی جائیگی اور اسکو جائز قرار دیا جائیگا، جیسے کہ صاحب امداد الفتاویٰ نے لکھا ہے کہ منی آرڈر میں ابتلاء عام اور آسانی کیوجہ سے جواز کو ترجیح ہوگی، یہی صورت باقی اشیاء میں ہے، اسلئے اسکو وقت اور زمانے کیوجہ سے جائز کہا جائے گا، جیسے عقود رسم المفتی میں ہے کہ کبھی کبھی مسائل کا حکم باعتبار زمان تبدیل ہوتا رہتا ہے،

یہ مسئلہ بھی اس قبیلہ سے قرار دیا جائے گا اور بینک ڈرافٹ منی آرڈر وغیرہ کی اجرت لینا دینا جائز ہوگی اسلئے کہ اسپر مستقل وقت اور محنت صرف کی جاتی ہے، لہذا جو اجرت ہوگی وہ اس محنت کی اجرت قرار دی جائیگی۔

جدید سلک کے کپڑے

دیکرہ لبس ما کان لحمتہ من الحریر وسواہ من غیر الحریر فی غیر الحرب [1]
فرمایا کہ ایسے کپڑے عام حالات میں مکروہ ہیں جس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا ریشم کے علاوہ کسی اور چیز کا مطلب یہ ہےکہ مردوں کیلئے شریعت نے خالص ریشم کا پہننا ناجائز قرار دیا ہے اور اسی طرح صرف تانا ریشم کا ہو وہ بھی مکروہ ہے اب دیکھا یہ جائے گا کہ سلک کے کپڑے ریشم کے ہیں یا غیر ریشم کے اگر ریشم کے ہیں تو مرد نہیں پہن سکتا باقی تکیہ وغیرہ اور اس پر بیٹھنے کیلئے جواز کا ایک قول ہے کما فی کتب المذکورہ
لیکن احتیاط اور تقوی اسی میں ہے کہ اس سے بھی بچا جائے باقی اگر ریشم نہیں ہے صرف چمک ہے تو پھر جائز ہے
اس لئے کہ شرعاً چمک کی وجہ سے کوئی مخالفت نہیں ہے اور عورتیں تو ریشم استعمال کر سکتی ہے چنانچہ مفتی کفایت اللہ نے لکھا ہے کہ سلک جوٹسن سے یا نباتاتی اجزاء سے بنا ہوا ہو اس کا پہننا بلاشبہ جائز ہے البتہ جو سلک کپڑے کا بنایا ہوا ہو وہ ریشم ہے اور مردوں کیلئے خالص ریشم یا جس کا بانا ریشم کا ہو وہ ناجائز ہے اور جس کا صرف تانا ریشم ہو وہ جائز ہے [2]

[1] مجموعۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۶۹ ۔ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۱
[2] کفایت المفتی ج ۹ ص ۱۵۰

جانوروں پر میڈیکل ریسرچ

مسئلہ یہ ہے کہ قرآن میں ہے هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (البقرہ ۲۹) فرمایا کہ جو کچھ زمین میں ہے تمہارے نفع کے لئے ہے اسمیں کیا شک ہے کہ حیوانات انسان کے نفع کے لئے ہیں ان میں بہت سے منافع ہیں جانوروں پر میڈیکل تحقیقات کرکے انسانی جانوں کو بچانا بہت بڑا فائدہ ہے اور ضرورت ہے اور اگر جانوروں کی اجازت نہ دی جائیگی تو یقیناً انسانوں پر ریسرچ کرنے پر مجبور ہونگے جب کہ انسان حیوان سے کئی درجے افضل ہے اس لئے اب جب یہ بات یقین کے درجے پہنچ گئی ہے کہ ان پر تحقیقات کرنے کے بعد انسان کو جانی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو یقیناً جائز ہونا چاہیے[1]

~~[illegible]~~

اسی طرح فقہ کا قاعدہ ہے کہ الضرر الأشد یزال بالضرر الاخف[2] فرمایا کہ شدید ضرر کو اور نقصان کو ہلکے ضرر اور نقصان سے دفع کیا جائیگا لہذا انسان کا ضرر شدید ہے نقصان بھی شدید ہے اسلئے جانور پر تحقیقات کرکے انسان کا علاج کرنا درست ہے۔

~~قواعد الفقہ ص ۸۸~~

[1] اعضاء انسانی کا احترام اور طب جدید مفتی عبد السلام چاٹگامی ص ۱۰۰

[2] قواعد الفقہ (سید عمیم الاحسان) ص ۸۸

احقر نے اس مقالہ کے تفصیلی مقدمہ سے فراغت کے بعد مسائل فقہیہ میں سے صرف ضروری اور اہم مسائل کا ذکر کیا ہے۔
جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے

پہلا باب

پاکی و ناپاکی کے جدید مسائل:
پٹرول اور مٹی سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم
ٹسٹ ٹیوب سے وجوب غسل: وغیر ذلک، کل چھبیس ۲۶ مسائل اس باب میں ہیں

(دوسرا باب)

نماز کے جدید مسائل: ہوائی جہاز پر نماز ادا کرنا سمندری جہاز میں نماز کا حکم حالت نماز میں گھڑی دیکھنا: ٹیلیویژن سے امامت وغیرہ نیز اس قسم کے ۳۲ مسائل کا ذکر کیا گیا ہے

تیسرا باب روزہ

طویل الاوقات ملکوں میں روزہ کا حکم حالت صوم میں انجکشن وگلوکوز اس قسم کے ۱۴ مسائل کا ذکر کیا گیا ہے

چوتھا باب زکوٰۃ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ۔ نوٹوں سے زکوٰۃ ادا کرنا اس قسم کے انیس ۱۹ مسائل

پانچواں باب حج

ہوائی جہاز میں احرام وغیرہ اس قسم پانچ مسائل

چھٹا باب

ذبح و قربانی
مشین سے جانور کو ذبح کرنا۔ بندوق کا شکار کیا ہوا جانور وغیرہ ۶ مسائل پر مشتمل ہے

ساتواں باب

ازدواجی زندگی۔ تحریری نکاح۔ ٹیلیفون سے نکاح۔ ٹسٹ ٹیوب سے تولید کے احکام ۱۹ جدید مسائل کا ذکر

آٹھواں باب

زیبائش و آرائش۔ مصنوعی بالوں کا استعمال۔ اضافہ حسن کیلئے سرجری ۱۲ مسائل پر یہ باب مشتمل ہے

نواں باب

خوراک و پوشاک و چمچ اور کانٹوں سے کھانا۔ بفے سسٹم اس قسم کے چھ مسائل

دسواں باب

تفریحی امور۔ نغمہ و موسیقی ٹیلیویژن اور فلم۔ پتنگ بازی ستائیس مسائل پر یہ باب مشتمل ہے

گیارھواں باب

طب و علاج۔ خون چڑھانا۔ اعضاء انسانی کی پیوندکاری وغیرہ سات مسائل پر مشتمل ہے

(بارھواں باب)

خرید و فروخت) حق تصنیف کو فروخت کرنا۔ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی فروخت: پندرہ مسائل پر مشتمل ہے

تیرھواں باب

اجارہ و ذرائع معاش، رقص و موسیقی کی اجرت۔ فلم اور ٹیلیویژن

کو ذریعہ معاش بنانا۔ اس قسم کے پانچ مسائل پر مشتمل ہے

چودھواں باب۔ سود و قمار

ٹیکس میں سود کی رقم دینا، قرض کا فروخت کرنا، چودہ مسائل پر مشتمل ہے

پندرہواں باب۔ متفرقات

ووٹ کی شرعی حیثیت، بھوک ہڑتال، اپریل فول سات مسائل پر مشتمل ہے

ضمیمہ، جس کے اندر ۲۲ مسائل کا ذکر ہے

فہرست مصادر و مراجع تقریبا سو کتابیں بلکہ اس سے بھی متجاوز کتابوں کا ذکر پر مشتمل ہے۔

Appendix which includes 22 problems.

CONCEPT OF DISCUSSION.

The real purpuse and benefit of this research can be summarised as follows:

1- To find out the ways and means in order to solve the modern problems For this purpose a process has been laid which are very necessary.

2- The door to Ijtehad has not been closed completely but one of the aspects of Ijtihad which is called TAhqeeq Mannat is still in Vogne through which problems of every time can be incorporated in Islamic laws.

3= The meaning of Ijma is not that which is usually known but Ijma can be held with three person also

4- With the change of time, orders also change. In order to explain such a situation what steps should be taken and its explanation

5- Common practice and habits, how long they an valid in the solution of religious orders.

6- Selection of 218 modern problems of jurisprudence whose need is felt by Muslims.

7- There any opening left in the modern time for any Ijtihad.

8- What is the importance of human reconciliation in religion.?

9- Force is not a correct step in enforcing religious orders openly but emphasis should be laid on time and opportunity for reconciliation.

10- In the modern evolution of jurisprudence what steps are essential.

Human efforts can never be perfect to the core Although I have tried my best as far as I could to justify my approach if it is accepted by Allah Almighty. In the end I thank the teachers and thos present in the seminar who came here and enconrafed me by listening to my discourses with patience and pleasure

My last prayer is that all the beauty and bounties are for Allah, the sustainer of the world.

****

فوائد البحث

اس تحقیق کے نتائج اور فوائد کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ جدید مسائل کے حل کا طریقہ کار اور اس کیلئے ضروری اصول اور ضوابط کا بیان

۲۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد کا دروازہ مطلقاً بند نہیں بلکہ اجتہاد کا ایک نوع جسکو تحقیق مناط کہا جاتا ہے اب بھی باقی ہے جسکے ذریعے سے ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے مسائل کو اسلامی قوانین پر چسپاں کیا جاسکتا ہے

۳۔ اجماع کا جو معنیٰ مشہور ہے کہ کسی مسئلہ پر ساری امت کا متفق ہونا یہ صحیح نہیں بلکہ اجماع تین افراد سے بھی منعقد ہو سکتا ہے۔

۴۔ زمانہ کی تغیر سے احکام میں تغیر آتا ہے اس کلیہ سے کونسے احکام مراد ہیں اسکی وضاحت

۵۔ عرف اور عادت کا اعتبار احکام شرعیہ کے حل کے سلسلے میں کب تک معتبر ہے

۶۔ دو سو اٹھارہ جدید فقہی مسائل کا انتخاب جنکی ضرورت مسلمانوں کو ہر موڑ پر پڑتی ہے

۷۔ موجودہ زمانہ میں کس قسم کی اجتہاد کی گنجائش باقی ہے

۸۔ انسانی مصالح کی شریعت میں کیا اہمیت ہے

۹۔ احکام شرعیہ میں علی الاطلاق تشدد صحیح نہیں بلکہ موقع و محل کی تعیین کی ضرورت ہے

۱۰۔ فقہ کی جدید تدوین میں کن امور کی ضرورت ہے۔

حضرات انسانی کاوش اور محنت کبھی کامل نہیں ہو سکتی اس بناء پر اگرچہ راقم مقالہ نے حسب توفیق محنت کی ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے

فان ھنت علیہا قبول القبول فھو المأمول والمسئول

آخر میں جامعہ سندھ کے تمام اساتذہ کرام و حاضرین سیمینار اور جامعہ کی انتظامیہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر یہاں تشریف لائے اور میرے معروضات پر عمل سے سماعت فرمایا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فہرست مصادر و مراجع بترتیب حروف الہجاء

کتاب	مصنف	طبع	
	(الف)		
~~المبسوط~~	~~شمس الائمہ سرخسی~~ رح	~~دار الفکر بیروت~~	~~۱۳۹۸ھ~~
ابو داؤد	سلیمان ابن اشعث ابوداؤد سجستانی	ایچ ایم سعید کراچی	۱۳۷۵ھ
احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد لدھیانوی	ایچ ایم سعید کراچی	۱۴۰۱ھ
~~العرف الشذی~~	~~علامہ سید انورشاہ کشمیری~~ رح	~~ایچ ایم سعید کراچی~~	
امداد الفتاوی	اشرف علی تھانوی رح	مکتبہ دار العلوم کراچی	۱۳۹۵ھ
آلات جدیدہ	مفتی محمد شفیع رح	ادارۃ المعارف کراچی	۱۳۹۹ھ
آپکے مسائل اور ان کا حل	محمد یوسف لدھیانوی	مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن کراچی	۱۹۹۰ء
ابن ماجہ	ابو عبداللہ محمد بن یزید	قدیمی کتب خانہ کراچی	
آداب مسجد	مفتی محمد شفیع رح	دار الاشاعت کراچی	
اسلام کا نظام مساجد	مولانا ظفیر الدین	دار الاشاعت کراچی	۱۹۷۵ء
امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی	
امداد المفتین	مفتی محمد شفیع رح	ادارۃ المعارف کراچی	
احکام الحج	مفتی محمد شفیع رح	دار الاشاعت کراچی	
اسلامی ذبیحہ	مفتی محمد شفیع رح	دار العلوم کراچی	۱۳۸۹ھ
المنتقی	امام باجی رح	دار الکتاب العربی بیروت	
احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت	محمد تقی امینی	سندھ ساگر اکادمی لاہور	
الاشباہ والنظائر	ابن نجیم مصری رح	دار الفکر بیروت	
ازالۃ الخفاء مع ترجمہ	شاہ ولی اللہ رح	قدیمی کتب خانہ کراچی	
اسلامی فقہ کا تاریخی پس منظر	محمد تقی امینی	قدیمی کتب خانہ کراچی	

اصول الفقہ	شیخ محمد خضری رح	مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ	
التقریر والتحبیر	ابن امیر الحاج	طبع بیروت	
الموافقات	علامہ شاطبی رح	״	
اسلام اور جدید دور کے مسائل	محمد تقی امینی	قدیمی کتب خانہ کراچی	
اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام	مجیب اللہ ندوی	مرکز تحقیق لاہور	
المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل	ابن بدران الدمشقی رح	طبع مصر	
اعلام الموقعین	ابن قیم الجوزیہ	دار الجیل بیروت لبنان	
احکام الاحکام	علامہ آمدی رح	مصر	
اعضاء انسانی کا احترام اور طب جدید	مولانا عبد السلام	کراچی	۱۴۰۷ھ
احکام میت	ڈاکٹر عبد الحی رح	دار العلوم کراچی	
الحیلۃ الناجزۃ	اشرف علی تھانوی رح	کتب خانہ عزیزیہ دیوبند	سنہ ۱۳۸۳ھ
الحلال والحرام	یوسف القرضاوی	منشورات مکتبۃ اسلامی بیروت	
اسلامی فقہ	مجیب اللہ ندوی	پروگریسو بکس لاہور	

باء

بذل المجہود	خلیل احمد سہارنپوری رح	مکتبہ قاسمیہ ملتان	
بخاری شریف	امام بخاری رح	قدیمی کتب خانہ کراچی	سنہ ۱۳۵۷ھ
بدائع الصنائع	علامہ کاسانی رح	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ	
بیضاوی شریف	علامہ بیضاوی	سعید ایچ ایم کراچی	سنہ ۱۹۸۸ء
باقیات صالحات	عبد الشکور	طبع کراچی	
بحث و نظر	قاضی مجاہد الاسلام	ادم کالج اعظم پورہ ہند	

ت

کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
التقریر والتحبیر	ابن امیر الحاج	طبع بیروت	
ترمذی شریف	امام ترمذی	طبع ایچ ایم سعید کراچی	سنہ ۱۹۸۲ء
توضیح	عبید اللہ بن مسعود	مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ	
تحریرات النوازل	عبد الواحد سیوستانی رح	طبع قندھار	
تاریخ طبری	ابو جعفر محمد بن جریر	مؤسسۃ الاعلمی بیروت	سنہ ۱۴۰۳ھ
ترجمہ قرآن	اشرف علی تھانوی رح	تاج کمپنی کراچی	

ج

کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
جدید فقہی مسائل	خالد سیف اللہ	حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور	سنہ ۱۹۸۹ء
جہاد افغانستان	مولانا نور محمد	دار العلوم مرکزی جامع مسجد وانا وزیرستان	
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع رح	دار العلوم کراچی	سنہ ۱۴۰۷ھ
جواہر الفتاوی	مفتی عبد السلام چاٹگامی	اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی	

ح

کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
الحلال والحرام	یوسف القرضاوی	منشورات مکتبہ اسلامیہ بیروت	
حسامی	حسام الدین محمد بن عمر	سعید ایچ ایم کراچی	
حصول المامول من علم الاصول	بحوالہ اسلامی فقہ کا تاریخی پس منظر		
حیوۃ الحیوان مع ترجمہ	دمیری رح	منشی نول کشور لکھنؤ	
حجۃ اللہ البالغۃ مع ترجمہ	شاہ ولی اللہ	ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ دمشق	
الحیلۃ الناجزۃ	اشرف علی تھانوی رح	کتب خانہ عزیزیہ دیوبند	سنہ ۱۳۸۳ھ

کتاب	مصنف	ناشر	سن
	خ		
خلاصۃ الفتاویٰ	طاہر بن عبد الرشید	امجد اکیڈمی لاہور	
	د		
درس ترمذی	محمد تقی عثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی	سنہ ۱۴۰۰ھ
	ر		
ردّ المحتار	ابن عابدین شامی	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ	۱۳۹۹ھ
رسائل ابن عابدین	علامہ شامی	سہیل اکیڈمی لاہور	۱۳۹۶ھ
ریڈیو اور ٹی وی کے احکام			
	ز		
زاد المعاد	ابن قیم الجوزیۃ	دار الفکر بیروت	
	ش		
شرح نووی علی صحیح مسلم	علامہ نووی	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱۳۷۹ھ
شرح عقائد	علامہ تفتازانی	مکتبہ خیر کثیر کراچی	

کتاب	مصنف	ناشر	سن
	ص		
صحیح مسلم	امام مسلم	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱۳۷۹ھ
	ع		
عقود رسم المفتی	ابن عابدین شامیؒ	دار الاشاعت کراچی	۱۳۹۶ھ
عزیز الفتاوی	مفتی عزیز الرحمن	دار الاشاعت کراچی	
عصر حاضر کے فقہی مسائل ۱۹۸۸ء	مولانا بدر الحسن القاسمی	دعوۃ تحقیق حیدر آباد (ہند)	
العرف الشذی علی الترمذی	سید انور شاہ	ایچ ایم سعید	
	غ		
غنیۃ المستملی	شیخ ابراہیم الحلبی	سہیل اکیڈمی لاہور	۱۳۹۹ھ
	ف		
فتاویٰ عالمگیری	مولانا شیخ نظام	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔	۱۳۹۸ھ
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی	مظہری کتب خانہ کراچی۔	۱۴۰۶ھ
فتاویٰ خلیلیہ	خلیل احمد سہارنپوری	مکتبۃ الشیخ بہادر آباد کراچی	

فتاویٰ قاضی خان علی ہامش عالمگیری		مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ	
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمن	دارالاشاعت کراچی	
فتح القدیر	ابن ہمام	طبع بیروت	سنہ ۱۳۸۹ھ
فتاویٰ انقرویہ		طبع قندھار	
فتاویٰ معاصرۃ	یوسف القرضاوی	دار آفاق الغد ۱۹۸۱ء	
الفتح الربانی	شیخ حامد	دار الجہاد القاہرۃ	
فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم	ادارہ دعوۃ اسلام یوسفیہ بنوریہ	
فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	ایچ ایم سعید کراچی	سنہ ۱۹۶۷ء

فیروز اللغات	مولانا فیروز الدین	فیروز اینڈ سنز لاہور	
فقہ الزکوٰۃ	یوسف القرضاوی	طبع لاہور	سنہ ۱۹۸۲ء

فتاویٰ حبیبیہ	مفتی حبیب اللہ	موسیٰ کالونی کراچی	
فتح الملہم	شبیر احمد عثمانیؒ	مکتبۃ الحجاز کراچی	سنہ ۱۳۹۳ھ

ق

قاموس الفقہ	خالد سیف اللہ	ندوہ الجنسی ارم کالج اعظم پورہ حیدرآباد (ہند)	
قواعد الفقہ	مفتی سید عمیم الاحسان	الصدف پبلشرز کراچی	سنہ ۱۴۰۷ھ
قرآن مجید			

کتاب	مصنف	ناشر	سن
ماہنامہ بینات ۱۴۱۶ھ		بنوری ٹاؤن کراچی	
مشکوۃ شریف		محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی	
موطا، امام مالک		میر محمد کراچی	
المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل	ابن بدران دمشقی	طبع بیروت	

- ن -

کتاب	مصنف	ناشر	سن
نور الانوار	احمد بن ابو سعید المعروف بملا جیون	ایچ ایم سعید کراچی	۱۳۸۳ھ
نظام الفتاوی	مفتی نظام الدین	مکتبہ حسامیہ دیوبند	
[نسا]ئی شریف	امام نسائی	سعید ایچ ایم کراچی	۱۳۵۰ھ
[نفحة العنبر فی] ملفوظات انورشاہ	احمد رضا بجنوری	نیلا گنبد لاہور	
مشکو[ۃ]			
مقالا[ت]			

- ہ -

کتاب	مصنف	ناشر	سن
ہدایہ	ابوالحسن مرغینانی	مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	۱۳۸۰ھ

CONTRIBUTION OF ULAMA TOWARDS SOLVING THE MODERN PROBLEMS

Ph.D. Thesis by: Manzoor Ahmed Mengal

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

SUMMARY

This work describes two aspects regarding modern problems (of Fiqh). Firstly, the details of principles and methodology to solve the modern problems, have been discussed and compiled in the appropriate form. Secondly, a total of 216 modern problems have been identified and their solutions have also been mentioned along with justifications. The first aspect has been described in a comprehensive preface of more than 100 pages. The second aspect, the problems and their solutions, has been described in fifteen chapters and one appendix spreading over to about 400 pages. More than one hundred books and journals have been consulted for the purpose and are mentioned in the 'References'.

Chapter 1. **PURITY AND IMPURITY**

In this chapter a total of twenty-six problems and their solutions are discussed, e.g. dry cleaning of clothes, Use of washing machines, Compulsory bath on account of artificial insemination etc.

Chapter 2. **PRAYERS**

This chapter consists of thirty-two problems and their solutions, e.g. prayers during air-travel and sea-journey, seeing watch during prayers, Leading (Imamat) through television set etc.

Chapter 3. **FASTING**

Mention has been made of fourteen problems and their solutions, e.g. fasting in those parts of the world where days are longer, injecting medicines and glucose in the body during fasting etc.

Chapter 4. **ZAKAAT**

Totally nineteen problems and their solutions are mentioned e.g. Zakaat on provident fund, payment of Zakaat with currency notes etc.

Chapter 5. **HAJJ**

A total of five problems and their solutions are mentioned e.g. Ahram in aeroplane, Performance of Hajj with forbidden income etc.

Chapter 6. **SACRIFICE AND SLAUGHTER**

Here six problems and their solutions are mentioned, e.g. mechanized slaughter of animals, animals shot by fire-arms etc.

Chapter 7. **CONJUGAL LIFE**

In this chapter eighteen problems and their solutions are discussed, e.g. Nikah through writing, Nikah through telephone talk, artificial insemination etc.

Chapter 8. **BEAUTIFICATION AND COSMETICS**

Here twelve problems along with solutions are mentioned, e.g. use of wig, plastic surgery for cosmetic purpose etc.

Chapter 9. **FOOD AND CLOTHING**

A total of six problems and their solutions are mentioned, e.g. Buffet system, modern dresses etc.

Chapter 10. **RECREATIONAL ACTIVITIES**

A mention of seven problems and their solutions is made in this chapter, e.g. television, movie etc.

Chapter 11. **MEDICAL TREATMENT AND HEALTH CARE**

This chapter mentions seven problems and their solutions, e.g. blood transfusion, transplantation of human organs etc.

Chapter 12. **PURCHASE AND SALE**

A total of fifteen problems and their solutions are mentioned, e.g. selling of copyright, sale of that fruit which has not yet been plucked from the trees, etc.

Chapter 13. **REMUNERATION AND SOURCES OF INCOME**

This chapter discusses five problems and their solutions, e.g. Status of income earned through dancing, playing music, photography etc.

Chapter 14. **INTEREST AND GAMBLING**

A total of fourteen problems and their solutions are mentioned, e.g. loan on interest, Bank interest, sale of loan etc.

Chapter 15. **MISCELLANEOUS**

In this chapter seven problems along with their solutions are mentioned, e.g. religious status of vote in general elections, hunger strike, April fool etc.

A total of twenty-three problems of miscellaneous nature and their solutions are also mentioned in the appendix, e.g. consulting fee of physician, commission agent, blood bank, milk bank, medical research on animals etc.

CONCLUSIONS

The final results and achievements of this work could be summarized as under:

1. The methodology and the principles to solve modern problems have been discussed and compiled in proper format.

2. It is also established that the door of *Ijtihad* is not completely closed but a form of *Ijtihad* known as *"Tahkeek-a-Manaat"* could be adopted any time to solve new problems.

3. For *Ijma* (Consensus of opinion), even agreement of three scholars is deemed reliable.

4. Those orders have been discussed in details, which are allowed to be modified due to changes which take place in the world from time to time.

5. It has been discussed in detail that how far "Customs and Habits" could be relied upon to solve the religious problems.

6. An identification of 216 modern problems being faced by the Ummah has been made and their solutions along with justifications have been provided.

7. The qualities needed by a *Mujtihad* (Jurist) are described.

8. The importance of "Doctrome of Public Good" in Islamic Jurisprudence has been also discussed.

9. Severity may be avoided where ever possible, while framing Islamic Orders.

10. The considerations and actions needed to reframe Fiqh (Jurisprudence) have been suggested.

ACKNOWLEDGMENT

The author is thankful to the authorities of University of Sindh Jamshoro for approving the topic and providing facilities to complete the thesis. The author is also highly indebted to Dr. Abdul Fatah Muhammad Saghiruddin (Ex Professor and Chairman) for supervising the work. The helpful discussion and suggestions of Ulema and the faculty members of the Department of Comparative Religion and Islamic Culture, in general, and those of Late Dr. Molvi Kaleemullah Sario in particular, are highly acknowledged. May Almighty Allah give them the best reward.